مذاہب الاسلام

جسمیں اسلام کے تمام فرقوں کے حالات اُنہیں کے
مذاہب کی کتابوں سے اور اُن کے عقاید اور بانیان
مذاہب کے حالات بھی لکھے گئے ہیں

مؤلفہ

مولانا محمد نجم الغنی صاحب خلف مولانا عبد الغنی خاں صاحب مرحوم رامپوری
مصنف شرح عقاید نسفی اردو موسوم بہ تہذیب العقاید و نجم العقاید و بحر الفصاحت
و تاریخ روہیلہ و تذکرۃ السلوک و معیار الافکار وغیرہ وغیرہ

دوسری مرتبہ ۱۹۰۴ء میں

کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی محمد عبد العزیز مینجر کے
اہتمام سے چھپا

قیمت عصر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ونصلی علی رسولہ الکریم

دیباچہ کتاب بمدح نواب معلی القاب ناصیہ ہفت کشور بارفعہ ہفت اختر حامد علی خان صاحب دام اقبالہ والی ریاست رامپور ملک روہیلکھنڈ

کروں حمد شاہنشہ دو جہاں | خداوند اقلیم کون و مکاں
کئے جلوہ گر جس نے شمس و قمر | زمیں پر نمایاں کئے بحر و بر
گہر آب تر سے ہویدا کئے | دل سنگ سے لعل پیدا کئے
دکھائی بہار نسیم چمن | کھلائے گل و لالہ و یاسمن
خموشی کی لذت لب گل کو دی | تمنائے فریاد بلبل کو دی
زبانوں کو قدرت سے گویا کیا | بیان مطالب پہ شیدا کیا
ہمیں کی یہ توفیق اس نے عطا | کہ دل محو علم عقائد ہوا
کیا اس رسالے کو ہم نے تمام | بعہد خداوند عالی مقام
جہان عطا آسمان کرم | سلیماں نژاد و سکندر حشم
سزاوار اورنگ فرماندہی | در تاج اقبال شاہنشہی
رعایا کے غمخوار و فریاد رس | ستمدیدہ مخلوق کے داد رس
یہی خلق کہتی ہے بیل و نہار | کہ حامد علی خان عالی تبار

یونہی حکمراں تا قیامت رہیں
رعایا کے سر پر سلامت رہیں

مخفی نہ رہے کہ فرقہائے اہل اسلام وہ ہیں جنکا ذکر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے

اس حدیث میں کیا ہے افترقت الیہود علی احدی وسبعین او اثنین وسبعین فرقۃ وافترقت النصاریٰ علی احدی وسبعین او اثنین وسبعین فرقۃ وتفترق امتی[1] علی ثلث وسبعین فرقۃ۔ ترجمہ۔ یعنے یہود اکہتر یا بہتر فرقے ہو گئے اور نصاریٰ بھی اکہتر یا بہتر فرقے ہو گئے۔ میری امت تہتر فرقے ہو جائے گی۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے مرفوعًا روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ اور ابن ماجہ کی ایک روایت عوف ابن مالک سے یوں ہے کہ یہود اکہتر فرقے ہو گئے جنمیں سے ایک جنت میں ہے اور ستر دوزخ میں۔ اور نصاریٰ بہتر فرقے ہو گئے کہ اکہتر آگ میں ہیں اور ایک جنت میں قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں بقائے ذاتِ محمدؐ ہے تحقیق میری امت تہتر فرقے ہو جائیگی جنمیں سے ایک فرقہ جنتی ہے اور بہتر دوزخی۔ اور عبداللہ بن عمرو ابن عاص کا لفظ مرفوع یہ ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیأتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منھم من اتی امہ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذلک وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وستفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی (رواہ الترمذی وقال حسن غریب) یعنے میری امت کے لوگوں پر وہی آوے گا جو بنی اسرائیل پر آیا مطابق ہونگے اُنکے یہانتک کہ اگر کسی نے اُنمیں سے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ صحبت کی ہو تو میری امت میں بھی کوئی شخص پیدا ہو جائیگا کہ وہ ایسا کام کریگا۔ اور بنی اسرائیل بہتر فرقے ہو گئے میری امت تہتر فرقے ہو جائیگی۔ سب آگ میں جائینگے مگر ایک ملت والے صحابہ نے پوچھا وہ کون ہیں اے رسول خدا کے۔ فرمایا وہ طریقہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ احمد اور ابوداؤد کا لفظ معاویہ سے یوں ہے قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الا ان من کان قبلکم من اھل الکتاب افترقوا علی ثنتین وسبعین ملۃ وان ھذہ الامۃ ستفترق علی

[1] حدیث تفریق میں لفظ امتی سے مراد امت اجابت ہے کہ عبارت اہل اسلام سے ہے نہ امت دعوت چنانچہ علامہ دوانی نے شرح عقاید عضدیہ میں اور دوسرے علمائے بھی اسکی تصریح کی ہے ۱۲

ثلث وسبعین فرقۃ ثنتان وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ ۔
یعنے ہم میں آنحضرت خطبہ سنانے کو کہڑے ہوئے اور فرمایا خبردار ہو کہ تم سے پہلے جو اہل کتاب تھے وہ بہتر فرقے ہوئے اور قریب ہے کہ یہ امت تہتر فرقے ہوجائیگی بہتر نار میں جائینگے اور ایک جنت میں ۔ اور وہ جماعت ہے ۔ لفظ جماعت کا اطلاق اہل سنت پر اسی حدیث سے ثابت ہوا ہے ۔ اور ابن عدی نے ابوہریرہؓ سے صرف اسیقدر روایت کیا ہے یہود کے اکہتر فرقے بنگئے اور نصاریٰ بہتر میری امت کے تہتر فرقے ہوجائینگے بیہقی نے افتراق امت کی حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور حاکم اور ابن حبان نے بہی اپنی صحیحین میں اس مضمون کی حدیث ابوہریرہ سے روایت کی ہے ۔ اور حاکم نے کہا ہے کہ اصول میں یہ ایک بڑی حدیث ہے ۔ سعد ابن ابی وقاص اور عبداللہ ابن عمر ابن عاص اور عوف ابن مالک نے مثل اسکی روایت کی ہے اور بقول مولف مقاصد حسنہ انس اور جابر اور ابوامامہ اور ابن مسعود اور حضرت عمر اور حضرت علی اور عویمر اور ابودرداء اور واثلہ اور عبداللہ ابن عمر او معاویہ سے بہی اس مضمون کی روائتیں آئی ہیں اور ابوہریرہ بہی اسکے راوی ہیں ۔ اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور ابن عدی اور حاکم اور ابن حبان وغیرہ محققین حدیث نے اسکو اپنی اپنی کتب میں روایت کیا ہے اور جامع الاصول اور تیسیر الوصول اور مقاصد حسنہ اور جمع الجوامع اور کتاب بیہقی وغیرہ میں ان روایات کو اُن کتب صحاح حدیث وغیرہ سے نقل کیا ہے تو اسکی صحت میں کلام نہیں ۔ طریق اسکے بہت ہیں اور ائمہ حدیث نے اسکو صحیح مانا ہے اور ترمذی نے جو غریب کہا ہے سو اسکا یہ مطلب ہے کہ کسی زمانہ میں اسکی روایت ایک ہی راوی سے ہوئی ہے اور غریب احادیث صحیحہ کے اقسام سے ہے اور صحیح حدیث قابل حجت ہے پھر حسن لذاتہ پھر حسن لغیرہؒ اور تمام طریقوں میں تفرق امت ۷۳ فرقوں میں آیا ہی نہ بہتر میں اگرچہ سیوطی نے ایک حدیث ابن ماجہ کی جو انس سے مروی ہے اس مضمون کی بہی نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل کے اکہتر فرقے ہوگئے اور میری امت بہتر فرقے ہوجائے گی سب دوزخ میں جائینگے مگر ایک فرقہ اور وہ جماعت ہے ۔ مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں کہ یہ

لہ دیکھو جلد دوم دین خالص ۱۲ ۔ سلہ دیکھو شرح سفر السعادۃ ۱۲

روایت کا اعتبار اُن بہت سی روایات کے مقابل نہیں ہو سکتا بلکہ سیوطی نے بھی ابن ماجہ کی حدیث عوف بن مالک سے امت محمدی کے ۷۳ فرقے ہو جانیکے باب میں نقل کی ہے سو یہی صحیح روایت ہے اور یہی وجہ ہے کہ صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا ہے کہ "در باب افتراق امت بر ہفتاد و سہ فرقہ چیزے ثابت نشدہ"۔ مطلب یہ ہے کہ تفرق امت ۷۳ فرقوں پر ثابت ہوا ہے نہ ۷۲ پر۔ اور اگر یہ ثابت کیا جائے کہ مصنف سفر السعادت کی مراد یہ ہے کہ افتراق امت کے باب میں مطلقاً کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی اور جو کچھ اس معاملہ میں آیا ہے وہ سب موضوع ہے تو یہ قول اسکا کیسے معتبر ہو سکتا ہے جبکہ اتنے بہت ائمہ حدیث افتراق امت کی روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اور بہت سے طریقوں سے مروی بھی ہے۔

سوال۔ ان حدیثوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تر حصہ امت ناری ہونیکا ثبوت ہے حالانکہ اور حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ امت مرحومہ ہے۔ اور آخرت میں اسپر عذاب ہوگا انکا عذاب دنیا میں فتنے اور زلزلے اور قتل ہے جنت میں سب امتوں سے زیادہ یہی امت ہوگی۔ یہانتک کہ وہاں دو ثلث اس امت کے لوگ ہوں گے اور ایک ثلث باقی امتیں۔

جواب یہ ہے کہ فرقہائے ناری آگ میں سوء اعتقاد کی وجہ سے داخل ہونگے اور فرقہ ناجی اعتقاد کی وجہ سے دوزخ میں نجائیگا گو بسبب بعض تقصیرات عمل کے آگ میں جائینگے۔ یا فرقہ ناجی سے مراد وہ لوگ ہیں جو مطلق آگ میں نہ جائینگے۔ نہ اعتقاد کی وجہ سے اور نہ عمل کے سبب سے۔ انکی معصیت خواہ معاف ہو جائیگی یا موت و قبر کے شدائد اور قیامت کے خوف و دہشت میں مجرا ہو جائے گی۔ یا حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے وہ سارے گناہ معاف ہو جائینگے۔ یہ وہی فرقہ خواص اہل سنت و جماعت کا ہے جنکے عقیدے و عمل میں کسی طرح کا خلل بدعت سیئہ کیطرف سے نہیں آیا ہے۔ گو بعض تقصیرات فروعیہ ان سے صادر ہو جاویں۔ اسی فرقہ پر یہ تفسیر چسپاں ہوتی ہے من کان علی ما انا و اصحابی[1] اور یہ ارشاد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے اسلئے کہ جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ بے کم و کاست ظہور میں آیا۔ ابن حزم[2] نے ملل و نحل میں کہا ہے اہل اسلام کے پانچ فرقے ہیں ایک اہلسنت۔

[1] حجج الکرامہ میں بھی تعیین فرقہ ناجیہ کے باب میں پوری بحث کی ہے ۱۲ [2] دیکھو فتح الباری شرح صحیح بخاری ۱۲

دوسرے معتزلہ اور انہی میں قدریہ داخل ہیں۔ تیسرے مرجیہ اور انہی میں جہمیہ وکرامیہ کا شمار ہے چوتھے شیعہ ہیں۔ پانچویں خوارج۔ انہی میں ازارقہ واباضیہ ہیں۔ پھر ہر ایک فرقہ ان میں سے کئی فریق ہوگیا ہے۔ بڑا افتراق اہل سنت کا فتویٰ میں ہوا اور تھوڑا سا اعتقادات میں۔ فتوے میں چار مذہب ہوگئے۔ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ اعتقاد میں تین گروہ ہوگئے۔ اشعری۔ ماتریدی۔ حنبلی۔ رہے چار فرقے سوائے اہلسنت کے سو ان میں سے کسیکا خلاف اہلسنت کے ساتھ بعید ہے اور کسیکا قریب۔ مرجیہ کے فرقوں میں اہل سنت سے قریب وہ ہیں جنکا قول ہے کہ ایمان کہتے ہیں دل اور زبان دونوں سے تصدیق واقرار کرنے کو۔ رہے سارے اعمال سو فقط فرائض وشرائع اسلام ہیں۔ ایمان انہیں داخل نہیں اور انہیں اہلسنت سے بعید دو فرقے ہیں۔ ایک اصحاب جہم ابن صفوان جنکا قول یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ اگرچہ مومن کفر وتثلیث کے کلمے زبان سے کہے اور بت پرستی کرے اور یہ بطور تقیہ کے بھی نہ ہو تب بھی ایمان نہیں جاسکتا جب تک تصدیق بالقلب باقی ہے۔ دوسرے اصحاب محمد بن کرام جنکا قول یہ ہے کہ ایمان فقط زبان سے اقرار کرنے یعنے کلمہ شہادت کے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص دل سے کفر کا معتقد ہو تو اسکا ایمان باطل نہیں ہوسکتا جب تک زبانی اقرار باقی ہے۔ اسی طرح اور باقی فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ خزینۃ الاکوان میں لکھا ہے کہ معتزلہ میں اہلسنت سے قریب ہیں جو کہ اصحاب حسین نجار و بشر بن غیاث مریسی ہیں اور بعید انکے اصحاب ابو ہذیل علاف ہیں اور مذاہب شیعہ میں اہلسنت سے قریب اصحاب حسن بن صالح بن حی ہیں جنکا فرقہ صالحیہ کہلاتا ہے اور شیعہ زیدیہ میں شمار پاتا ہے۔ اور ان میں سے بعید فرقہ امامیہ ہے رہے غلاۃ انکے سو وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں بلکہ اہل ردت و شرک ہیں اور قریب فرقہ خوارج میں اصحاب عبداللہ بن یزید اباضی ہیں اور بعید انکے ازارقہ ہیں۔ رہے بطیخیہ اور وہ جو منکر کسی شے کے قرآن سے ہیں اور اجماع کے مخالف ہیں جیسے عجاردہ وغیرہ سو وہ باجماع امت کفار ہیں۔ واضح رہے کہ ہم نے فرقوں کے بیان میں شرح مواقف وملل ونحل وغیرہ کی طرز اختیار کی ہے اسی واسطے ہم نے جہمیہ کو جبریہ میں اور کرامیہ کو

قدریہ ہیں اور مرلیسیہ کو مرجیہ میں ذکر کیا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس صاحب اشعتہ اللمعات کا قول ہے کہ افتراق اس امت کا ۷۳ فرقوں پر حدیث صحیح سے ثابت ہے اسطرح کہ معتزلہ کے ۲۰ فرقے ہیں۔ اور شیعہ ۲۲۔ اور خوارج ۲۰ اور مرجیہ ۵ اور نجاریہ ۳۔ اور ایک ایک فرقہ جبریہ اور مشبہ اور ناجیہ یعنے اہل سنت وجماعت کا۔ اور واضح رہے کہ ۷۳ فرقے جو مشہور ہیں اُن میں بھی کئی فرقے شل شناخوں کے ظاہر ہوئے ہیں جو شخص جس فرقے کا کام کریگا اُس میں شمار پائے گا۔ اور ان شناخوں کی وجہ سے شمار فرقوں کا تہتر سے بڑھ گیا ہے میر سید شریف نے تعریفات میں لکھا ہے اہل اہوا سے مراد وہ اہل قبلہ ہیں جنکا عقیدہ اہلسنت کا نہیں۔ اور وہ جبریہ اور قدریہ اور شیعہ اور خوارج اور معطلہ اور مشبہ ہیں اور انمیں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں۔ اس صورت میں بہتر فرقے ہوگئے مگر یہ قول سید صاحب کا تحقیقی نہیں اسلئے کہ اسی قدر فرقوں میں اہل اسلام کے فرقوں کا حصر نہیں ہے۔ تہتر سے بہت زیادہ تعداد ہوگئی ہے اور آنحضرت نے جو تہتر کا عدد فرمایا ہے وہ غالباً انحصار کے لیے نہیں بلکہ اظہار کثرت مقصود ہے۔

اب سمجھنا چاہیئے کہ انحصار بڑے بڑے گروہ اسلام کا اِن فرقوں میں ہے۔ ناجیہ۔ معتزلہ۔ شیعہ۔ خوارج۔ مرجیہ۔ نجاریہ۔ جبریہ۔ قدریہ۔ مشبہ۔

فرقہ ناجیہ

سب سے بہتر تفسیر واسطے تعیین اس گروہ کے یہی حدیث نبوی ہے جو کہ دلیل صریح ہے اس بات پر کہ ناجی وہی گروہ ہے جو کہ خاص حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب کی راہ پر چلتا ہے اور کسی طرح کی بدعت وہوا میں مبتلا نہیں ہے۔ جس طرح ابوہریرہ نے بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے شرائع اسلام کو حضرت سے دریافت کرکے یہ عرض کیا تھا والذی نفسی بیدہ لا ازید علیٰ ھذا شیئا ولا انقص منہ یعنے قسم ہے اُس ذات پاک کی کہ جان میری اُسکے ہاتھ میں ہے کہ جو آپنے فرمادیا ہے میں اُس پر نہ کچھ زیادہ کرونگا اور نہ اس میں سے کچھ کم کرونگا۔ اسپر حضرت نے اسکو جنتی فرمایا تھا

یعنے ناجی نار سے۔ سو جو کوئی دعوی نجات کا کرے اور اُسکے عقائد و اعمال خلاف طریقہ حضرت و سیرت صحابہ کے ہوں تو وہ دعوے اسکا باطل ہے۔ اسلام کے تہتّر فرقوں میں سے وہ کون فرقہ ہے جو آپکو ناجی اور اپنے مخالف کو ناری نہیں جانتا ہے۔ ایک امامیہ مذہب اثنا عشری کہتا ہے کہ ناجی بخدا فرقہ اثنا عشری ہے ولیکن تصدیق اس دعوی کی یا تکذیب اسکی اسی طرح پر ممکن ہے کہ جسکا عقیدہ وعمل "ما انا علیہ و اصحابی" کے موافق ہو وہ ناجی ہے اور جسکا عقیدہ و عمل اسکے مخالف ہو وہ ناری ہے سو ایسا فرقہ ہر زمانہ میں یہی فرقہ سلف صالحین اور اہلسنت وجماعت کا ہے۔ اور مراد سلف سے اصطلاح شرع شریف میں اولاً و بالذات عصر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے۔ ثانیاً و بالعرض زمانہ تابعین پھر عہد تبع تابعین بالاحسان کا۔ اور نہایہ میں ہے کہ سلف اور خلف کے درمیان فرق یہ ہے کہ سلف صالحین سے مراد تابعین کا صدر اول ہے۔ اُنہیں سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور خلف بفتح لام وہ لوگ ہیں جو تابعین کے بعد نیک لوگ ہیں اور صدر الشریعہ نے کہا ہے کہ سلف سے مراد صحابہ اور علماء مجتہدین ماضیین ہیں اور احسان کی تعریف حدیث جبرئیل علیہ السلام میں جسکو مسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے یوں آئی ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ یعنے وقت عبادت خدا کے یوں سمجھے کہ گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اگر یہ جانے کہ اسکو نہیں دیکھتا ہے تو سمجھے تو کچھ شک نہیں ہے کہ اللہ اسکو دیکھ رہا ہے۔

اہل سنت کے اعتقاد میں تین فرقے ہیں اشعری۔ ماتریدی۔ حنبلی

اشعریہ۔ تبع ہیں شیخ ابو الحسن علی اسمٰعیل اشعری ساکن بصرہ کے جنہوں نے ۳۲۰ھ میں بمقام بغداد انتقال کیا ہے۔

ماتریدیہ۔ تابع ہیں ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی کے جو تین واسطہ سے امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور ۳۳۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ اور ماترید جو سمرقند کے قریب ایک گانوں ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔

حنابلہ۔ اتباع امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی ہیں جو بغداد میں ۲۴۱ھ ہجری

میں پیدا ہوئے اور اُسی شہر میں ۳۳۳ھ ہجری میں وفات پائی۔

اشاعرہ و ماتریدیہ و حنابلہ میں مسئلہ تکوین اور استثناء اور ایمان اور حدوث وقدم وکلام لفظی وغیرہ دس بارہ مسائل میں اختلاف ہے باقی میں اتفاق۔ سو مسئلہ اختلافیہ میں مالکی اور شافعی لوگ امام ابوالحسن اشعری کے تابع ہیں اسواسطے انکو اشعریہ کہتے ہیں اور حنفی لوگ امام ابو منصور ماتریدی کے قول کے تابع ہیں اسی سبب سے انکو ماتریدیہ کہتے ہیں اور امام احمد حنبل کے مقلد لوگ حنبلی کہلاتے ہیں۔ اس طریقہ کے کچھ لوگ شام عراق بغداد اور نجد کے نواحی میں ہیں یہ معتقد تاویل صفات کے نہیں ہیں۔ جو لوگ خاص متبع ہیں وہ آپکو ہرگز حنبلی نہیں کہتے کہلاتے اُنکا لقب محدّث اور خطاب اہل سنّت ہے۔

عقاید ماتریدیہ کی تفصیل

اسباب علم یعنے یقین[1] بلحاظ جریان عادت الٰہی ظاہر میں تین ہیں اول حواس خمسہ ظاہرہ

[1] ۔ علم کے یہ معنے لینے کی وجہ سے کہ اس جگہ میں اُن مسائل سے بحث کیجاتی ہے جو دین اسلام کی اصلی باتوں سے متعلق ہوتے ہیں اور جنپر شرع اور اثبات شرع کا دار مدار ہوتا ہے اور جو باتیں ایسی ہوتی ہیں اُنکا اذعان کامل اور عقیدہ جازم ہوتا ہے۔ اگرچہ عرف علما میں علم کا اطلاق بہت سے معانی پر ہوا کرتا ہے چنانچہ (۱) ادراک مطلقاً تصور ہو یا تصدیق یقینی ہو یا غیر یقینی (۲) تصدیق مطلقاً یقینی ہو یا غیر یقینی (۳) تصدیق یقینی (۴) تعین وتصور مطلقاً (۵) تعقل (۶) توہم وتعقل وتخیل (۷) ادراک کلی مفہوم ہو یا حکم (۸) ادراک مرکب تصور ہو تصدیق وغیرہ وغیرہ مگر متکلمین کے یہاں علم کا استعمال سوائے یقین کے کسی اور معنے میں نہیں۔ اور علم کی تعریف میں بھی اختلاف ہے (۱) معتزلہ کہتے ہیں کہ علم نام ہے اعتقاد کرنے شئے کا جس حالت پر وہ ہے۔ ضرورت سے یا دلیل سے اور جس حالت سے مراد یہ ہے کہ واقع کے مطابق ہو اُسکے خلاف نہ ہو۔ اس تعریف پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ ممتنعات جنکو نفس الامر میں ثبوت نہیں وہ اشیا میں داخل نہیں اور تم نے علم کی تعریف میں شئے کو بھی لیا ہے تو ممتنعات کا علم اس تعریف سے خارج ہو جائیگا ہاں لغت کی رو سے ممتنع بھی ایک شئے ہے مگر اصطلاح کے مطابق اُسپر شئے کا اطلاق نہیں ہوسکتا

کہ سمع و بصر و شم و ذوق و لمس ہیں۔ گو کبھی بعض موقعوں پر کسی مانع کے سبب سے حس غلطی
کرتی ہے جیساکہ بھینگا ایک کو دو دیکھتا ہے اور صفراوی شیریں کو تلخ جانتا ہے مگر یہ نادر ہے
والنادر کالمعدوم پس غالباً عدم موانع کی صورت میں حس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے
اسلئے حس کو مفید علم یقینی و قطعی جانتے ہیں دوم عقل کو عقل بھی کبھی بسبب
مزاحمت وہم و خیال کے یا بسبب لحاظ کرنے شرائط برہان کے خطا کرتی ہے لیکن جو کہ اکثر
موانع نہ ہونیکی صورت میں یقین حاصل ہوتا ہے اسلئے عقل بھی مفید علم یقینی و قطعی ہے
سوم۔ خبر ہے کہ حقتعالی نے واسطے حاصل ہونے علم سامع کے ما فی الضمیر متکلم پر اسکو
وضع کیا ہے۔ لیکن احتمال کذب متکلم کبھی قصداً اور کبھی خطاءً بسبب قصور فہم اور حافظے
وغیرہ کے البتہ مانع حصول علم یقینی ہوتا ہے اسلئے خبر مطلق اسباب علم یقینی سے
نہیں بلکہ ظنیات سے ہے البتہ جس خبر میں احتمال کذب باقی نہ ہو اس سے یقین حاصل
ہوتا ہے۔ اور خبر صادق دو قسم پر ہے (۱) خبر متواتر جو ایسی جماعت سے حاصل ہوئی ہو
کہ عقل کے نزدیک اُنکا اتفاق کذب پر بالبداہتہ ممتنع ہو اور اس جماعت نے اسی طور سے
جماعت اول سے یقین حاصل کیا ہو وہکذا۔ یہانتک کہ وہ خبر کسی ایک حس پر منتہی ہو

(۲) ابو الحسن اشعری کہتے ہیں علم وہ صفت ہے کہ جسکے ساتھ قائم ہو اسکا عالم ہونا واجب کرے اور
اشعری نے یوں بھی تعریف کی ہے کہ علم ادراک معلوم کا ہے مطابق واقع کے۔ مگر دونوں تعریفوں میں
علم اور معلوم ماخوذ ہونیکی وجہ سے دور ہے اور دور محال ہے اور مطابقت واقع کی قید بھی زاید ہے
اسلئے کہ جو علم واقع کے مطابق نہ ہو وہ جہل ہے۔ (۳) علمائے ماتریدیہ کے نزدیک جو تعریف علم
اور مختار ہے وہ یہ ہے۔ علم ایک ایسا وصف ہے کہ جسکے ساتھ وہ قائم ہوتا ہے اُس موصوف پر سبب
اُس وصف کے مذکور ظاہر ہو جاتا ہے اور مذکور سے مراد وہ شے ہے جسکا ذکر زبان یا دل کے ساتھ ہو سکے
اس صورت میں تمام مفہومات داخل تعریف رہینگے خواہ وہ بالفعل ذہن میں موجود ہوں یا نہوں غرض کو۔
یہاں شے کا مرادف ہے اور حیوانات مطلق کی صفات اس تعریف سے نکل گئیں اگرچہ بوجہ اُنکے انکو
حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ مگر اُن صفات سے اپنے موصوفوں کو کوئی نامہ کشف و علم کے قبیل سے
حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسان کی بھی وہ کل صفات نکل گئیں جنسے اظہار و کشف کا کوئی تعلق نہیں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷)

(۲) خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کہ استدلال کے بعد تصدیق ہوئی ہے پس چونکہ نبوت اور عصمت دلیل سے ثابت ہوئی احتمال کذب کا عمداً اور خطائً دور ہوا۔ اور خبر احاد میں ظنیت راوی کی وجہ سے ہے نہ خبر رسول ہونیکی جہت سے اور خبر مشہور سے بسبب احتمال کذب کے علم الیقین حاصل نہیں ہوتا

اسباب علم میں سے اعلیٰ واقویٰ خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے کہ اسمیں کسی طرح خطا کا احتمال بہ سبب عفت و عصمت جناب اقدس کے نہیں ہے۔ واجب سے ممکن تک اور ازل سے ابد تک اُس سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اُسکے بعد حس ہے کہ خطا کا احتمال اگرچہ اُسمیں نہیں ہے لیکن اشیاء محسوسہ خصوصاً اُنکے ظاہر پر مقصور ہے بعد اسکے رتبہ خبر متواتر کا ہے کہ اُسکی بنا اور منتہی بھی حس ہے ولیس الخبر کالمعاینۃ پھر عقل ہے اسلئے کہ رایوں کا اختلاف عقلا میں بہت ہوتا ہے۔ اور الہام اولیا چونکہ مختص بہ خواص ہے اور متکلمین اسباب علم عام سے بحث کرتے ہیں اور نہ اُسکے ساتھ کوئی ایسی علامت موجود ہوتی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ من عند اللہ ہے اور حجت ہونیکے قابل اور مطابق واقع کے ہے۔ اور نیز الہام میں مزاحمت وہم و خیال اور کدورات

اور ظہور سے مراد یہاں انتہا درجہ کا ظہور ہے اور اس صورت میں تقلید اور جہل مرکب اور ظن اور شک اور وہم سب نکل جاتے ہیں کیونکہ انکشاف تام نہیں ہوتا اور یہ تعریف مطلق علم کی ہے جسکی تقسیم طرف قدیم اور حادث اور تصور و تصدیق اور ضروری اور کسبی اور احساسی اور عقلی اور تفصیلی اور اجمالی وغیرہ کے ہوتی ہے اور علم قدیم مخصوص ہے خداوند کریم کی ذات پاک کے ساتھ اور علم حادث علم مخلوق کا ہے یعنی انسان کے علوم حادثہ از قسم تصور ہوں یا از قسم تصدیق بعض ضروری ہیں اور بعض کسبی و اکتسابی کسبی وہ علم ہے جو کسب یعنے غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتا ہے نظری اسکا مرادف ہے بلکہ ان لوگوں کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ کسب اکتساب کا طریقہ بجز غور و فکر کے کوئی اور ہی شے نہیں جو ہماری قدرت میں ہو اگرچہ الہام اور تعلیم اور ایسے ہی تصفیہ باطنی بھی کسب کے طریقے ہیں مگر ہماری حد اختیار سے خارج ہیں اور جو یہ تجویز کرتے ہیں کہ سوائے فکر و غور کے شاید کسب کے اور بھی ایسے طریقے ہوں جو ہماری قدرت اور اختیار میں ہونیکے قابل ہوں مگر ہمکو انپر اطلاع میسر نہیں ہوتی ہے تو اُنکے نزدیک نظر کسبی سے خاص ہے اور کسبی اکتسابی کو

تقسیم علم

نفسانی اور شیطانی مانع حصول علم یقینی ہیں گو ملہم علیہ کو اُسپر پورا اعتماد ہو جائے۔ مگر بغیر قرائن خارجیہ کے نفس الہام ظنیت کے رتبہ سے نہیں نکلتا۔ اسلئے اسباب علم میں سے نہیں شمار کیا جاتا۔ عقل بالبداہتہ حکم کرتی ہے کہ عالم کی چیزوں کی حقیقت ثابت ہے اور علم اس مسئلے کا یقینی ہے فقط وہم و خیال نہیں۔ یعنے پانی پانی ہے اور آگ آگ۔ نہ یہ کہ اگر پانی کو مثل آگ کے سمجھئے تو آگ ہو جائے اور آگ کو مثل پانی کی سمجھئے تو پانی ہو جائے جیساکہ عقیدہ سوفسطائیوں کا ہے۔ اور عالم یعنے جو کچھ سوائے ذات و صفات خدا کے ہے حادث ہے۔ عدم سے وجود میں آیا ہے قدیم نہیں کیونکہ اسمیں دو چیزیں ہیں اعیان و اعراض۔ اعیان اُن ممکنات کو کہتے ہیں جو اپنی ہستی میں دوسری چیز کی ہستی کے تابع نہ ہوں انکی دو قسمیں ہیں (۱) غیر مرکب جیسے جوہر و جوہر فرد اور جزو لا یتجزی بھی کہتے ہیں کیونکہ اسکے ٹکڑے نہیں ہو سکتے (۲) مرکب اجزائے لا یتجزی سے جیسے جسم کہتے ہیں اسمیں طول و عرض و عمق تینوں امتداد ہوتے ہیں جنہیں تقسیم ہو سکتا ہے۔ اعراض اُن ممکنات کو کہتے ہیں جو اپنی ہستی و قیام میں اجسام کے محتاج ہوں۔ جیسے رنگ کپڑے کے لیے منسوب کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰

استدلالی بھی کہتے ہیں۔ مگر بعض کی رائے یہ ہے کہ استدلالی وہ ہے جو صرف دلیل میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہو اور دلیل میں غور و فکر کرنیکے علاوہ جسمیں حواس خمسہ ظاہریہ کے استعمال سے بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں وہ اکتسابی ہے تو ہر استدلالی اکتسابی ہے اور عکس نہیں اور جس علم میں غور و تامل درکار نہ ہو اُسے ضروری کہتے ہیں اور یہی تعریف بدیہی کی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ضروری اُس علم کو کہتے ہیں جسکا حصول انسان کے اختیار میں نہ ہو اور اس معنے کے رو سے بدیہی ضروری سے خاص ہو جاتا ہے پس ضروری پہلے معنے کے اعتبار سے استدلالی کا مقابل ہوتا ہے اور دوسرے کے اعتبار سے اکتسابی کا۔ مگر علمائے کلام کی عام رائے یہ ہے کہ ضروری بدیہی کا اور نظری کسبی اور اکتسابی کا مرادف ہے اور اکتساب استدلال یا اور اکتسابی و استدلالی ایک چیز ہے اور علم ضروری کی تین قسمیں ہیں (۱) وجدانیات یہ وہ ہیں جنکا علم انسان کو خود اپنے نفس یا اپنے قوائے باطنی کے ذریعہ سے حاصل ہو جیسے اسبات کا علم کہ ہم ذی وجود ہیں یا اپنے خوف اور غضب اور لذت و الم اور بھوک اور پیاس کا علم (۲) حسیات اور اسی میں تمام تجربیات اور متواترات اور مشاہدات

اور بو پھول کے اور سردی پانی کے اور گرمی آگ کے اور افعال اختیاری حیوان کے بغیر موجود نہیں ہو سکتے اور تمام اعراض حادث ہیں۔ بعضے کا حادث ہونا مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے مثلاً سیاہی کے بعد سفیدی یا گرمی کے بعد سردی یا نور کے بعد ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض کا حادث ہونا اس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ عرض عدم کو قبول کرتا ہے یعنے فنا ہو جاتا ہے۔ مثلاً سفیدی جا کر سیاہی آجاتی ہے۔ یا کسی بدن میں سردی آنے سے گرمی دور ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو چیز قدیم ہوتی ہے وہ کبھی فنا نہیں ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ اعراض قدیم نہیں ہیں اور یہی مدعا ہے اور اعیان بھی سب حادث ہیں کیونکہ عین یا تو جسم ہے یا جوہر فرد پس ہر جسم اور جوہر کو حرکت اور سکون عارض ہے۔ اسلئے کہ اُنکے واسطے مکان یا حیز یعنے ٹھہرنے کی جگہ تو ضرور ہے پس اگر اس آن سے پہلے بھی اس حیز یا مکان میں تھے تو ساکن ہیں ورنہ متحرک اور حرکت و سکون بسبب عرض ہونیکے حادث ہیں پس یہ جسم اور جوہر کہ جن کو یہ حرکت و سکون عارض ہے حادث ہیں ورنہ لازم آئیگا کہ حوادثات ازل میں پائی جاویں۔ اور قدیم کہلائیں اور یہ محال ہے۔ پس جب کل اعیان اور اعراض کا حادث ہونا ثابت ہوا تو کل عالم کا حادث ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ کل عالم اِنہی دو میں منحصر ہے اور وہ ایک دن فنا ہو جائیگا اور عالم کا عدم سے وجود میں لانے والا اللہ تعالے ہے جو موجود ہے کیونکہ اُس نے عالم کو پیدا کیا اور وجود عطا فرمایا پس جو ایسا ہو گا وہ موجود ہو گا اور واجب الوجود ہے یعنے خود بخود ہے اُس نے سب کو بنایا ہے۔ اسکو کسی نے نہیں بنایا نہ بنانا اُسکا ممتنع ہے۔ کیونکہ اگر وہ ممکن الوجود ہو تو صانع کیطرف محتاج ہو گا اور احتیاج عالم کے

بھی داخل ہیں (۳) بدیہیات یعنے وہ قضایا کہ عقل بمجرد اُنکے تصور کے حکم لگا دیتی ہے اور کسی حس یا غیر حس کی استعانت کی ضرورت نہیں پڑتی اور متکلمین کہتے ہیں کہ ضروری اور کسبی علم حادث کی قسمیں ہیں اور منطقی کہتے ہیں کہ مطلق علم کے اقسام ہیں پس متکلمین کے نزدیک اللہ تعالے کا علم ضرورت اور کسب کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا بلکہ ان دونوں میں واسطہ ہے اور منطقیین کے نزدیک ضروری میں داخل ہے۔ بوجہ موقوف ہونے کے نظر پر ۱۲

پیدا کرنیوالے کے لئے منافی ہے یکتا ہے اسلئے کہ اگر آسمان و زمین میں بہت سے معبود ہوتے تو انتظام بگڑ جاتا کیونکہ اگر دو ہوتے تو دونوں قدرت والے ہوتے یا ایک عاجز ہوتا تو جو عاجز ہوتا وہ خدائی کے لائق نہ ہوتا اور دونوں قدرت والے نہیں ہو سکتے کیونکہ آپسمیں مخالفت کسی کے مارنے اور زندہ کرنے میں مثلاً ممکن ہے پس دونوں میں سے ایک کو ضرور عاجز ہونا پڑتا اگرچہ بالفعل آپسمیں اتفاق ہے۔ قدیم ہے یعنے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا کیونکہ وہ واجب الوجود ہے پس محال ہے کہ قدیم نہ ہو۔ علیم ہے کہ ہر جزی و کلی کو ازل سے ابد تک جانتا ہے کیونکہ اسکے کام استوار و مستحکم ہیں پس فاعل ایسے افعال کا بالضرور عالم ہے اور ہر جز و کل پر ممکنات سے ازل ہی سے قدرت رکھتا ہے کیونکہ تمام مقدورات کو اسکی ذات مقدس کیطرف برابر نسبت ہے پس بعض کے ساتھ اسکی قدرت کا متعلق ہونا اور بعض کے ساتھ نہیں ترجیح بلا مرجح ہے اور یہ محال ہے۔ زندہ ہے کیونکہ اسکے لئے علم و قدرت و ارادہ ثابت ہے اور یہ بدون حیات کے ممکن نہیں اور یہاں مراد حیات سے بقا اور وجود ایسی حالت کے ساتھ ہے کہ اشیا کو ادراک کر سکے اور اُنپر قدرت حاصل ہو۔ نہ وہ معنے مراد ہیں جو حیات سے عوام میں سمجھے جاتے ہیں یعنے قوت حس و قوت تغذیہ اور وہ قوت جو اعتدال نوعی کے تابع ہوتی ہے۔ اور اُسکے طفیل تمام قوائے حیوانی حاصل رہتے ہیں مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے فعل اور ترک فعل اُسکے اختیار میں ہے۔ کیونکہ عالم پہلے نہ تھا پھر دوسرے زمانہ میں اُسکو ایجاد کیا پس زمانہ سابق میں عالم کو ایجاد نہ کرنا اور زمانہ لاحق میں ایجاد کرنا دلیل اس امر پر ہے کہ حقتعالے مختار ہے۔ بے زبان کے گویا ہے کانوں کے شنوا ہے آنکھوں کے بینا ہے کیونکہ گونگا اور بہرا اور اندھا اور ناقص لائق خدائی کے نہیں اور سننے اور دیکھنے کی صفات اُسکے لئے علیحدہ ثابت ہیں مسموعات و مبصرات کے جاننے کا نام سمع و بصر نہیں اور اُسکا کلام حروف اور آواز سے مبرا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حادث ہیں اور حق تعالے قدیم ہے اور یہ بات محال ہے کہ ذات قدیم محل حوادث ہو بلکہ کلام آلٰہی ایک معنی ہے جو اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہے اِسے کلام نفسی کہتے ہیں

اور جو کلام اس کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے وہ کلام لفظی ہے اور کلام لفظی حروف
اور اصوات سے مرکب ہوتا ہے اور کلام نفسی غیر مخلوق ہے کہ یہ صفت ازل سے ابدتک
اُسکو حاصل ہے اسکے سبب سے جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے سو یہ کلام الٰہی اس سبب سے
ہے کہ اُسکی صفت ہے اور یہ الفاظ اور عبارات قرآن کے جو کلام لفظی ہے انکو کلام الٰہی اسلئے
کہتے ہیں کہ یہ سوا خدا کے کسی اور کی تالیف اور تصنیف نہیں ہے بلکہ انکو خاص اللہ
تعالےٰ نے اپنے کلام نفسی کے سمجھنے کے لئے نہایت فصیح و بلیغ زبان عربی میں کہ جسکا
مثل بنانا طاقت بشری سے باہر ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ اور
قرآن کا اطلاق کلام نفسی اور کلام لفظی دونوں پر ہوتا ہے۔ اور غیر مخلوق قرآن نفسی
ہے نہ لفظی۔ اور خدائے تعالےٰ کے کلام میں یہ تین مضمون ہیں امر و نہی اور خبر
اور حق تعالےٰ صاحب ارادہ ہے اور ارادہ اُسکا حادث نہیں ہے قدیم ہے۔ اور ارادہ
الٰہی متعلق ہوتا ہے ہر موجود سے خواہ وہ عین ہو یا عرض خیر ہو یا شر کفر ہو یا اسلام طاعت
ہو یا معصیت۔ اور حکمِ خدا مستلزم ارادہ کو نہیں اور نہ نہی مستلزم عدم ارادہ کو بلکہ حکم کیا ہے
کافہ انام کو واسطے اسلام اور طاعت کے اور نہی فرمائی ہے کفر و معصیت سے اور ارادہ کرتا
ہے اسلام مومن کا اور کفر کافر کا اور بغیر ارادہ الٰہی کے کوئی چیز موجود نہیں ہو سکتی اسلئے کہ
قدرت ایجاد کی بہ نسبت ہر ممکن کے برابر ہے اختلاف اوقات سے مختلف نہیں ہوتی۔
ارادہ وہ ہے کہ تخصیص کرتا ہے موجودات کو بوقت دون وقت و کمیتہ دون کمیتہ
وکیفیتہ دون کیفیتہ اور مثل اسکے۔ اور جس چیز کا کہ حق تعالےٰ ارادہ کرتا ہے بے شک
واقع ہوتی ہے۔ تخلف مراد الٰہی سے محال ہے کہ مستلزم عجز کو ہے اور جس چیز کے
عدم وقوع کو اللہ تعالےٰ جانتا ہے تعلق ارادہ کا اُسکے ساتھ محال ہے ورنہ عجز یا جہل
لازم ہو اور جائز ہے کہ حکم کرے واسطے اظہار عصیان عاصی کے یا کسی دوسری حکمت
کیواسطے پس اگر خدا چاہے کہ کسی شخص کو ہدایت فرمائے تو کسی کی قدرت نہیں کہ اسکو
گمراہ کر سکے ورنہ کوئی دوسرا خدا پر غالب آوے اور اگر خدا چاہے کہ کسی کو گمراہ کرے
تو کسی کی مجال نہیں کہ اسکو ہدایت کرے اور سب کمال کی صفتیں اُسکی ذات میں موجود

ہیں اور نقصان و زوال کی چیزوں سے اُسکی ذات پاک و منزہ ہے اور صفات اُسکی قدیم و باقی ہیں جیسی اُسکی ذات قدیم و باقی ہے اور کوئی چیز حادث اُسکی ذات میں قائم نہیں ہوتی کیونکہ قدیم محل حوادث نہیں ہوتا۔ اور یہ سب صفات اُسمیں یوں نہیں ہیں جیسی انسان اور حیوان میں پائی جاتی ہیں کیونکہ اُنکی صفات اعضاء و حواس و روح و دل سے متعلق ہوتی ہیں اور اللہ تعالےٰ ان چیزوں سے بری ہے اور باوجود اسکے سب صفات کامل طور پر اُسمیں موجود ہیں اور ان صفات کے قدم سے ان کے متعلقات کا قدم لازم نہیں آتا کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ صفت قدیم ہو اور اُسکا تعلق حادث اور ان صفات کے تعلقات میں تغیر آنے سے صفات میں تغیر نہیں آتا اور اسکی صورت یہ ہے کہ مثلاً علم معلوم سے متعلق ہوگا تو اس صفت کے تعلق میں تغیر آئیگا کیونکہ معلوم کے وجود سے پہلے کسی سے متعلق نہ تھا۔ اسی طرح صفت خالقیت کا تعلق بھی مخلوقات کے تغیر سے متغیر ہوگا اور یہ سب صفات قائم ہیں ذات الٰہی کے ساتھ اور قدیم ہیں مگر نہ عین ذات الٰہی ہیں اور نہ اُسکے مغایر یعنے منفصل ہیں۔ اسصورت میں قدم غیر اور تعدد قدما کی قباحت نکل گئی اور صفت خدا کی دوسری صفت کی نہ عین ہے اور نہ غیر ہے اور صفات خداے تعالےٰ کی متماثل و متجانس و متضاد نہیں ہیں اسلیئے کہ یہ سب محدثات کی خاصیتیں ہیں اور اللہ تعالےٰ کی صفات محدث نہیں ہیں۔

اور حق تعالےٰ کی صفات ذات اور صفات فعل میں فرق نہیں ہے صفات ذات صفات حقیقی اور کمالی ہیں اُسکی ذات مقدس سے انکا انفکاک محال ہے اور صفات کمال آٹھ ہیں۔ حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام۔ تکوین اور صفات فعل صفات ذات کے آثار ہیں فی الحقیقت انکے ساتھ متصف ہونا کمال نہیں بلکہ انپر قابو رکھنا کمال ہے مثلاً پیدا کرنا حقیقت میں کمال نہیں بلکہ اسپر قدرت حاصل ہونا کہ جس وقت میں اسکی ضرورت ہو وقوع میں آسکے یہ کمال ہے۔ پس یہ ممکن نہیں کہ حق تعالےٰ ایک زمانہ میں تو پیدا کر سکتا ہو اور دوسرے زمانہ میں پیدا نہ کر سکتا ہو یہی حال قدرت اور مشیت عدد فعل اور رزق وغیرہ صفات فعل کا ہے اور اللہ تعالےٰ کی صفتوں میں ترتیب نہیں کہ ایک سے

دوسری پہلے پیدا ہوئی ہے جیسے بندوں میں پہلے زندگی آئی پیچھے علم پھر قدرت
آئی کیونکہ اسمیں حدوث لازم آتا ہے۔ اور پروردگار عالم نہ جسم ہے[۱] یعنے طول
وعرض وعمق نہیں رکھتا اور نہ جوہر یعنے جزو لایتجزیٰ ہے جس سے جسم بنتا ہے اور نہ عرض
ہے کہ قائم بالغیر ہو جیسے رنگ و بو۔ اور نہ صورت رکھتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو ممکن اور
محتاج طرف صانع کے ہوگا۔ اور یہ محال ہے اور نہ مرکب ہے یعنے اسکی ذات کیواسطے
نہ اجزا ترکیبی ہیں کہ کئی چیزوں سے ملکر بنی ہو اور نہ اجزا تحلیلی کہ اسکی ذات کا
نصف و ربع وغیرہ ہو سکے۔ کیونکہ اگر مرکب ہو تو محتاج ہوگا اجزا کی طرف اور محتاج
ممکن ہوتا ہے اور نہ وہ معدود ہے کہ اسکو گن سکیں کہ کے ہیں اسلئے کہ وہ
ایک ہے اور ایک عدد میں داخل نہیں۔ اور نہ محدود ہے کہ حد نہایت رکھتا
ہو اسلئے کہ حد اور غایت اسکی ہوتی ہے جسکا حصر اور انتہا ہو سکے جیسے نقطہ
خط کی حد ہے اور خط سطح کی اور سطح جسم کی اور نہ کسی طرف ہے یعنے نہ اوپر ہے
نہ نیچے نہ آگے ہے نہ پیچھے نہ دائیں ہے نہ بائیں اور نہ کسی مکان میں ہے کیونکہ اگر
کسی مکان میں ہو تو ضرور اسکا محتاج ہوگا۔ اور ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے
اور نہ عرض پس مکان میں نہ ہوگا۔ اور نہ کسی زمانہ میں ہے یعنے زمانہ شامل اور
محیط اسکا نہیں کیونکہ جب زمانہ نہ تھا تب بھی وہ موجود تھا اور اب کہ زمانہ ہے
اب بھی وہ موجود ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا لاکھ برس کا یا ہزار برس کا ہوا اور
کوئی اسکا ذات و صفات میں مثل و مانند نہیں اور نہ کوئی اسکا شریک ہے وجوب وجود

۱؎ ۔ قرآن اور احادیث میں جو اللہ تعالیٰ کے حق میں منہ اور ہاتھ اور قدم اور ساق اور لب اور انگلی
اور فوقیت اور استوا علی العرش اور نزول اور اتا وغیرہ الفاظ وارد ہیں اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک
یہ کہ یہ الفاظ اپنے معانی ظاہری پر محمول ہیں اور کیفیت اور تفصیل انکی اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ دوسرے
تاویل کرتے ہیں مثلاً استوا سے استیلا اور ید سے قدرت اور وجہ سے ذات اور قدم سے قدم
بعض مخلوقات الٰہی کا اور اللہ کے نزول سے اسکی رحمت کا نزول اور لبوں سے کثرت اور اصبع
سے تصرف مراد ہے۔

اور استحقاق عبادت اور پیدائش وتدبیر میں اور نہ کوئی اُسکا مخالف ہے۔ ہمجنس یا غیر جنس سے اور
نہ کوئی اُسکے کاموں میں معین ومددگار اور نہیں جائز ہے کہ حق تعالےٰ حلول کرے اپنے
غیر میں۔ کیونکہ غیر میں درآنا صفت جسم سے ہے۔ اور نہ اپنے غیر کے ساتھ متحد ہوسکتا ہے
کیونکہ اتحاد کے معنے یہ ہیں کہ دو شے ایک ہوجائیں۔ بغیر زیادتی اور کمی کے۔ اور یہ محال ہے
اور اللہ تعالےٰ متصف بالمحال نہیں ہوتا۔ اور نہ کیفیات نفسانی جیسے بھوک پیاس رنج و
راحت وغیرہ کے ساتھ متصف ہے اور نہ لذات عقلی کے ساتھ اُسکا متصف ہونا جائز ہے
کیونکہ اگر ایسا ہو تو لازم آتا ہے کہ نافرمانی کفار سے چاہیئے متالم بھی ہو۔ اور بدا اللہ تعالےٰ پر
جائز نہیں اسلیئے کہ محال ہے کہ ظاہر ہووے اللہ پر وہ چیز کہ پہلے سے اُس پر ظاہر نہ تھی
جس طرح کہ آدمی میں تبدیل رائے ہوتی ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالےٰ کا جہل ثابت ہوتا
ہے اور خالق ومکوّن جمیع موجودات یعنے اعیان واعراض اور اُنکے افعال وحرکات
وسکنات کا حق تعالےٰ ہے ممکن نہیں کہ کوئی اور کسی چیز کو پیدا کرسکے یا کسی چیز کے پیدا
کرنے میں کوئی اور حق تعالےٰ کا شریک ہو۔ یا اُس نے کسی چیز کا پیدا کرنا اپنی مخلوقات
میں سے کسی کے تفویض کیا ہے۔ پس سب خیر وشر اور نفع وضرر اور حسن وقبح اُسکی قضا و
قدر سے ہے انسان کو چاہیئے کہ کوشش کرے منافع کے حصول اور مضار کے دفع کرنے میں
بقدر امکان کے پھر باوجود اسکے لائق ہے یہ کہ یقین کرے اسبات کا کہ اُسکی طرف وہی ہو پہنچتا
ہے جو کہ اللہ نے مقدر کیا ہے اور بندوں کے کاموں کا پیدا کرنے والا وہی ہے اسلیئے کہ خالق
سب چیزوں کا وہی ہے۔ اور افعال واعمال بھی بندوں کے سب چیزوں میں داخل ہیں۔ بندے
اپنے افعال کے کاسب ہیں خالق نہیں اور نہ شریک خلق ہیں۔ کسب کے یہ معنے ہیں کہ جب بندہ کسی
کام کا ارادہ مصمم کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اُسمیں فعل پیدا کر دیتا ہے۔ کسب کی وجہ سے کاسب
کو استقلال حاصل نہیں ہوتا اور خلق کی وجہ سے خالق مستقل ہوتا ہے۔ پس کفر وایمان اور
طاعت وعصیان اور نیکی وبدی بندوں کی اُسکے ارادے اور مشیت اور حکم وتقدیر سے صادر
ہوتی ہے لیکن خدا تعالےٰ کفر ومعصیت سے راضی نہیں اور نیکی سے راضی ہے۔ خواہش کرنی اور
پیدا کرنا اور ہے اور راضی ہونا اور۔ رضا وہ ہے کہ حکم دے کہ کرو اور اکثر ہوتا ہے کہ حکم دیتا ہے

اور نہیں چاہتا ہے کہ واقع ہو بسبب کسی حکمت کے کہ اُسکو سوائے حق تعالےٰ کے دوسرا نہیں جانتا مگر باوجود اسبات کے کہ سب ارادہ و تقدیر آلہی سے ہے بندوں کو بھی اعمال میں اختیار دیا گیا ہے کہ بندے اپنے کام اپنے ارادے و اختیار سے کرتے ہیں نہ جبر و اضطرار سے کہ اُسی کے سبب ثواب پاتے ہیں اور اُسی پر عذاب ہوتا ہے بندے کے افعال اختیاریہ اللہ تعالےٰ کے مقدور ہیں اختراع کی وجہ سے اور بندے کے مقدور ہیں تعلق کے سبب سے کہ اس کو **اکتساب** کہتے ہیں اللہ تعالےٰ کی قدرت مُوثرہ ہے اور بندہ کی قدرت کاسبہ و غیر موثرہ۔ پس افعال اختیاریہ جب بندے کی قدرت کیطرف منسوب ہوتے ہیں تو کسب کہتے ہیں اور جب اللہ تعالےٰ کی ذات پاک سے نسبت کیے جاتے ہیں تو خلق کہتے ہیں۔ پس بندے کے مکسوب اور اللہ تعالےٰ کے مخلوق ہونگے۔ اللہ تعالےٰ بندے کے افعال اختیاریہ کو اُسکے ارادے کے موافق پیدا کرتا ہے اگر وہ نیک کام کے کرنے کا قصد کرتا ہے تو فعل خیر کی قدرت و استطاعت اُسمیں موجود کر دیتا ہے اور اگر بُرے کام کا ارادہ کرتا ہے تو اُسکے کرنے کی قدرت اُسمیں پیدا کر دیتا ہے بندہ آپ ہی فعل خیر کی قدرت کو ضائع کر دیتا ہے اسلئے ذم و عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ غرضکہ بندہ کاسب ہے اور کسی قدر اختیار رکھتا ہے۔ اسی کا معتقد ہونا چاہیے کہ خلق خدا سے ہے اور عمل بندے سے فرق اتنا ہے کہ امر نیک پر اُسکی رضا ہے اور بد کام اُسکی رضا اور خوشنودی کے خلاف ہے۔ اسکی مثال یوں سمجھنا چاہیئے کہ ایک شخص اپنے غلام سے کہے کہ تو بازار کو جا اور فلانی چیز لے آ۔ تجھے اختیار ہے کہ زبردستی چھین لا یا دام دیکر خرید لا۔ اگر دام دیکر لائیگا تو ہم خوش ہونگے اور جو زبردستی چھین لائیگا تو ہم ناخوش ہونگے اس صورت میں اگر اُس نے خلاف مرضی اپنے مالک کے کام کیا تو قطعاً سزا پانے کا سزاوار ہے اسی طرح حق تعالےٰ نے بندوں کو ایک طرح کا اختیار دیا ہے کہ وہ اُس اختیار سے اچھے اور برے دونوں طرح کے کام کا قصد کر سکتے ہیں اور یہ بھی کہدیا ہے کہ اچھے کاموں سے ہم راضی ہیں اور بد کام ہماری نارضامندی کا باعث ہیں اب بندہ جیسا کام کریگا ویسا اُسکا بدلہ پائیگا اور یہ عین عدل و انصاف ہے حقیقت کا امر متوسط ہے درمیان جبر کے اور قدر کے دلیل اس مدعا کی شریعت ہے مگر جو معتقدات میں بحث کرتے ہیں اور اُنکو دلائل عقلی سے ثابت کرتے ہیں

جب تک کوئی بات معقول نہ ٹھہرے تصدیق نہیں کرتے وہ اس امر متوسط کے ادراک میں حیران ہیں
اور اللہ پر کوئی شے واجب نہیں ہے نہ لطف و نہ قہر نہ ثواب و عذاب ہر چیز کا بدلہ دینا اور
روزی پہونچانا اُسکا احسان ہے۔ ہمارا استحقاق اُس پر کچھ نہیں ہے اگر وہ عوض نہ دے اور
روزی نہ پہونچائے تو اسپر قباحت لازم نہیں کیونکہ ساری مخلوقات اُسکی مملوک ہے اور
مملوک کا مالک پر کیا استحقاق ہوتا ہے کہ اُسکے حق میں بہتری اور لطف و مہربانی اور رعایت
مصلحت مالک پر واجب ہووے ورنہ کسی کافر مفلس کو پیدا نہ کرتا۔ کیونکہ اُسکو دنیا و آخرت
میں خسارہ ہے۔ دوسرے اُسکا کسی بندے پر احسان و امتنان ثابت نہ ہوتا کیونکہ اگر
اُس نے کسی کو دین و دنیا کی نعمتیں دیں تو اُس چیز کو کیا جو اُسپر واجب تھی تیسرے ابوجہل
لعین اور نبی علیہ السلام پر اللہ کا احسان برابر ہوتا تو کچھ زیادہ شکر گذاری حضرت پر واجب
نہ ہوتی۔ اُس نے جو دونوں کے لئے اصلح تھا وہ کیا۔ اپنے واجب سے فارغ الذمہ ہوا۔ اور اللہ کے
کاموں میں کچھ غرض نہیں۔ کیونکہ غرض والا محتاج ہوتا ہے اور باوجود اسکے اُسکا ہر ایک
کام لاکھوں حکمتوں سے بھرا ہے کوئی اسکو دریافت نہیں کر سکتا اور اُسکے فوائد و منافع
واسطے خاص و عام کے ہیں نہ واسطے اُسکی ذات مقدس کے کہ اسکو کسی چیز کی احتیاج
نہیں۔ اور ہر چیز میں برائی بھلائی عقل کی طرف سے ہے جیسے کہ صانع عالم اور اسکی توحید
اور صفات کمالی کی معرفت عقلی ہے شرع پر موقوف نہیں ورنہ دور لازم آئیگا باوجودیکہ
اسپر شرع موقوف ہے۔ اسی طرح اشیا میں برائی بھلائی شرعی نہیں اسطرح کہ شرع نے
جس کو اچھا کہا وہ اچھا اور جس کو برا کہا وہ برا ہے اگر عکس کرتی تو عکس ہوتا۔ مگر حسن و قبح
عقلی اس بات کو نہیں چاہتا کہ اُسمیں حکم الٰہی بھی بندے کے لئے صادر ہو بلکہ وہ لائق
اور مستحق اس بات کے ہوتا ہے کہ اُسمیں حکم الٰہی نازل ہو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ حکیم مطلق ہے۔
ترجیح بلا مرجح نہیں جائز رکھتا کہ اچھی چیز کو برا اور بری کو اچھا قرار دے بلکہ جو واقعی اچھی ہوتی
ہے اسکی نسبت حکم وجوب کا دیتا ہے اور جو بری ہوتی ہے اُسے حرام کرتا ہے۔ سو اصل
حاکم اللہ ہے۔ شرع کھولنے والی ہے۔ پس جب تک اللہ رسولوں کو بھیجکر اور اپنا کلام
نازل کرکے حکم نہ دے تب تک کوئی حکم حسن و قبح امر و نہی کا نہوگا یہی وجہ ہے کہ زمانہ فترت کے

لوگ ترک احکام الٰہی کی سزا میں معذب نہ ہونگے اور اسی وجہ سے پہونچنا دعوت کا تعلق وتکلیف میں شرط ہے ۔ یعنے آدمی تعمیل احکام کے ساتھ بعد پہونچنے دعوت کے مکلف ہوگا پس کافر کو جب تک دعوت نہ پہونچے اُسوقت تک نہ وہ ایمان کے ساتھ مکلف ہے اور نہ بسبب کفر کے آخرت میں مواخذہ دار ہے ۔ اور استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور استطاعت کے دو معنے ہیں ایک قدرت حقیقی کو کہتے ہیں جو فعل کے موجود کر دینے کے لیئے کافی ہوتی ہے دوسرے اسباب و آلات اور اعضا کی صحت وسلامتی کا نام ہے ۔ اور مدار تکلیف شرعی کا پچھلی قسم کی استطاعت پر ہے اسی لیئے بچہ اور مجنون ایمان کے ساتھ مکلف نہیں اور گونگا اقرار زبانی کے ساتھ مکلف نہیں اور مریض کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے واسطے مکلف نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کے اعضا صحیح وسالم نہیں اسلیئے استطاعت اُنمیں مفقود ہے ۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو فقہ اکبر میں کہا ہے کہ کسی پر اللہ تعالے نے کفر و ایمان کا جبر نہیں کیا ہے اسکا یہی مطلب ہے کہ انسان کے ساتھ تعلق تکلیف کا مدار استطاعت کے معنے دوم پر ہے نہ معنے اول پر ۔ پس جن لوگوں نے یہ کہا کہ وہ مرجیہ یا جہمیہ تھے یہ نِرا سراسر بہتان ہے اور جو چیز انسان کی قدرت سے باہر ہو اُسکی تکلیف اُسے نہیں دیجاتی اس مسئلے میں عقل ونقل دونوں متفق ہیں ۔ یہی رائے معتزلہ کی ہے مگر اشاعرہ کہتے ہیں کہ عقل تکلیف مالایطاق تجویز کرتی ہے اور مقتول اپنی اجل سے وقت پر مرتا ہے ۔ اللہ جتنی عمر اپنی تقدیر ازلی کے ذریعہ سے اُسکے لیئے مقدر کر دیتا ہے اور وقت جو اُسکی موت کا علم الٰہی میں ہے اُسی وقت پر اسکو موت آتی ہے ۔ اسکی موت اللہ تعالے کا فعل ہے اسلیئے اُسمیں کسیطرح تغیر تقدیم وتاخیر کے ساتھ قاتل کیوجہ سے پیدا نہیں ہوسکتا اور نہ قاتل پر قصاص عاید ہونا اور اسکو عذاب الٰہی پہونچنا یہ امر شرعی ہے شرع نے رفع تنازع اور انسداد فساد اور انتظام کے لیئے یہ سزائیں مقرر کر رکھی ہیں ۔ بندہ اگرچہ فعل قتل کا خالق نہیں مگر کاسب تو ضرور ہے جب وہ ایسے نامشروع فعل کے کسب کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالے موافق عادت کے اُسکے فعل کے بعد مقتول کی موت پیدا کر دیتا ہے اور موت مُردے کے ساتھ قائم ہے اور اللہ تعالی کی مخلوق ہے بندے کو اُسکے پیدا کرنے میں دخل نہیں ہے اور موت کا وقت ایک ہے

مقدور نہیں جو موت علم الٰہی میں ہر شخص کے مرنے کے واسطے معین ہے جس طور سے مقرر اور مقدر کی گئی ہے اُسی وقت پر آتی ہے تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔ اگر اس میں کچھ بھی تغیر و تبدل ہو تو علم الٰہی میں نقصان پایا جائے۔ اور حرام بھی رزق ہوتا ہے۔ اور ہر ایک جاندار اپنی روزی پوری کرتا ہے حلال ہو یا حرام کوئی شخص غیر آدمی کی روزی جو اللہ نے اُسکے لئے ازل میں اپنے علم اور قسمت ازلی کے ذریعہ سے مقدر کر رکھی ہے نہیں کھا سکتا کیونکہ تقدیر الٰہی کے خلاف ہونا ممتنع ہے اور رویت حق تعالیٰ کی امکانی ہے لیکن دخول جنت سے اول واقع نہ ہوگی۔ بعد دخول جنت مسلمان البتہ حق تعالیٰ کی رویت سے مشرف ہونگے اور رویت کے دو طریق خیال میں آتے ہیں۔ ایک یہ ایسی اچھی طرح انکشاف ہو جائے کہ عقل کے ذریعہ سے اتنا یقین پیدا ہو نہیں سکتا۔ پس گویا کہ یہی نظر کے ساتھ دیکھنا ہے مگر یہ بات ہے کہ ایسا دیکھنا بغیر برابری اور مقابلہ اور جہت اور رنگ اور شکل کے ہوتا ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کی صورت پکڑ کر مسلمانوں کو اپنا دیدار دکھلائے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں صورتوں کا دیکھنا آیا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے رنگ اور شکل اور رسوا جہ کے ساتھ دیکھیں گے جیسا کہ خواب میں رویت واقع ہوتی ہے مگر جنت میں رویت الٰہی ایسی بالمشافہ واقع ہوگی کہ دنیا میں خواب کے اندر کبھی ایسی نہیں ہوئی۔ یہی دو طریق معلوم ہیں اور اسپر ہمارا یقین ہے۔ اگر اللہ اور رسول کا رویت سے کچھ اور مطلب ہے تو ہمارا ایمان اُسپر بھی ہے اگرچہ ہم واقف نہیں کہ وہ خاص کیا بات ہے[1] اور حق یہ ہے کہ رویت کے لئے جو شرائط مثلاً کیف و جہت و مکان و صورت و مقابلہ و قرب و بعد مسافت وغیرہ قرار دئے ہیں یہ سب شرائط عادی ہیں۔ تمام اقسام حواس میں احساس کیلئے جو چند باتیں بطور عادت کے مقرر ہو گئی ہیں وہم نے اُنکو شرائط و لوازم مان لیا ہے اور یہ جان لیا ہے کہ حواس کا کام بغیر انکے نہیں نکل سکتا۔ درحقیقت بجز وجود رائی و مرئی کے کوئی اور شرط نہیں ہے اگر یہ شرطیں رویت کے لئے لازمی ٹھہریں تو چاہیئے کہ رویت الٰہی سے نسبت ممکنات کے بھی انکار کریں کہ حق تعالیٰ اجلسہ سے منزہ ہے اور اور انفصال شعاع و مسافت

---

[1] دیکھو حسن العقیدۃ مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب۔

متوسط کارائی و مرئی کے درمیان مقصود نہیں۔ یہ شرائط تو اجسام متلون اور اعراض اجسام
کے لئے ہیں نہ اُس ذات کے لئے جو مادہ سے بالکل مجرد ہوا ور لاتدرکہ الابصار
یعنے اسکو نہیں ادراک کرسکتیں آنکھیں۔ اس سے رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔
کیونکہ ادراک شے کی حقیقت کے جان لینے کو کہتے ہیں اور آیت میں اسکی نفی کیگئی
ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ کسی شے کی رویت حاصل ہوا ور اسکی حقیقت پر اطلاع نہ ہوسکے۔
جیسا کہ چاند کو دیکھتے ہیں اور اسکی حقیقت کا ادراک نہیں کرتے یا ادراک اسے کہتے ہیں کہ
مرئی کو اسکی تمام حدوں سمیت پورا پورا دیکھ لینا۔ یعنے اسکا احاطہ کرلینا اور عدم احاطہ سے
عدم رویت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ علم کا احاطہ نہ ہونے سے عدم علم لازم نہیں آتا۔ جائز
ہے کہ رویت ہوگا احاطہ کے ساتھ نہ ہو جسکی آیت میں نفی کیگئی اور موسیٰ علیہ السلام کو جو
سوال رویت کے جواب میں کہا لن ترانی تو مجھکو ہرگز نہ دیکھے گا۔ یہ انکار اس غرض سے ہے
کہ عادت الٰہی یوں جاری نہیں ہوتی ہے نہ اسوجہ سے کہ رویت ناممکن الوقوع ہے اور
غرض اس خطاب سے یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالےٰ کے دیدار کی طاقت ان آلات حسیہ سے
کہ فنا پذیر ہیں نہ لاسکے گا۔ نہ یہ کہ آخرت میں بھی نہ دیکھ سکیگا۔ بلکہ قصہ سوال حضرت موسیٰ
علیہ السلام نسبت رویت آلٰہی کے ہمارے لئے حجت ہے جواز رویت کی اسلئے کہ انبیا
علیہم السلام سے حق جاننے والا زیادہ کون ہے۔ اگر رویت محال ہوتی تو سوال حضرت
موسیٰ کا اس سے خالی نہ تہا کہ مسئلہ دینی سے غافل تہے اور ایسی غفلت انبیا علیہم السلام
سے محال ہے اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام رویت آلٰہی کو محال جانکر سوال کرتے تو حماقت
لازم آتی اور حمق سے انبیا منزہ ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے جو پہاڑ کے ٹہرے رہنے پر اپنے دیدار
کو معلق کیا تو معلوم ہوا کہ دیدار آلٰہی جائز ہے اسلئے کہ ٹہرا رہنا پہاڑ کا جائز ہے اور معلق
او پر جائز کے جائز ہے۔

اور اللہ تعالےٰ کے فرشتے ہیں رات دن اسکی بندگی میں مصروف رہتے ہیں کبھی فرمان
آلٰہی کے بجالانے میں سستی اور کاہلی نہیں کرتے صاحب پر و بال ہیں حقیقت اُنکے پر و بال کی
خدا ہی جانتا ہے۔ سب گناہان صغیرہ کبیرہ سے بری ہیں کوئی اُن میں مرد یا عورت نہیں ہے

چار فرشتے اُن میں سے اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ ایک جبرئیل علیہ السلام جو پیغمبروں پر وحی لاتے ہیں دوسرے میکائیل جو مخلوقات کو روزی پہونچاتے ہیں۔ تیسرے اسرافیل جو قیامت میں صور پھونکیں گے۔ چوتھے عزرائیل ہیں جو روح کو قبض کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں جو اپنے پیغمبروں پر اُتاریں اور شمار اُنکا کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں مشہور چار کتابیں ہیں جو پیغمبروں پر نازل ہوئیں وہ یہ ہیں۔ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر۔ انجیل حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر۔ قرآن حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر انہیں سے قرآن شریف پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور جتنی کتابیں اُسکے سوا نازل ہوئی ہیں وہ سب منسوخ العمل ہیں۔ یعنے اور کتابوں میں جو احکام قرآن شریف کے احکام کے مخالف اور متناقض ہیں اُنپر عمل کرنا درست نہیں۔ اور نسخ میں بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ احکام مصلحتوں کے تابع ہوتے ہیں اور یہ موافق اوقات کے بدلتے رہتے ہیں۔ اس وقت جو کتابیں اس نام کی اہل کتاب کے پاس ہیں وہ اصل نہیں اہل کتاب اپنی تمام کتب سماویہ کو بائیبل کہتے ہیں جو لفظ یونانی بمعنے کتاب ہے پھر اسکے دو حصے ہیں (۱) عہد عتیق یعنے پُرانی کتابیں جس میں توریت وزبور وغیرہ ۴۳ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ کبھی ان تمام صحیفوں کے مجموعہ کو مجازاً توریت کہتے ہیں۔ ان کو یہود اور عیسائی سب مانتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں نے اس مجموعہ میں نو اور کتابیں داخل کی ہیں جنکے تسلیم و عدم تسلیم میں انکے متقدمین و متاخرین میں بڑا اختلاف ہے یہود ان کتابوں کو لغو قصے سمجھتے ہیں (۲) عہد جدید۔ اس مجموعہ میں یہ کتابیں ہیں۔ اول انجیل متی جسکو حضرت عیسےٰ کے بعد متی حواری نے مسیح کا پیدائش سے لے کر موت تک کے حالات کو تاریخ کے طور پر جمع کیا ہے دوم۔ انجیل مرقس اسمیں بھی مرقس نے ابتدا سے لے کر اخیر تک حضرت مسیح کی سرگذشت سُنی سنائی بیان کی ہے۔ سوم انجیل لوقا۔ یہ بھی حضرت مسیح کی تاریخ ہے جسکو لوقا نے تالیف کیا ہے۔ چہارم انجیل یوحنا۔ اس میں یوحنا حواری نے حضرت مسیح کا حال ابتدا سے انتہا تک لکھا ہے۔ ان چاروں تاریخوں کو کہ جنکے زمانہ تالیف میں بڑا اختلاف ہے عیسائی اناجیل اربعہ

کہتے ہیں اور یہ توریت و اناجیل اربعہ اصل توریت و انجیل منزّل علی موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام جنکا ذکر قرآن شریف میں اکثر جگہ آیا ہے نہیں۔ وہ گم ہوگئی ہیں۔ بلکہ حسب اقرار علمائے اہل کتاب تاریخ اور روزنامچہ ہیں کہ جنمیں بہت عرصہ بعد انبیاء اور حضرت مسیح کے احوال کو ابتدا سے انتہا تک معتبر اور غیر معتبر رواۃ سے بلا سند متصل مجہول لوگوں نے نقل کیا ہے۔ اصل کتابیں عبرانی زبان میں ہیں جو ملک یہودیہ کی قدیم زبان ہے۔ ان کے ترجمے یونانی اور لاطینی اور عربی وغیرہ میں ہوگئے ہیں۔ اور عہد جدید میں اناجیل کے ساتھ عیسائیوں نے اور بھی بہت سے رسالے اور خطوط حواریوں اور غیر حواریوں کے ملاکر اپنی کتب مقدسہ میں شمار کیا ہے اور سب کو واجب التسلیم قرار دیا ہے اور ہونا کراماً کاتبین کا جو دو فرشتے ہیں دونوں پر نیک اور بدکام کے تحریر کرنیکے لئے حق ہے اور مسلط ہونا ملک الموت کا وقت قبض ارواح کے حق ہے اور عذاب قبر کا کہ عالم برزخ میں ہے۔ کافروں اور بدکاروں کے واسطے اور نعمتیں عابدوں اور مطیعوں کے لئے اُس چیز کے ساتھ کہ خدا جانتا ہے اور چاہتا ہے حق ہے۔ اور منکر و نکیر کا سوال حق ہے کہ وہ دو فرشتے ہیں۔ مہیب صورت نیلی نیلی آنکھوں والے قبر میں مردے کے پاس آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ پروردگار تیرا کون ہے۔ اور دین تیرا کیا ہے۔ اگر جواب موافق سوال کے دیا تو ناز و نعمت میں رہے اور مثل عروس خواب نازنین استراحت کرے اور قبر اسکی ایک چمن چمنہائے جنت سے متصور ہو اگر عہدہ جواب سے برأت نہ ہوئی تو محنت و عذاب دیکھے اور قبر اُسکے حق میں ایک غار غاروں دوزخ سے ہو اور بعد مرنے کے قبروں سے مُردوں کا زندہ ہوکر اُٹھنا حق ہے۔ عاقل و مجنون و صبی و جن و شیاطین و طیور و حشرات کُل اُٹھیں گے ظاہر ہے کہ جس نے اول عدم صرف اور نابود محض سے پیدا کیا اور کتم عدم سے وجود میں لایا وہ بار دیگر بھی پیدا کرنے پر قادر ہے سباع و بہائم وغیرہ سے باہمدیگر قصاص لیکر نابود کیئے جائینگے اور جن و انس و شیاطین ہمیشہ دوزخ یا بہشت میں رہیں گے۔ اور عملوں کا تولا جانا حق ہے تا مقدار نیکی و بدی کے بندوں کو معلوم ہو اور خدائے علیم تو

جانتاہی ہے مگر یہ یاد رہے کہ اعمال کا وزن نہیں ہوگا۔ بلکہ اعمالناموں کا وزن ہوگا یعنے جن کاغذوں میں بندوں کے اعمال لکھے ہونگے وہ وزن ہوکر اُنکی کمیت معلوم کیجائے گی۔ کیونکہ اعمال اعراض ہیں۔ اور ہلکا بھاری ہونا جواہر کی شان سے ہے۔ مومن کو لازم ہے کہ ایمان تو ترازو کے ہونے اور اعمال کے تلنے پر لائے مگر دریافت حقیقت اور ادراک کیفیت کی جانب متوجہ نہ ہو کہ کہاں قائم ہوگی اور اعمال کیونکر وزن کئے جائینگے یا اعمال نامے وزن کئے جائینگے تو اُن میں اوراق کی کمی بیشی اور لمبے چوڑے اور ہلکے بھاری اور خط کے خفی اور جلی ہونے اور سیاہی کی جسمیت اور عبارت کے طول وقصر کی کیا کیفیت ہے۔ اِن سب باتوں کی تفتیش سے خاموش رہے اور نامۂ اعمال مسلمانوں کے داہنے ہاتھ میں سامنے سے اور کافروں کو پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ملنا حق ہے اور حساب لینا بندوں سے ایک ایک ذرہ نیکی و بدی کا حق ہے۔ اور گواہی اعضا کی حق ہے۔ اور حوض کوثر حق ہے کہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے قیامت کے دن ہوگا۔ اور اُسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اُسکی بو مشک سے زیادہ عمدہ ہوگی۔ اور اُسمیں تاروں سے زیادہ اور روشن تر کوزے ہیں جو کوئی اُسکا پانی ایک دفعہ پیئے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اور پل صراط حق ہے کہ حقتعالیٰ روز قیامت کو ایک پل دوزخ کی پشت پر بال سے باریکتر اور تلوار کی باڑہ سے تیز تر رکھیگا اور اُس پر سے سب کو گذرنا ہوگا۔ بعض ہوا کی صورت۔ بعض آب رواں کی مانند بعضے تیز گھوڑے کی چال سے بعضے پیادہ چلنے والے کی رفتار سے بعضے چیونٹی کی روش سے اُس پل کو طے کرینگے۔ اور یہ سب تفاوت بقدر ضعف وقوت ایمان کے ہر شخص کے گذرنے میں ہوگا۔ جتنا ایمان قوی ہوگا اُتنا ہی طے کرنا پل کا آسان ہے۔ بعض یہ بھی نہ جانینگے کہ پل تھا یا نہ تھا اور بعضے مجروح ہونگے اور بعضے کٹ کر دوزخ میں گر پڑینگے۔ اور شفاعت پیغمبروں اور علما اور صلحا کی گناہگاروں کے واسطے حق ہے مگر بعد اذن حق تعالےٰ کے اور جہاں شفاعت کا منع آیا ہے وہاں وہی شفاعت مراد ہے جو رب العالمین کے اذن اور رضا کے بغیر ہو۔ اور جنت و دوزخ حق ہیں۔ اور دونوں

پیدا ہوچکے ہیں اب بھی موجود ہیں فنا نہ ہوں گے ہمیشہ رہیں گے البتہ بقدر آن واحد کہ فنا ہونا ثابت ہوتا ہے بہشتی طرح طرح کی نعمتوں سے خوش وخرم رہیں گے اور دوزخی انواع انواع عذاب سے معذب ہوا کرینگے۔ اور قیامت کی سب شرطیں اور آخرت کے احوال جنکی مخبر صادق نے خبر دی ہے حق ہیں۔ جیسا آفتاب کا مشرق سے نکلنا کہ توبہ کے دروازے بند ہوجانے کا دن ہے۔ اور دجال اور دابۃ الارض کا ظہور کرنا اور یاجوج وماجوج کا خروج کرنا اور حضرت عیسیٰ کا مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے اُترنا۔ اور زمین خسف کا واقع ہونا۔ ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں اور آسمانوں کا پھٹ جانا اور کاغذ کیطرح لپیٹا جانا اور تاروں کا گر پڑنا اور اسرافیل کا صور پھونکنا ایک بار واسطے فنا کے اور دوبارہ واسطے زندہ ہونیکے اور باقی نہ رہنا سوائے واحد قہار کے یہ سب باتیں واقع ہونیوالی ہیں۔ اور ایمان حق تعالیٰ پر فرض ہے اور ادراک فرضیت کے لئے عقل کافی ہے اور شرع اسکی مؤید وموفق ہے۔ اور ایمان تصدیق قلبی اور انقیاد وافرار زبانی کو کہتے ہیں۔ تصدیق بغیر انقیاد وافرار کے مفید نہیں یعنے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اور جو کچھ کہ وہ خدا کے پاس سے لائے ہیں اُسکو دل سے سچ جاننا اور مان لینا اور انکی پیغمبری کو دل سے قبول کرنا اور زبان سے اُسکا اقرار کرنا اور اسکی گواہی دینا ایمان کہلاتا ہے اور اعمال ماہیت ایمان کا جزو نہیں بلکہ منجملہ کمالات ایمان سے ہیں اسی واسطے انکا تارک دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ ایمان ضد اور مقابل کفر کے ہے اور عمل نیک مقابل ہے گناہ کے عبادت اور طاعت نہ کرنے سے بندہ گنہگار ہوتا ہے کافر نہیں ہوتا اور نیز اعمال میں کیفاً وکماً دونوں طرح کی بیشی پیدا ہوتی ہے۔ جیسے فرض کو ادا کرنا حضور دل اور اطمینان اور تمام آداب کی رعایت کے ساتھ افضل ہے کیفیت میں نفل سے بلکہ اُس فرض سے بھی بدرجہا افضل ہے جو ناقص طور پر ادا ہوا اور دو فرض کا ادا کرنا افضل ہے۔ تعداد کی رو سے ایک فرض کے ادا کرنے سے اور اسی طرح تمام فرض اور اُسکے ساتھ ساری سنتیں اور نفل ادا کرنا صرف فرض سے ہر طرح بہتر ہے اور ایمان

سلہ دیکھو تفسیر فتح البیان وکتاب مشارق الانوار فی منازل الاعتبار باب فصل اول صفحہ ۲۰ مطبوعہ قاہرہ ۔

میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اسلئے کہ اگر تصدیق نہیں ہے تو مومن نہیں ہے۔ اور
تصدیق عبارت ہے علم الیقین سے اُسمیں گنجائش گھٹنے بڑہنے کی نہیں اور ایمان
اسلام ایک چیز ہے دونوں میں تغایر نہیں اور ایمان و اسلام کے ایک ہونے سے یہ مراد ہے
کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا دونوں میں تلازم ہے جب ایک کسی پر صادق
آئیگا تو دوسرا بھی بالضرور صادق آئیگا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کی نسبت کہا جائے وہ مومن
ہے اور مسلمان نہ ہو یا یہ کہا جائے کہ وہ مسلمان ہے حقیقت میں وہ مومن نہ ہو اور ایمان
درمیان امید و بیم کے ہے اور وقت سکرات موت کے جب آخرت کے احوال نظر آتے ہوں
اُس وقت کا ایمان لانا مقبول نہیں کیونکہ ایمان بالغیب چاہئے اور یہ ایمان بالغیب نہیں اور
یہ کہنا ' چاہئے کہ مَیں مومن ہوں اگر اُسنے چاہا کیونکہ اس کہنے سے ایمان میں شک پایا جاتا
ہے اور شک یقین میں اوا نہیں اگرچہ یہ کلمہ تبرک اور تادب کے واسطے اور جہاں کام
خدا تعالےٰ کیطرف حوالہ کرنا ہوتا ہے وہاں بھی استعمال کرتے ہیں مگر ایمان کے ساتھ تبرکاً
بھی اسکا استعمال درست نہیں اسلئے کہ وہم شک ہے۔ اور گناہ کبیرہ کرنا بندہ مومن
کو اصل ایمان سے نہیں نکالتا ہے یعنے گناہ کبیرہ مومن کو کافر نہیں بناتا بلکہ فاسق اور
عاصی بناتا ہے اسلئے کہ تصدیق باقی ہے۔ اور گناہ کرنیوالے مومن ہمیشہ دوزخ میں
نہ رہیں گے اگرچہ بے توبہ مرے ہوں اور جب تک خدا تعالےٰ چاہیگا بقدر مکافات
اُن گناہوں کے اُن کو دوزخ میں رکھکر پاک و صاف کرکے پھر اُن کو بہشت میں داخل
کرے گا۔ اپنے فضل و کرم سے یا جناب شفیع المذنبین کی شفاعت سے۔ اور ترک کبیرہ کی
بخشش مشیت الٰہی پر ہے چاہے کرے یا نہ کرے اور عذاب کرے اور چاہے وہ کبیرہ کو
بے توبہ بطریق خرق عادت کے بخشدے اور صغیرہ پر عذاب کرے مگر حق تعالیٰ کفر و شرک کو
نہیں بخشتا ہے اور یہ بات شرعاً و عقلاً دونوں طرح ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے موجب

سلہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جنپر قرآن یا حدیث میں صاف وعدہ دوزخ کا یا اللہ کے غضب کا دیا یا حد مقرر فرمائی ہے
اور صغیرہ وہ جس سے منع فرمایا اور کچھ زیادہ نہیں اور کبیرہ کا اطلاق اگرچہ کفر پر بھی آتا ہے مگر صغیرہ کے مقابل
جو کبیرہ ہے اُس سے کفر مراد نہیں ہوتا بلکہ کفر اکبر الکبائر ہے ۱۲

مومن مطیع کو ایمان اور طاعت پر یقیناً ثواب دیگا اور وعدہ سے قطع نظر ثواب دینا مطیع کو یا عذاب کرنا عاصی کا حق تعالی پر واجب نہیں ہے اور اگر کسی نے ایک کبیرہ سے توبہ کی اور دوسرے کبیرہ پر اصرار کیا توبہ اسکی مقبول ہے اور جس نے تمام کبائر سے توبہ کی اسکو صغائر سے بھی توبہ کرنا ضرور ہے ورنہ احتمال عذاب باقی ہے اور عفو کرنا حق تعالی کا لوگوں کے حقوق کو بطور خرق عادت کے جائز ہے۔

اور واسطہ ہونا انبیا علیہم السلام کا درمیان ممکنات اور واجب الوجود کے ضرور تھا۔ کیونکہ ہدایت واجب الوجود کی نسبت ممکنات کے باہم ستوا نہیں بالواسطہ ہونا چاہیے اور جو واسطہ دونوں کا برزخ ہو وہ انبیا علیہم السلام ہیں۔ پس اللہ تعالی نے اصلاح معاش و معاد کے لئے محض از راہ تفضل جنس بشر سے انبیا و رسل کو واسطے پیغمبری کے بھیجا کہ آدمیوں کو معرفت الٰہی سے کہ عقل اسکے معلوم کرنے سے عاجز ہے آگاہ و مطلع کریں اور احکام الٰہی سے بہ نسبت واجب و مندوب و حرام و مکروہ و مباح کے خبردار کریں اور سب پیغمبروں کی معجزوں کے ساتھ تائید کی اور وہ معجزے دلیل ہیں انکی نبوت کے حق ہونے پر۔ اور معجزہ امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ اس سے اظہار صدق دعوے نبوت مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ مخالف کو خدا تعالے کیطرف سے ایسے امر بنانے کی قدرت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ عاجز ہوتا ہے۔ اور طریقہ ہدایت کا از طرف خدائے عزوجل ہمیشہ ایسا ہی جاری رہا کہ ہر پیغمبر اور نبی اللہ کے زمانہ میں جس علم اور عمل کی وجہ سے قوم کو ضلالت ہوتی تھی وہی معجزہ اس نبی کو خاصکر عطا ہوا۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کو ابطال سحر کا معجزہ خواہ حضرت عیسےؑ کو شفائے امراض لاعلاج مثل برص حقیقی اور کوڑہ مادر زاد کا اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو فصاحت اور بلاغت اور بواسطہ خبر متواتر نسبت معجزات کی ہمارے حق میں اور بواسطہ حسن صحابہ کرام کے حقیقی عقل حکم کرتی ہے کہ حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ بیشک رسول خدا ہیں جو خدا کیطرف سے پیغام امر و نہی اور وعدہ و عید کا لائے ہیں اور سب سے بڑا معجزہ انکا قران مجید ہے جسکو اللہ تعالے نے آپ پر وحی کیا تھا۔ قرآن کی عبارت اتنی اعلیٰ درجہ پر فصیح و بلیغ ہے کہ کوئی شخص فصحائے عرب سے

باوجود حد باندہ دینے اور دشمنوں کی کثرت کے بہی کسی چہوٹی سی چہوٹی سورت کی مثل نہیں بنا سکا۔ حالانکہ فصاحت وبلاغت میں آنحضرتؐ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ کیونکہ جہاں کے آپ رہنے والے تھے وہیں کے وہ بہی۔ بلکہ مجتمع ہوکر بہی اسکی مثل نہ بنا سکے باوجودیکہ اُنکو عار دلاکر کہا جاتا تہا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنے قرآن کے کسی ٹکڑے کی مانند تم بہی بنالاؤ اگر تم سچے ہو۔ مقابلہ حروف سے مقابلہ سیوف اُنکے نزدیک آسان تہا۔ اور عدد انبیاؤ رسل کا دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے۔ پس ایمان لانے میں رسل وانبیاء پر عدد کا لحاظ نہ کرنا چاہیے۔ کہ کفر بہ نسبت بعض پیغمبروں کے اور اقرار نبوت بہ نسبت بعض کے کہ پیغمبر نہیں ہیں عاید نہ ہو۔ پس عدد سے درگذر کرکے انبیاء سے وہ جنکا ذکر قرآن میں وارد ہوا یا متواتر حدیث سے ثابت ہوا بصراحت اُنکی نبوت پر اقرار کرنا چاہیے اور جنکا ذکر متواترات میں نہیں ہے۔ اُنکی نبوت سے نہ اقرار کرنا چاہیے نہ انکار۔ اول انبیاء میں آدم علیہ السلام ہیں اور آخر سب کے حضرت سرور عالم فخر بنی آدم محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور آنحضرتؐ خاتم پیغمبران ہیں۔ بعد حضرتؐ کے کوئی پیغمبر نہ آیا اور نہ آئیگا شریک اُنکا نبوت میں اُنکے زمانہ میں کوئی نہ تہا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کہ نازل ہونگے وہ بعنوان رسالت نازل نہ ہونگے بلکہ تابع دین محمدی ہونگے۔ اور عصمت شرط نبوت ہے اور مطاع ہونا اُنکا لوازمات نبوت سے ہے اور ظاہر ہے کہ بشر میں سے جو شخص باین صفات متصف ہوگا اُس شخص سے جس میں یہ نہوں افضل ہوگا۔ لہذا انبیاؤ رسل افضل خلائق ہیں اور خدا کے نزدیک محبوب ترین خلائق ہیں۔ اور سوائے نبی کے کوئی کسی وقت میں ادنیٰ درجہ پیغمبر کو نہیں پہونچ سکتا ہے۔ پس تقدم وتفوق کا انبیاء سے کیونکر احتمال ہوسکتا ہے۔ پس تمام بنی نوع انسان سے کوئی آدمی انبیاء کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ البتہ انبیاء آپسمیں فاضل اور مفضول ہیں یعنے بعضوں کا مرتبہ بعضوں سے زیادہ ہے مگر یہ تحقیق نہیں کہ کون پیغمبران پیغمبروں میں بڑے رتبے والا ہے اور کون رتبہ میں کم ہے البتہ ہمارے پیغمبر سب انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں کیونکہ نبوت اُنکی ثابت ہوئی ہے اور خود اُنہوں نے اپنی فضیلت کی خبر دی ہے اور برخلاف اور انبیاء ومرسلین کے وہ سب خلق کیطرف بہیجے گئے ہیں اُنکی دعوت تمام

ممالک کے بنی آدم اور جنوں کو عام ہے مگر بعثت اولی عرب کے جن و انس کی طرف سے اور
اُن کے ذریعہ سے دوسرے ملکوں تک رسالت پہونچی اسلئے کتاب آپ پر عربی زبان میں
مذاق اہل عرب کے موافق نازل ہوئی تاکہ اُنکے ذریعہ سے اس کلام پاک کے دقائق اور
معانی اور احکام سلسلہ بہ سلسلہ اور ممالک میں پہونچ جاویں۔ اگر ہر قوم کی لغت کی
رعایت رکھی جاتی تو اختلاف اور تحریف اور کمی بیشی اس حد تک اُس کتاب میں ہو جاتی
کہ اصل مطلب کا سمجھنا دشوار ہو جاتا اور جبکہ ایسی کتاب نازل ہوتی وہ بھی ہر قوم کے لغات
و معانی بلکہ مخارج حروف و لہجہ کو نہیں جانتے تھے پس کلام مجہول اللفظ و المعنے کو کسطرح
اُن قوموں تک پہونچا سکتے۔ اور وحی میں رویت فرشتہ کی شرط نہیں ہے اور وحی نبی کا
خاصہ ہے۔ اور سب پیغمبر خدا کے حکم پہونچانے میں سچے ہیں اور جو امر و نہی کرتے ہیں
خدا کی طرف سے کرتے ہیں نہ اپنے دل سے اور سب انبیا پیغمبری پانے سے آگے بھی
اور پیغمبری پانے کے پیچھے بھی اصلی اور طبعی کفر اور گمراہی سے پاک اور محفوظ ہیں اور
کبائر بھی انبیا سے بعد نبوت عمداً صادر نہیں ہوتے اور سہو گناہ کبیرہ سے بھی معصوم
مطلق ہیں۔ کیونکہ ہم لوگ انکی اقتدا کے ساتھ مامور ہیں جو کہ اُن سے قول و فعل صادر ہو
پس اُن سے کیونکہ وہ چیز واقع ہوگی جو ناشائستہ ہو اور ہم اُنکی اقتدا کے ساتھ حکم کئے جاویں
اور جو صغیرہ ایسے ہیں کہ اُن سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور رذیلہ پن پایا جاتا ہے وہ انبیا
سے نہ عمداً صادر ہوتے ہیں اور نہ سہواً ہر طرح معصوم ہیں البتہ جو صغیرہ ایسے نہیں
ہیں وہ انبیا سے سہواً ممکن الوقوع ہیں مگر اپنی خطا پر جمے نہیں رہتے۔ اُنکو غیب سے
تنبیہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ سہو و نسیان اُن اقوال میں جو متعلق ہیں ساتھ
خبر دینے اور احکام اور شرائع کے پہونچانے کے جائز نہیں۔ کیونکہ اخبار خلاف واقع
کذب ہے اور کذب سے انبیا کی عصمت واجب ہے اسلئے کہ کذب سے اُن کے اخبار سے
وثوق اُٹھ جائیگا۔ مگر جس بات کا کہ حق تعالےٰ نسخ چاہتا ہے اُسکو فراموش کرا دیتا
ہے اور یہ جائز ہے کہ انبیا کسی کار مباح کا قصد کریں اور وہ اتفاقی طور پر معصیت ہو جاوے
اور انبیا کی اس لغزش کو زلت کہتے ہیں اور جن جن انبیا سے زلالت سرزد ہوئی ہیں

سب معاف کردیگئی ہیں۔ اور نیز انبیا منزہ ہیں اصل فطرت میں اخلاق رذیلہ سے مثل عُجب حسد حقد اور جبن اور مکر وغیرہ کے اسلئے کہ رذائل اخلاق معاصی قلب ہیں جو معاصی اعضا سے بدتر ہیں۔ اصل فطرت انبیا علیہم السلام کی ایسے مادہ فاضلہ اور جوہر علیہ سے واقع ہوئی ہے کہ صدور ایسے معاصی کا جنپر عام مکلفین کی نسبت وعید وارد ہے۔ ناممکن ہے اور عطا ہونا ایسے مادہ فاضلہ اور جوہر علیہ کا امر وہبی ہے اصل فطرت میں نہ کسبی[1]۔ ورنہ کوئی تو نوع بشر سے بحالت اکتساب ترقی کرتے ہوئے مدارج کمال میں اُنکے رتبہ کو پہونچتا۔ اور معراج محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں مع روح اور جسد مقدس کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک یعنے بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمان تک پھر جہانتک کہ خدا تعالےٰ نے چاہا حق ہے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جانا قرآن سے ثابت ہے انکار اسکا کفر ہے اور اطباق سماوات سے گذرنے میں احادیث صحیحہ صریحہ مشہورہ وارد ہیں انکار اسکا گمراہی وفسق ہے اور آگے اس سے جانا اور عجائبات طرح طرح کے مشاہدہ کرنا احادیث احاد سے ثابت ہے انکار اسکا موجب محرومی ثواب اور درجات اخروی ہے اور معراج آسمانوں کے اوپر مخصوص ہے واسطے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور لیجانا حضرت عیسٰی کا آسمانوں کے اوپر اُن کے حکم توفی میں تہا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت سب امتوں سے بہتر ہے اور انکی شریعت سب شریعتوں کی جامع ہے اور اُن کا دین سب دینوں کا ناسخ ہے اور اُنکے اصحاب سب امت سے بہتر اور افضل ہیں اور خلفاء اربعہ سب اصحاب سے افضل ہیں اور انکی افضلیت بہ ترتیب خلافت ہے یعنے پہلے ابوبکر صدیقؓ پہر عمر فاروقؓ پہر عثمان ذوالنورینؓ پہر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین افضل ہیں۔ اور افضلیت کے یہاں معنے عنداللہ زیادتی ثواب کے لئے جاتے ہیں۔ اور کسی دوسری وجہ کی تفضیل مثلاً کثرت علم وشرف نسب وسخاوت و مروت وغیرہ جن کو عرف میں فضیلت سمجھتے ہیں یہاں مقصود نہیں۔ پس جس کو کثرت ثواب

[1] اور فلاسفہ کتنے ہی نو روشنی نے معتقد ہیں کہا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبوت کسب سے حاصل ہو سکتی ہے کفر ہے ۱۲

کی وجہ سے تفضیل حاصل ہو۔ اسکے لئے یہ بات منقصت کا موجب نہیں ہے کہ غیر
شخص اُس سے کسی دوسری قسم کی صفت عرفی میں زیادہ ہو مثلاً کوئی صحابی کثرت
روایت میں حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ ہو تو اس فضل جزئی سے اُنکے فضل کلی میں
نقصان نہیں آتا۔ کیونکہ من جمیع الوجوہ ایک صحابی کی تفضیل دوسرے صحابی پر محال
ہے اسلئے کہ تفضیل حضرت علی کی جہاد سیفی و سنانی اور فن قضا اور ہاشمیت خصوصاً
زوجیت بتول بر صدیق اکبر پر قطعی ہے۔ پس مراد تفضیل سے یہی ہے کہ جسکو نبی
کے ساتھ زیادہ مشابہت ریاست امت کے معاملہ اور دین کی محافظت اور فتنہ و
فساد کے مٹانے اور احکام شریعت کے جاری کرنے اور ملکوں میں اسلام پھیلانے
اور حدود و تعزیرات قائم کرنے میں ہے کہ یہ باتیں ثواب کی ہیں وہ افضل ہے۔

اور خلفائے اربعہ کے بعد باقی عشرہ مبشرہ یعنے طلحہ و زبیر و عبدالرحمن بن عوف
و سعد ابن ابی وقاص و سعید بن زید و عبیدہ بن جراح صحابہ میں افضل ہیں۔ بعد عشرہ
مبشرہ کے اُن صحابہ کو فضیلت حاصل ہے جو جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے اور
بعد اُنکے اُن صحابہ کو فضیلت ہے جو جنگ احد میں شریک ہوئے اور بعد اہل احد کے
اہلبیت رضوان کو فضیلت ہے۔ اور عشرہ مبشرہ اور بی بی فاطمہ اور بی بی خدیجہ اور بی بی عائشہ
اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم جنتی ہیں اور اسلام میں اُنکا مرتبہ اعلیٰ ہے اور بی بی
فاطمہ سردار ہیں سب بہشت کی عورتوں کی اور حسن و حسین سردار ہیں جوانان اہل بہشت
اور خلافت[1] محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس برس تک رہی۔ بعد اسکے بادشاہ

---

[1] محققین اہل سنت نے خلافت عامہ کو سلطنت و فرمان روائی مسلمین کے معنوں میں لیا ہے
اور خلافت خاصہ سے مراد ہے ہجرت اور سابق الاسلام ہونا اور یہ باتیں اثنا عشری میں
ہو کر حضرت علی کے ثابت نہیں اور لفظ امامت بھی کبھی خلافت عامہ کے معنے میں مستعمل
پاتا ہے اور چونکہ ایسی امامت اور خلافت کے لئے ملک میں تصرف ساتھ غلبہ و تحقق
اور حکم کے جاری ہونے کی ضروری ہے۔ لہذا خلافت صرف خلفائے اربعہ اور حضرت
امام حسن میں منحصر ہے۔ اور باقی آئمہ اہلبیت چونکہ تمام علوم دین اور ہدایت باطنی اور

تک اور سرداری ہو گئی۔

حضرت ابو بکر کا مدت خلافت دو برس اور چار مہینے اور حضرت عمر کی دس برس اور چھ مہینے اور حضرت عثمان کی بارہ برس چند روز کم اور حضرت علی کی چار برس اور نو مہینے ہے۔ اس حساب سے خلافت چاروں خلفا کی انتیس برس اور سات مہینے میں تمام ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینے جو باقی رہے اُن میں حضرت امام حسن خلیفہ رہے پس یہی خلفا میں سے ہوئے اور یہ خلافت راشدہ اور خلافت کبریٰ ہے کہ نبوت کے طور پر ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے۔ جب خلافت راشدہ کا زمانہ گذر چکا اور حکومت اور امارت کا دور شروع ہو گیا تو حضرت امام حسن نے امیر معاویہ سے جو بر سر نزاع تھے صلح کر لی اور خلافت سے کنارہ کش ہو گئے پس یہ صلح امام حسن کی مقبول تھی اور حضرت معاویہ اسلام کے پہلے بادشاہ تھے اور خلفاء راشدین کے بعد کسی سلاطین اسلام پر لفظ خلفا کا استعمال مجازاً ہے اور خلفائے اربعہ کی خلافت کا ثبوت اجلی بدیہات سے ہے جبکہ مفہوم خلیفہ کا اور اُسکی شرطیں ذہن میں تصور کریں اور چاروں خلیفہ کی سوانح عمری اور احوال تاریخی پر نظر ڈالیں تو عقل بالبداہت حکم کرتی ہے کہ اُن میں خلافت کی شرطیں ثابت ہیں اگر خلافت کے ثبوت کا اخفا انہیں کچھ ہے تو وہ دوسرے معانی کی وجہ سے ہے۔ جو مفہوم خلافت میں مان لی گئی ہیں۔ جیسے شیعہ عصمت اور وحی باطنی امام میں ہونا شرط کرتے ہیں ورنہ یہ مسلمان بھی تھے عاقل بھی تھے بالغ بھی تھے آزاد بھی تھے مرد بھی تھے اعضا بھی انکے درست تھے قریش بھی تھے مجتہد بھی تھے اور انہوں نے کافروں سے جہاد بھی کئے۔ بلاد روم و عجم کو انہوں نے تسخیر کیا۔ اور خلافت کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اور جسقدر مخالفین نے اُنپر افترا کیا ہے اور عیب نکالے ہیں اُسکا مرجع امر مختلف فیہ ہے جسے سوائے اُنکے اور مسلمان صحیح نہیں جانتے کیونکہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲

اور ارشاد و طریقت میں یکتا تھے اسلئے امام کہلاتے ہیں۔ نہ اس وجہ سے کہ امامت جو خلافت کے معنے میں ہے وہ انپر صادق آتی ہے کیونکہ امامت یعنی خلافت کے لئے ملک میں تصرف شرط ہے اور کبھی امامت کے معنے بادشاہت اور ریاست کے لیتے ہیں اسلئے کہ بادشاہ بھی اگرچہ نیک سیرت نہ ہو لیکن دین کے بعضے کاموں جیسے جہاد اور تقسیم غنیمت اور امامت جمعہ و عیدین میں پیشوائی رکھتا ہے۔ ۱۲

اور امام حسین کا خروج خلافت راشدہ کے دعوے کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ رعایا کو یزید کے پنجۂ ظلم سے بچانے کے لئے گئے تھے تاکہ اُسکا تسلط جمنے نہ پائے کیونکہ ابھی تک اُسکا پورا پورا تسلط ہونے نہ پایا تھا اور اہل مکہ و مدینہ و کوفہ نے اُس سے بھی برضا و رغبت بیعت نہ کی تھی اور حدیث میں جو آیا ہے کہ بادشاہ ظالم سے تعرض نہ کرنا چاہئے یہ اُس صورت میں ہے کہ اُسکی سلطنت بلا منازعت و مزاحمت جم چکی ہو۔ اور اگرچہ بڑے بڑے صحابہ گناہوں کے صدور سے عمداً محفوظ تھے مگر یہ نہ تھا کہ تمام صحابہ میں سے کوئی بھی قابل طعن نہ ہو۔ اسلئے کہ بعضے صحابہ سے شراب خوری ثابت ہوئی ہے اور جناب سرور کائنات نے اُنپر حد جاری کی ہے۔ اور مسطح بن اثاثہ اور حسان بن ثابت سے بی بی عائشہ پر تہمت زنا ثابت ہوئی اور اُنپر حد جاری کیگئی۔ اور ماعز اسلمی نے زنا کیا اور سنگسار کیئے گئے مگر اتنا ضرور ہے کہ بوجہ حرمت صحبت خیر البشر اُنکی خطائیں قابل گرفت نہیں۔ دیکھو اللہ تعالے نے حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں کہا ہے وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی یعنے آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہوگیا۔ اور یونسؑ کی شان میں کہا ہے وَھُوَ مُلِیْمٌ یعنے وہ ملامت میں پڑا ہوا تھا۔ باوجود اسکے آدمؑ کو گناہگار اور گمراہ کہنا کفر ہے اور یونسؑ کے حق میں لفظ ملیم استعمال کرنا ناجائز۔ اس وجہ سے امتیوں کو مناسب ہے کہ صحابہ کے حق میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہیں اگر کچھ برخلاف خیر و خوبی کے منقول ہو تو اس سے چشم پوشی کریں جب تک کہ نفاق اور ارتداد اُنکا پورے طور پر نہ معلوم ہولے۔ یہ مناسب نہیں کہ کسی کو محض تہمت پر گناہگار قرار دیا جاوے کہ سلامتی اس میں ہے۔ کیونکہ صحابہ و محبین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے برا کہنے میں اگر دلائل قطعی کی مخالفت ہے تو یہ کفر ہے۔ جیسے بی بی عائشہؓ پر زنا کی تہمت کرنا اسلئے کہ خداتعالے نے اپنے کلام پاک میں اس عیب سے اُنکی بریت بیان کردی ہے۔ اور اگر ادلۂ قطعی کے خلاف نہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے پس کسی صحابی پر لعنت نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ نہایت کار کسی صحابی کا خلیفہ برحق سے بغاوت[۵]

---

[۵] شیخ علاؤ الدولہ نے فلاح میں اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تالیفات میں اور مولوی جامی نے سلسلۃ الذہب میں امیر معاویہ کو باغی قرار دیا ہے۔ مگر اہل سنت امیر معاویہ کی

اور اُسپر خروج ہوگا تو یہ ارتکاب کبیرہ ہے اور مرتکب کبیرہ قابل لعن نہیں۔ قرابتداران رسولؐ نے اپنے دشمنوں کی تکفیر کب کی ہے جو اوروں کو کرنا چاہئے۔ اور نفرت جو اُنکو مخالفین سے تھی یہ بوجہ نزاع اور جنگ وجدل کے پیدا ہوگئی تھی۔ مگر ایمان اور اسلام میں اُنکے کسی طرح کا کلام نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ نے لعنت کے فضول کام سے اپنے بندوں کو معاف رکھا ہے اسلئے کہ اگر کوئی عمر بھر ابلیس پر لعنت نہ کہے تو اُس سے قیامت کو سوال نہ ہوگا کہ تو نے لعنت کیوں نہیں کی۔ اور لعنت کرنے کی صورت میں تو سوال کا اندیشہ ہے اور کسی کا قتل یا بے حرمتی گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں توبہ سے کفر بھی معفو ہے تو گناہ کبیرہ بدرجہ اولےٰ معاف ہوسکتا ہے۔ دیکھو وحشی نے حضرت حمزہ عمّ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا اور جب وہ مسلمان ہوگیا تو مستحق لعنت نہ رہا گناہ معاف ہوگیا۔ پس گناہگار مسلمان کے بُرا کہنے سے زبان کو روکنا چاہئے۔ کیا بعید کہ اللہ نے اُسے توفیق توبہ اور حسن خاتمہ نصیب کیا ہو۔

اور اہل قبلہ کو جو مسلمانوں کے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور قرآن وحدیث کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور شہادتین کی تصدیق واقرار کرتے ہیں کافر نہ کہنا چاہئے جب تک کہ کوئی فعل وقول کفر کا اُن سے صریحاً نہ پایا جاوے۔ جیسے معاد کا یا خدا تعالےٰ کے وجود کا یا نبی اللہ کا یا اور ضروریات دین کا انکار کرنا اور کفر کا التزام کفر ہے اُسکا لزوم کفر نہیں۔ اگر مدلول نص کو مدلول نص اعتقاد کرکے بے تاویل انکار کرے اور کہے کہ ہر چند نص وارد ہے مگر میں اسبات کو قبول نہیں کرتا یہ کفر کا التزام ہے اور اگر نص کی تاویل کرکے اگرچہ وہ تاویل حقیقت میں صحیح نہ ہو مدلول ظاہر کو نہ مانے تو یہ لزوم کفر ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب کسی حکم منصوص کا جو بنص قطعی ثابت ہے تاویل باطل کے ساتھ انکار کرتے ہیں تو کفر لازم نہیں آتا سو یہی حال شیعہ کا ہے۔ کہ وہ دین محمدی کو حق جان کر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ منازعت کو جناب امیر کے ساتھ خطائے اجتہادی کہتے ہیں اور انکو صحابی عادل جانتے ہیں اور صاحب ہدایہ نے انہیں سلاطین جابر یعنے ظالم میں سے قرار دیا ہے۔ اور مولوی عبدالعلی بھی مسلم الثبوت میں اُنکے مجتہد ہونیکی تغلیط وتردید کرتے ہیں۔ ؎ دیکھو کیمیائے سعادت بیان لعن یزید کی بحث۔

ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اُس اجماع سے جو خلفائے ثلثہ کی خلافت پر ہوا ہے اجماع سمجھکر انکار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ایک شبہہ اُنکے دل میں پیدا ہو گیا ہے جس سے اجماع کے منکر ہیں اور وہ شبہہ یہ ہے کہ علی مرتضیٰ نے بسبب تقیہ کے خلفائے ثلثہ کے ساتھ بیعت کی تھی اور حقیقت میں اُنکے خلیفہ برحق ہونیکے معتقد نہ تھے۔ پس دراصل اجماع منعقد نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ یہ شبہہ باطل ہے مگر اُنکے عقیدہ میں تو صحیح ہے اسلئے تکفیر سے روکتا ہے پس اس طرح کی باتیں بدعت ہیں کہ تاویل سے صادر ہوئی ہیں اور یہاں سے عدم تکفیر خوارج کا بھی سر ظاہر ہوتا ہے اور یہ جو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُنکے حق میں فرمایا ہے یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ یعنے خوارج دین سے ایسے نکل جاوینگے جیسے تیر شکار میں سے اس سے مقصود نکل جانا امام برحق کی اطاعت سے ہے۔ درحقیقت دین اسلام سے نکل جانا مراد نہیں۔ اور عموماً صحابہ خصوصاً شیخین کو بُرا کہنا کفر نہیں بلکہ فسق ہے اسلئے کہ مسلمان کو بُرا کہنا فسق ہے اور صحابہ اور دوسرے مسلمان اس حکم میں برابر ہیں۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان خلفائے راشدین میں سے کسی کو قتل کر ڈالے تو بھی وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ قتل سے بُرا کہنا کمتر ہے ہاں۔ اِن معاصی کا حلال جاننا کفر ہے جس طرح ترک صلوٰۃ کفر نہیں بلکہ ترک کو حلال جاننا کفر ہے۔ تکفیر شیعہ[1] ہمارے آئمہ متقدمین کی رائے نہیں یہ افواہ متاخرین میں پھیل گئی ہے۔ امر منقح[2] اور قول مفتیٰ بہ و مرجح یہ ہے کہ جو شیعہ منکر ضروریات دین ہوں وہ کافر ہیں شرکت اُنکے ساتھ مثل شرکت اسلام کے جائز نہیں اور جو ایسے نہوں گو صحابہ کو بُرا کہتے ہوں وہ فاسق ہیں کافر نہیں۔ اور یہ جو امام ابوحنیفہ اور شافعی سے مروی ہے کہ شیعہ کے پیچھے نماز ناجائز ہے سو یہ بات اُنکے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ اہل سنت کو اُنکی اقتدا سے روکا ہے۔ کیونکہ اُنکی بدعت نے زور پکڑا تو اُنکے ایمان میں شبہہ پیدا ہوا۔ پس اہلسنت کو حکم دیا کہ انکے پیچھے تمہاری نماز خراب ہوگی۔[3]

---

[1] دیکھو بحرالرائق ۔ [2] دیکھو جلد دوم فتاوائے مولوی عبدالحی صاحب [3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت

اور کرامات اولیاء اللہ کی حق ہیں اور کرامت ایسے فعل خارق عادت کو کہتے ہیں
جو نہ دعوے نبوت کے ساتھ مقرون ہو اور نہ کفار کے مقابلہ میں واقع ہو۔ اور جس شخص سے
کرامت صادر ہو وہ اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات کا عارف ہو بقدر طاقت بشری اور
نشانی اُسکی یہ ہے کہ زہد اور تقوےٰ اختیار کرے اور یاد حق میں ہمیشہ مشغول رہے
خلاف طریقت وسنت نبوی کے کوئی کام نہ کرے اعتماد اُسکا خدا پر ہو۔ ماسوای اللہ سے
بالکل قطع تعلق کیا ہو اور عشق ومحبت نے اُسکے ظاہر وباطن میں سرایت کیا ہو۔ بالجملہ ولی
کے واسطے مواظبت علی الطاعات شرط ہے۔ اسی مواظبت کو عرف میں **استقامت**
کہتے ہیں پس اگر دین پر مستقیم نہ ہوگا اور اُس سے کوئی خرق عادت صادر ہو تو وہ کرامت
نہیں بلکہ **استدراج ومکر اللہ** ہے اور حق تعالےٰ جب چاہتا ہے ولی سے کوئی بات
کرامت کی کرا دیتا ہے ہر وقت اُس سے کرامت ظاہر نہیں ہوتی اور یہی معنے ہیں
خرق عادت کے اگر ہر وقت اُس سے کرامت ہوا کرتی تو وہ عادت ہو جاتی خرق عادت
نہ رہتا۔ اور خرق عادت کی بہت سی قسمیں ہیں جیسے کسی پوشیدہ بات کا ظاہر کرنا۔
اور ظاہر کا پوشیدہ کر دینا۔ اور دعا کا قبول ہو جانا۔ اور مسافت بعیدہ کا تھوڑے سے
عرصہ میں طے کرلینا اور مغیبات پر مطلع ہونا اور انکی خبر بیان کرنا اور ایک وقت میں
مختلف مقاموں میں ظاہر ہونا۔ اور حیوانات اور نباتات وجمادات کا کلام سننا اور کھانے
پینے کا حاجت کے وقت بے سبب بہم پہونچا دینا اور پانی پر چلنا اور ہوا میں اُڑنا اور ایسی
طاقت کا ظاہر کرنا جو قوت بشری سے باہر ہو۔ اور کرامات اولیا اُنکے نبی کے واسطے
معجزہ شمار کیجاتی ہیں کیونکہ پیرو لوگوں سے ایسے امور کا ظاہر ہونا اُس نبی کی صداقت
کے لئے دلیل بیّن ہے۔ اور کوئی ولی نبی کے مرتبہ کو اللہ تعالےٰ سے قرب اور اُس کے
نزدیک فضل وکرامت میں نہیں پہونچتا۔ کیونکہ ولی کے لئے پیغمبر پر ایمان لانا فرض ہے
اور ولی مامون العاقبت نہیں اور پیغمبر خوف خاتمہ سے بری ہے اور پیغمبر معصوم ہے
اور ولی کا نفس بالذات معصوم نہیں البتہ محافظت کرنے سے بُرے کاموں سے
بچتا رہتا ہے اور پیغمبر کے پاس وحی آتی ہے فرشتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور لوگوں کی

پاس پیغام پہونچانے کے لئے مامور ہے بخلاف ولی کے اور کوئی آدمی اس مرتبہ کو نہیں پہونچتا کہ احکام دینی اور تکالیف شرعی اس سے ساقط ہو جائے۔ بشرطیکہ عاقل و بالغ ہو خواہ کوئی نبی یا ولی ہو یا مومن صالح ہو یا کوئی اور ہو۔ کسی سے بے عذر شرعی احکام شرعی معاف نہیں جس طرح اور سب پر فرض و واجب ہیں اسی طرح ولی نبی پر بھی۔ کیونکہ جس قدر خطاب تکلیف شرعی میں وارد ہیں سب عام ہیں کسی کی اسمیں خصوصیت نہیں۔

اور آیات قرآن مجید اور احادیث کا ظاہر پر محمول ہونا ضرور ہے کیونکہ سب ظاہر قرآن و حدیث کے ساتھ مکلف ہیں مگر جسکا کہ ظاہر سے پھیرنا تواتر ثابت ہوا اسکی تاویل چاہیئے۔ اسکے سوا جائز نہیں جیسے شیعہ باطنیہ کہتے ہیں کہ کتاب و سنت سے نسبت وضو و تیمم و نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج و بہشت و دوزخ و قیامت وغیرہ کے جو کچھ وارد ہوا ہے وہ ظاہر پر محمول نہیں سب کے اور ہی معنے ہیں اور جو معنے لغت سے مفہوم ہوتے ہیں وہ شارع کی مراد نہیں۔ مثلاً حج سے مراد امام کے پاس پہونچنا ہے اور روزے کا مذہب سے مخفی رکھنا۔ اور نماز سے امام کی فرمانبرداری وغیرہ وغیرہ۔ اور ایک دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے یہ معنے نہیں کہ نماز پڑھو بلکہ نماز مناجات ہے اللہ تعالے سے حضور قلبی کے ساتھ اور یہ قیام وقعود محض بیکار ہے۔ اور روزے کی اصل یہ ہے کہ نفس کو اسکی خواہشوں کے پورا کرنے سے روکے اور زکوٰۃ کی اصل یہ ہے کہ مال کی محبت یک قلم دل سے نکال ڈالے اور حج کی اصل سیر الی اللہ ہے اور مناسک کی اصل سیر فی اللہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ملحدانہ باتیں اصل شرع کی ہادم ہیں۔ بلکہ ان سے دراصل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوتی ہے۔ اور مدار شرع کا احکام ظاہری اور تکالیف خارجی پر ہے۔ اگر باطنی طریقوں اور تلقین کا اعتبار کیا جائے تو یہ سب باتیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ سب کا دارومدار شیون قلبی پر آکر ٹھہرتا ہے اور اس سے شریعت کا باطل کرنا ہے۔ دوسرے جب قرآن مجید کے معانی اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ اور علمائے فرقہ باطنیہ کے سوا اور کوئی

نہیں سمجھتا تو پھر تمام خلق کے لئے قرآن کا بھیجنا لغو اور بیکار ٹھہرتا ہے حالانکہ قرآن مجید کے نزول سے مقصود ہدایت ہے۔ ہاں جو حقائق اور دقائق قرآن مجید محققین ارباب سلوک سمجھتے ہیں حق ہیں۔ لیکن وہ ظاہری معنے کا انکار نہیں کرتے ہیں بلکہ انکو مان کر پھر اور دقائق نکالتے ہیں کہ ظاہری مرادات سے منطبق ہوتے ہیں اور انکو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں رکھا ہے۔ کیونکہ قرآن کے لئے ظہر و بطن احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ اور نسخ احکام کا بعد سید المرسلین خاتم النبین صلے اللہ علیہ وسلم کے شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور مردے کو دنیا میں قیامت سے پہلے رجوع نہیں ہے۔ اور تناسخ ارواح کا یعنے یہ اعتقاد کہ انسان جیسا عمل کرتا ہے اسکو جزا سزا اسی دنیا میں اس طرح دیجاتی ہے کہ روح ایک جسم عنصری سے متعلق ہوتی ہے اور پھر بعد رفع ہونے اس تعلق کے دوسرے جسم عنصری سے جو پہلے سے مغائر ہوتا ہے متعلق ہو جاتی ہے باطل ہے۔ کیونکہ ۱۔ مجرم کو سزا دیتے ہیں تو اسکو اسکے جرم کی اطلاع دینا ضرور ہے کہ فلاں جرم فلاں وقت میں کیا تھا۔ اسکے عوض یہ سزا دیجاتی ہے لیکن کوئی انسان اس بات کا علم نہیں رکھتا ہے کہ مجھکو جو تکلیف لاحق ہے فلاں جرم کی وجہ سے ہے جو اس جسم کے حاصل کرنے سے پیشتر کسی اور جسم سے تعلق رکھنے کی حالت میں سرزد ہوا تھا پھر ایسی بے خبر سزا سے کیا فائدہ ہے۔ (۲) اگر تناسخ سے تبدیل ابدان ہو کر انسان اپنے اعمال کی سزا پاتا ہے تو بتلایئے شروع ہستی میں انسان نے کونسا عمل کیا جسکی وجہ سے جسم انسانی حاصل ہوا۔ اور گائے گھوڑے اونٹ ہاتھی وغیرہ نے کونسا عمل کیا جس سے ابتدا میں یہ جسم ملا۔ پس ہر ایک نوع حیوانات جدا جدا مخلوق ہے اور دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا ہے (۳) اللہ تعالےٰ مجرمین کی زبانی کہتا ہے یٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا کاش ہم پھیرے جاویں اور نہ جھٹلاویں نشانیاں اپنے رب کی **ایضاً** رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمکو پھر بھیج ہم کریں عمل اچھے۔ پس اگر تناسخ ارواح واقع میں ہوتا تو اللہ تعالےٰ انکے جواب میں فرماتا کہ تم کیوں پھر آرزو پھر جانے کی کرتے ہو۔ تم کو کئی دفعہ دنیا میں لوٹا دیا ہے۔

مگر ایسا نہیں فرمایا اور نیک کا حکم کرنا اور بڑے سے منع کرنا واجب ہے اور شرط اُسکی
یہ ہے کہ فساد پیدا ہونے کا خوف نہ ہو اور قبول کر لینے کی توقع ہو۔ اور انبیاء افضل ہیں
تمام ملائکہ سے اور اولیاء زہاد کو فضیلت ہے عام ملائکہ سے سوائے اُن ملائکہ
کے جو رسول ہیں اسلئے کہ حق تعالے نے جنت انسان کے لئے پیدا کی ہے اور زندوں
کی دعا مُردوں کے لئے حق ہے اور صدقہ دینے میں مُردوں کیطرف سے مُردوں کو
نفع ہے اور خدا تعالے اپنے فضل و کرم سے دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور حاجتوں کو
پورا کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالے نے ہر چیز کے لئے سبب پیدا کیا ہے۔ بعضے اسباب ظاہر
ہیں۔ بعضے چھپے ہیں۔ اسباب کی تاثیر کا ایک اندازہ ہے جب اللہ چاہے اُسکی تاثیر
اندازے سے کم زیادہ کر دے جب چاہے ویسے ہی رکھے۔ آدمی کبھی کنکر سے
مرتا ہے کبھی گولے سے بچتا ہے۔ اندازے کو تقدیر کہتے ہیں۔ یہ دو تقدیریں ہیں
ایک بدلتی ہے ایک نہیں بدلتی۔ جو تقدیر بدلتی ہے اُسکو معلق کہتے ہیں اور جو
نہیں بدلتی اسکو مُبرم کہتے ہیں۔ پس اللہ نے دعا کرنے اور صدقہ دینے کو تقدیر
کے رد کرنے کا سبب بنایا ہے بلکہ یہ بھی مقدر کیا ہے کہ جب بندہ دعا کریگا اور صدقہ
دے گا تو نفع پہونچیگا۔ بلا اُسکی دفع ہوگی۔ اور تمام اسباب عالم باوجود قضا و قدر الٰہی
کے یہی حکم رکھتے ہیں جیسے کہ ادویہ طبیہ شفا کے لئے۔ اور بندوں کے اعمال بہشت
دوزخ میں داخل ہونے کے لئے اور یہ تغیر و تبدل بہ نسبت علم حق تعالے
کے نہیں ہوتا بلکہ بہ نسبت خلق کے ہوتا ہے۔ جیسے لوح محفوظ میں لکھا ہے
کہ عمر اُس کی ساٹھ برس کی ہوگی۔ اور اگر دعا یا کسی کے ساتھ سلوک یا حج
یا جہاد کرے گا تو بیس برس اسپر زیادہ ہو جائینگے اسی طرح اُسمیں لکھا ہوتا ہے
کہ فلاں شخص یہ کام کرے گا تو اسکو یہ حاصل ہوگا اور نہ کریگا تو نہ حاصل ہوگا۔
اور پیدا کرنا حق تعالے کا ذریت آدمؑ کو پشت حضرت آدم علیہ السلام سے اور
توحید پر اُن سے میثاق لینا حق ہے اور میثاق لینا پیغمبروں سے واسطے تبلیغ کے

ٖ دیکھو موضح القرآن ۱۲

اور نیز واسطے تصدیق بعض کے بعض سے حق ہے اور لوح وقلم اور جو کچھ اُس میں مسطور ہے حق ہے۔ امامت ریاست[1] عامہ ہے۔ اہل اسلام اور ذمیوں کے دین و دنیا کے کاموں کی حفاظت کے لئے بطور نیابت کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف سے یعنے احیاء علوم دین اور اقامت ارکان اسلام اور امر معروف ونہی منکر اور جہاد اور قضا اور اجرائے حدود وغیرہ جس طرح نبی علیہ السلام کی ذات فائض البرکات سے انجام پاتے تھے اسی طرح یہ شخص بھی جو منصب امامت کے ساتھ نامزد ہوا ہے انجام دیگا پس اگر کوئی بادشاہ نہ ہو اور اُسکا حکم نہ مانا جاوے وہ ہرگز امام نہ ہوگا۔ ہم کتنا ہی اُسے افضل فرض کریں اور جانیں کہ بیخطا ہے اور معصوم بھی ہے اور اطاعت بھی اسکی واجب ہے۔ اور اگر کوئی کافر بزور شمشیر ملک پر قبضہ حاصل کرلے اور شرع کے احکام کو اُٹھا دے اور تمام رعایا سے خراج وباج لیتا رہے اور دین واسلام کے کام میں مصروف نہ ہو وہ امام نہ کہلائیگا۔ اور جو امام مصلے پر بیٹھنے والا تسبیح ہاتھ میں لینے والا اور ہمیشہ کتب علمیہ کا مطالعہ کرنیوالا طلبا کو پڑھانے والا مشکل علموں میں کتابیں تصنیف کرنے والا دقائق کا حل کرنے والا کفار کی لڑائی اور خونریزی اور مال چھیننے سے بچنے والا ہو اور اُسکے عہد میں بعض آدمی بعض پر ظلم کریں اور قوی ضعیفوں کو ستاویں اور شریفوں کو مفسدوں کے ہاتھ سے آبرو بچانی مشکل ہو تو ایسے امام کی احتیاج مسلمانوں کو نہیں کیونکہ جو کچھ امامت اور سلطنت کے لئے ضروری ہے وہ اُس سے حاصل نہیں ہوتا۔

بلحاظ دلائل نقلی اہلسنت کا قول ہے کہ مسلمانوں پر قیامت تک واجب بالکفایہ ہے امام یعنے سلطان کا مقرر کرنا۔ اسلئے کہ مکلفین کے کام جیسے حدود کا قائم کرنا اور جہاد کرنا اور احکام شرع کے موافق فتوے دینا اور علوم دین کو پھیلانا اور ارکان اسلام کا قائم رکھنا اور کفار کو عملداری اسلام سے بھگانا اور امر معروف اور نہی منکر کرنا اور دشمنوں پر چڑھائی کے لئے لشکر درست کرنا مال غنیمت اور

---

[1] یعنے بادشاہی

خمس تقسیم کرنا اور جن بچوں کا ولی کوئی نہیں ہے اُنکی ولایت کرنا وغیرہ باتیں سلطان[1]
سے وابستہ ہوتی ہیں پس اُسکا مقرر کرنا بھی مکلفین کی رائے پر واجب ہے اسلئے کہ
مقدمۂ واجب اُسی پر واجب ہوتا ہے جس کے ذمہ واجب ہے نہ دوسرے پر پس
وجود امام جانب خدا سے بحکم خدا واجب نہیں بلکہ جانب خدا سے اُسکا تقرر بہت سے
مفاسد کا موجب ہے اسلئے کہ مخلوق کی رائیں اور خواہشات نفسانی مختلف ہوتی
ہیں پس ایک شخص کو یا کئی اشخاص کو تمام عالم کے انتظام کے لئے تمام زمانوں میں
مقرر کرنا بڑی بڑی خرابیاں پیدا کریگا۔ طرح طرح کے جھگڑے اور فساد کھڑے
ہونگے۔ امامت کمزور ہو جائے گی۔ دشمن غلبہ کرینگے اور امام کو اپنی جان کے خوف
سے تقیہ کرنا اور مخفی ہونا پڑے گا بلکہ جان و مال معرض ہلاک میں آجائیں گے۔ اور
اسی وجہ سے مخلوق کے سامنے کبھی اپنی جان کو ظاہر نہ کر سکے گا۔ اِن قبائح پر
خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا تقرر خدا کے ذمہ جاننا اور اُسے الطاف
آلٰہی شمار کرنا باطل ہے۔ اگر نصب امام لطف آلٰہی ہوتا جیسے کہ نبی کا ہونا لطف ہے
تو اس شرط سے ہوتا کہ امام کو تائید غیبی ہوتی۔ اور مخالفین پر غلبہ حاصل ہوتا۔ اور اظہار
حق کے لئے کوئی برہان اُسکے ساتھ ہوتی اور جبکہ کوئی ایسی بات امام کے ساتھ
نہیں ہے تو پھر لطف آلٰہی کب ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ امام کا نصب کرنا
مکلفین پر واجب ہے۔ کہ حاجت کے وقت اپنی مصلحت کے موافق کسی کو
اپنا رئیس بنا دیں۔ اور امام کے لئے چند شرطیں ہیں۔ (۱) مسلمان ہو (۲) مرد ہو
کہ اکثر مہام امارت بدون عقل کامل اور شجاعت وافر کے دشوار ہے اور یہ عورات
میں معدوم ہیں (۳) غلام نہ ہو (۴) عقل (۵) بلوغ کہ اسکے بغیر اپنے نفس پر بھی ولایت
نہیں ہو سکتی پھر ولایت عامہ کیونکر ہو سکتی ہے (۶) عدالت کہ فاسق اہل شہادت
نہیں ہوتا اور اہلیت امامت عامہ بالاتر اہلیت شہادت سے ہے (۷) قوم کا قریش ہو۔
(۸) ناقص الاعضا یعنے گونگا بہرہ اندھا نہ ہو اسلئے کہ امام پر واجب ہے حکم دینا اسطرح۔

[1] دیکھو ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا مقصد اول مسئلہ نمبر ۲ خاتمہ فصل۔

کہ اسکے مطالب میں شبہ نہ پڑے اور مدعی اور مدعا علیہ اور مقر اور مقرلہ اور مشاہد و مشہود کی شناخت اور اُنکا کلام سننا اُسکے واسطے ضرور ہے اور واجب ہے اُسپر مقرر کرنا اپنی طرف سے نائبوں اور قاضیوں کا شہروں میں اور لشکر جہاد میں حکم دینا اور یہ سب باتیں سلامتی اعضا کے بدون ممکن نہیں (۹) مجتہد ہو اور مجتہد ہونے سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ جن چیزوں کی احتیاج ہے اُنکا علم ہو کیونکہ ضروری چیزوں کا جاننا امام کے لئے اہم مقاصد سے ہے۔ کیونکہ تمام کاروبار اور احکام کے اجرا کا مدار سلطان پر ہے۔

اور جبکہ اسکو اتنا علم نہ ہوگا جسقدر سے حق و باطل میں تمیز کرسکے تو لامحالہ تمام معاملات کو ضبط کردیگا خاصکر جبکہ خود احکام شرعی کو جاری کریگا اور بنفس خود اُن کاموں کو انجام نہ دیتا ہو تب بھی اسقدر تو افضیلت ضرور ہے کہ علما میں سے کوئی عالم احکام شرعی کے جاری کرنے کے لئے متقی پرہیزگار صاحب عدالت مقرر کرے اگر خود اتنی تمیز نہ رکھتا ہو تو کسی اچھے عالم سے ایسے عالم کے احوال کو دریافت کرلے لیکن عدالت و قریشیت مشروط ہیں حالت اختیاری میں۔ پس دیدہ و دانستہ فاسق کو یا غیر قرشی کو اگر امام کریں تو البتہ گناہگار ہوں امامت اُسکی منعقد ہوجائیگی اور پھر اُس پر خروج جائز نہ ہوگا۔ اگر تسلط کرکے فاسق یا غیر قرشی بادشاہ بنجائیگا تو وہ خود گناہگار ہوگا لوگوں پر اطاعت اُسکی فرض ہوگی اور خروج اُسپر حرام ہوگا۔ اور شرط ہونا اسلام کا ساقط نہیں ہوتا ہے اسلئے کہ لفظ اولی الامر منکم غیر مسلم کو شامل نہیں اور شرط ہونا ذکورت اور حریت اور سلامت اعضا اور اجتہاد کا مثل عدالت کے ہے۔ پس اگر عورت یا غلام یا ناقص الاعضا یا غیر مجتہد مسلط ہوجائے تو اطاعت اُسکی واجب ہوگی۔ ظاہر ہوا کہ اسلام کے سوا امامت میں کوئی اور بات جیسا بنی ہاشم ہونا یا اولاد علی رضی اللہ عنہ ہونا یا افضل زمانہ ہونا یا معصوم ہونا شرط نہیں یہ قیدیں شیعہ نے لگائی ہیں۔ اور امام فسق و فجور سے معزول نہیں ہوتا بلکہ مستحق عزل ہوجاتا ہے۔ پس اس سبب سے مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ اُس امام کو برطرف کردیں۔ ہاں اُسکو حتی المقدور اُس گناہ سے باز رکھیں اور اُس کے نیک بخت ہونیکی

دعا کریں کیونکہ برطرف کرنے میں فتنۂ عظیم کا ڈر ہے اور نماز ہر نیک و بد مسلمان کے پیچھے جائز و روا ہے۔

اور مجتہد کبھی خطا بھی کرتا ہے اور اس خطا میں معذور ہے۔ اور حق و ثواب بھی کرتا ہے اور اعتقاد کرنا چاہئے۔ مسح موزے کا حضر و سفر میں مسافر کو تین شبانہ روز اور مقیم کو ایک شبانہ روز اور حلال[۹] جاننا گناہ کا صغیرہ ہو یا کبیرہ اور اسکا سبک جاننا کفر ہے۔ استہزا شریعت کے ساتھ تمسخر کرنا کفر ہے نیز اُسکی اہانت کرنا۔ اور کفر کے کلمے سے ہزل کرنا کفر ہے اگرچہ اُسپر اعتقاد نہ ہو کیونکہ ہزل موجب سبک جاننے کا ہے اور جب گناہ کا سبک جاننا کفر ٹھہرا تو سبک جاننا کفر کا بطریق اولی کفر ہے اور خدا کی رحمت سے نا امید ہونا کفر ہے۔ اور خدا کے عذاب سے بے خوف ہونا کفر ہے اور نبیذ جسے ہندی میں بوزہ کہتے ہیں بشرطیکہ لہو و لعب کے لئے نہ استعمال کیجائے۔ حرام نہیں ہے۔ اور نبیذ[۱۰] اُسے کہتے ہیں کہ خرمے یا کھجور کو تنہا یا مویز کے ساتھ یا جو شہد گیہوں۔ جوار۔ باجرہ وغیرہ غلہ کو پانی میں تر کر کے رکھدیتے ہیں یہانتک کہ اُسمیں تھوڑی سی تیزی آجائے اور اگر اتنا رہنے دیں کہ جوش کھا کر مسکر و مکیف ہوجائے تو حرام ہے۔ یعنے بدلیل قطعی۔ و یقینی اُسکا ترک فرض ہے۔ اب خیال کرو کہ اعتقاد میں خلاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے ابتدا میں اشعریہ و ماتریدیہ و حنبلیہ میں باہم کسقدر تباین و تنافر تھا ہر ایک دوسرے کے عقیدے میں قدح کرتا تھا لیکن انجام کو وہ اختلاف راجع طرف توفیق و تطبیق کے ہوگیا۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالے نے

---

[۹] معروفہ مبطلہ میں سے ایک فرقہ کا نام اباحیہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمکو قدرت گناہ سے بچنے اور امر کے بجالانے کی نہیں اور نہ کوئی دنیا میں کسی چیز کا مالک ہے سب آدمی سب کے مال و ازواج میں باہم شریک ہیں۔ کذا فی توضیح المذاہب ۱۲ [۱۰] جز داول مواہب لدنیہ میں غزوۂ حدیبیہ کے ضمن میں مذکور ہے۔ قال ابو حنیفة نقیع التزبیب والتمر اذ طبخ حتی ذهب ثلثان ثم اشتد حل شربه ما دون السکر یعنے وہ پانی جس میں مویز اور چھوہارے بھگوئے گئے ہوں اتنا پکایا جائے کہ دو حصے جلجائیں پھر گاڑھا ہوجاوے تو اسکا پینا حلال ہے مگر جس حد تک کہ نشہ نہ لاوے۔

علمائے اہلسنت وجماعت کو دو چیزیں عطا کی ہیں (۱) ذہن رسا کہ بہ سبب اُسکے
بات کی کنہ کو پہونچ جاتے ہیں اور الفاظ پر نہیں اٹکتے (۲) الضاف اور قلت
حسد کہ اُسکی وجہ سے ہر ایک کے کلام کو بھلائی پر حمل کرتے ہیں اور حتی المقدور
تضلیل وتکفیر کسی کی نہیں کرتے۔ مثلاً ماتریدیہ صفت تکوین کے قائل ہیں اور
اُسے صفت حقیقی وقدیم جانتے ہیں اور اشعریہ صفت تکوین کو اعتباری کہتے ہیں
حقیقی نہیں مانتے اور خیال کرتے ہیں کہ تعلقات قدرت اور ارادہ سے یہ صفت
حادث ہوتی ہے جسطرح تمام صفات کے تعلقات حادث ہیں اُسی طرح یہ بھی حادث
ہے۔ پس علمائے اشعری علمائے ماتریدی کے کلام کو کہ صفت تکوین کے قدم کے
قائل ہیں اُس صفت کے مبدا پر حمل کرتے ہیں۔ یعنے یہ سمجھتے ہیں کہ جن صفات سے
تکوین حادث ہوئی ہے اور وہ قدرت وارادہ ہے وہ قدیم ہیں اور اس وجہ سے
تکفیر وتضلیل نہیں کرتے۔ اسی طرح اشاعرہ اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ کلام آلہی
غیر مخلوق ہے اور مراد اس سے کلام نفسی ہے نہ الفاظ۔ اسلئے کہ الفاظ جو کیفیات
اصوات غیر قارہ ہیں اُنکا حدوث بدیہی ہے اور بدیہی بات کا انکار مناسب نہیں
اور حنابلہ کہتے ہیں کہ الفاظ اگرچہ کیفیات اصوات غیر قارہ ہیں لیکن عدیم القرار ہونا
وجود تلفظی میں ہے اور یہاں یعنے الفاظ میں وجود دوسرا ہے کہ وہ سامعین کی
قوت تخیلہ میں ہے اور یہ وجود بطریق تجدد الامثال کے لمبا قرار رکھتا ہے۔
مثلاً شیخ سعدی کی گلستان کو باعتبار اُسی وجود کے کہہ سکتے ہیں کہ مدت ۷۰۰ برس
سے موجود ہے یعنے اُنہی الفاظ کے ساتھہ کہ "منت خدائے را عزوجل الخ" ہیں۔
پہلے پہل سعدی کے متخیلہ میں وجود حاصل کیا۔ پھر دوسرے سامعین کے متخیلہ میں
وجود پایا۔ اسی طرح ہمارے وقت تک اُسکو وجود حاصل ہوتا رہا۔ پس کلام
لفظی آلہی کا علم آلہی میں کلام نفسی قدیم نام ہے اور حنابلہ کہتے ہیں کہ کسی طرح بدیہی
کا انکار لازم نہیں آتا بلکہ اُس عموم انفس کو کہ کلام آلہی غیر مخلوق ہے ظاہر سے پھیرنا
کلام نفسی پر محمول کرنا فہم وفراست سے بعید ہے۔ مگر اشعریہ اور ماتریدیہ نے

جان لیا کہ حنابلہ کا کلام ظاہری طور پر ہے اسلئے اُنکی تکفیر او تضلیل نہ کی۔ اشعریہ کہتے ہیں کہ افعال میں حسن و قبح باعتبار اس معنے کے نہیں ہے کہ افعال کی ذات کو حسن و قبح واجب ہے ورنہ شرع میں نسخ جائز نہ ہوتا اسواسطے کہ جو چیز بالذات یا ذاتی ہوتی ہے اُسمیں اختلاف اور تخلف نہیں پیدا ہوتا۔ اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ افعال کے لئے ورود شرع سے پیشتر کوئی حکم وجوب یا حرمت کا نہیں بلکہ شرع نے وجوب و حرمت کو افعال میں بیان کیا ہے مگر ذات فعل میں ایک چیز ہوتی ہے کہ وہ وجوب کو چاہتی ہے۔ جیسے نماز کہ اُسمیں معبود کی مناجات ہے جس نے اسکو واجب کیا ہے اور فعل ہی میں ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو اُس فعل کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے جیسے زنا کہ اسکی وجہ سے انساب میں خلط واقع ہوتا ہے اور یہ بات زنا کی حرمت کو چاہتی ہے اور شارع حکیم ہے اُسکا کوئی حکم مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں۔ کوئی حکم اُسکا فضول اور عبث نہیں۔ جس چیز میں اُس نے جو بات دیکھی اُسی کے مطابق اُس نے حکم دیا۔ جو چیز حرمت کو چاہتی تھی اُس فعل کو اُس نے حرام کیا اور جو قابل وجوب تھی اُسے واجب کیا۔ ہاں بعض افعال کا حسن و قبح ہماری فکر ناقص میں نہیں آسکتا تھا۔ اور ہماری ناقص قوتوں سے مدرک نہیں ہوسکتا تھا اسلئے اشاعرہ نے افعال کے حسن و قبح ذاتی کا انکار کیا تاکہ عوام ناقص قوتوں پر بھروسا کرکے جادۂ ایمان سے بھٹک نہ جائیں پس اشعریہ تکفیر و تضلیل نہیں کرتے۔ اسی طرح اشاعرہ صفات حق تعالیٰ کو ذات حق تعالےٰ پر زاید ملنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قدمائے مستقلہ یعنے ذوات متعددہ کا ثابت کرنا کفر ہے اور ایک ذات کی قدامت ثابت کرکے اُس ذات قدیمہ کی صفات کو بالطبع قدیم ماننا کفر نہیں پس وہ ذات تو بالاستقلال قدیم ہوئی اور اُسکے صفات بالطبع قدیم ٹھہرے اور علمائے ماتریدیہ نے قدمائے متعدد اور توصیفات متعددہ سے احتراز کرکے کہا کہ صفات الٰہی ذات الٰہی کے نہ عین ہیں نہ غیر اسلئے کہ اگر عین کہتے ہیں تو صفات کی نفی لازم آتی ہے جو مذہب فلاسفہ اور امامیہ اور معتزلہ کا ہے اور اگر زاید مانتے ہیں تو

مخالفین کیطرف سے طعن وتشنیع کی بوچھاڑ سند و قدما کے ثابت کرنے پر ہوتی ہے۔
اسلئے عینیت اور غیریت دونوں کی نفی کی۔ اور اشاعرہ نے سمجھا کہ غیریت منفکہ کی
نفی مراد ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں صفات کا انکار مدنظر نہیں اور اسی وجہ سے عینیت
کی بھی نفی کی ہے حالانکہ عینیت کی نفی وہی حقیقت کی نفی ہے اور کسی چیز سے اسکی
حقیقت کو نفع کرنا سراسر سفسطہ ہے۔ اسی طرح علمائے ماتریدی کہتے ہیں کہ نیک
کبھی بد ہو جاتا ہے اور بد کبھی نیک بنجاتا ہے۔ اور علمائے اشعریہ کی رائے یہ ہے
کہ نیک وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں نیک ہوگیا اور بد وہ ہے جو ماں کے پیٹ
میں بد ہوگیا۔ یعنے نیکی اور بدی یہ دونوں انسان کے نصیب میں پیدائش سے پہلے
مقرر ہو جاتی ہیں۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کی اغراض پر غور کرکے تکفیر و
تضلیل سے زبان کو روکا۔ اسلئے کہ ایک فرقہ نے انجام پہ نظر کی اور دوسرے نے
وسط کا بھی لحاظ کیا۔ اور تبدیل سعادت و شقاوت کے قائل ہوئے۔ غرضکہ ماتریدیہ
اور اشاعرہ میں خلاف لفظی ہے نہ معنوی۔ ہر ایک کی منشا جدا ہے یہی حال ہے انکے
اختلاف کا ایمان میں کہ جمہور محدثین شافعیہ و مالکیہ و حنابلہ ایمان تصدیق اور عمل تینوں کو
جانتے ہیں اور عمل کو ایمان کا کامل کرنے والا قرار دیتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک ایمان
فقط تصدیق کا نام ہے اور اقرار تصدیق کا ظاہر کرنے والا ہے اسیوجہ سے وہ فرقے
اپنے ایمان پر بھروسا نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ انا مومن انشاء اللہ اور حنفیہ کو اپنے
ایمان پر جزم ہے اور یہ کہتے ہیں کہ انا مومن حقا اسلئے کہ کمال ایمان میں کہ مراد عمل
سے ہے شبہ ہے کہ ہے یا نہیں۔ اور نفس ایمان میں کہ صرف تصدیق ہے کسی طرح کا شبہ نہیں
اسی طرح امام احمد حنبل اور انکے ساتھ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ ایمان مخلوق نہیں بلکہ علمائے
بخارا نے تو کہا ہے کہ جو مخلوق کہے وہ کافر ہے اسلئے کہ اس سے کلام الٰہی کا مخلوق ہونا
لازم آتا ہے اور محاسبی اور ابن کلاب و عبدالعزیز مکی اور امام ابو حنیفہ اور علمائے سمرقند
یعنے ماتریدیہ کہتے ہیں کہ وہ مخلوق ہے کیونکہ ایمان دل کی تصدیق اور زبان کا اقرار ہے
اور یہ بندوں کے فعل ہیں اور بندوں کے سارے افعال مخلوق ہیں تو ایمان بھی مخلوق ہوا

اشعری نے حنابلہ کے قول کی یوں توجیہ کی ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان غیر مخلوق ہے تو مراد انکی وہ ایمان ہے جو اللہ تعالے کی صفات میں سے ہے کیونکہ مومن اللہ تعالے کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور اللہ کا ایمان یہ ہے جو اُس نے اپنے کلام قدیم کے ساتھ ازل میں اپنی وحدانیت کی تصدیق کی تھی۔ اور اُسکی خبر دی تھی۔ چنانچہ اللہ کا یہ قول اسی مطلب پر دلالت کرتا ہے اِنِّیٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا۔ میں ہی ہوں اللہ کوئی معبود نہیں سوا میرے۔ اور یہاں یہ کہہ نہیں سکتے کہ اللہ کی تصدیق حادث ہے اسلئے اللہ مخلوق نہیں جسکے ساتھ حادث قائم ہو سکے اور جو کہتے ہیں ایمان مخلوق ہے انکی مراد بندوں کا ایمان ہے۔ ابن ابی الشریف کہتے ہیں کہ اسمیں خلاف کرنا ہی فضول ہے اسلئے کہ جس ایمان کے ساتھ تکلیف دیگئی ہے وہ دل کا فعل ہے اور اسکے مخلوق ہونے میں کلام نہیں اور جس ایمان پر اسکا نام دلالت کرتا ہے اُسکے قدیم ہونے میں اہل سنت کو شک نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالے کی صفات میں سے ہے جو قدیم ہیں۔[1]

ہاں۔ فروع میں قریب چار سو مسائل کے باہم مذاہب اربعہ کے اختلاف بتاتے ہیں سو وہ اختلاف بھی کچھ ایسا نہیں ہے جس سے تبدیع و تضلیل کسی کی ہو بلکہ اسکی بنیا د تدقیق و تعمیق پر ہے جب اُس دقت و تعمق سے قطع نظر کر ڈالیں اور جزئیات مجتہد فیہا میں غور و خوض نہ کریں تو امہات مسائل میں کوئی نزاع باقی نہیں رہتا ہے بلکہ وہ نزاع شبیہ بانزاع لفظی ٹھہرتا ہے شعرانی مصری نے کتاب میزان میں اس اختلاف کو تشدید و تخفیف پر اُتارا ہے۔ ترازو کے دونوں پلوں کو تاویل و توجیہ مناسب سے برابر کر دکھایا ہے پس حق انہی چار مذاہب اور تین اعتقاد کے درمیان دائر و سائر ہے۔

فرقہائے ناری

ناری فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کئی فریق ہو گیا ہے جنکی تفصیل یہ ہے۔
معتزلہ۔ شیعہ۔ خوارج۔ مرجیہ۔ نجاریہ۔ جبریہ۔ قدریہ۔ مشبہ۔ پھر انہیں سے بعض کا ترتیب

[1] دیکھو معتقدات المنتقد ۱۲

بعض سے ہوکر ہر فرقے سے کئی قسمیں پیدا ہوگئی ہیں مگر انکی ترتیب میں کوئی ایسا طریق مقرر نہیں ہے جو کسی قانون منصوص یا قاعدہ معین کے مطابق ہو بلکہ دو چار تصنیفیں بھی ایسی نہیں ملتیں جو ان فرقوں کے بیان میں ایک روش پر متفق ہوں۔ سب نے ذکر مذاہب میں ایک طرح کی پابندی نہیں کی ہے۔ جس طرح پر جس مذہب کو پایا ہے بلا کسی قانون اور اصول کے لکھ ڈالا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی مذہب میں کسی ایک مسئلہ کی وجہ سے متمیز ہے تو اُسے صاحب مذہب نہیں کہہ سکتے کیونکہ اسیر شخص کو بھی علیحدہ صاحب مذہب مانا جائیگا۔ تو مذاہب دائرۂ حصر و شمار سے باہر ہو جائینگے مثلاً کوئی شخص احکام جواہر میں کسی ایک مسئلہ کے ساتھ منفرد ہے تو وہ صاحبانِ مذہب کی گنتی میں نہیں آسکتا تو اب ضرور ہے کہ کوئی ضابطہ واسطے مسائل اصول و قواعد کے مقرر ہونا چاہیئے تاکہ وہ اختلاف اُن مسائل کا مذہب ٹھہرے۔ صاحب ملل ونحل نے اپنی رائے سے حصر اس ضابطہ کا چار قواعد میں کیا ہے۔ یہ قواعد بڑے اصول ہیں۔

۱- قاعدہ مسئلہ صفات و توحید صفات الٰہی ہے۔ اسمیں کئی چیزیں شامل ہیں (۱) مسائل صفات قدیمہ الٰہی جنکا ایک جماعت نے اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ کے لئے ایسی صفات ثابت ہیں۔ اور دوسری جماعت نے انکے ثبوت سے انکار کیا ہے (۲) بیان صفات ذات و صفات فعل (۳) اللہ پر کیا چیز واجب ہے اور کیا چیز اُس پر جائز نہیں اور کون چیز اُس پر محال ہے۔ اس مسئلہ میں اہل سنت و مجسمیہ و کرامیہ و معتزلہ کے درمیان اختلاف ہے۔

۲- قاعدہ مسئلہ قدر و عدل ہے اس میں مسائل قضا و قدر و جبر و اختیار و ارادہ خیر و شر اور مقدور و معلوم داخل ہے کہ ایک جماعت کے نزدیک یہ چیزیں ثابت ہیں اور دوسری جماعت انکی نفی کرتی ہے۔ اس مسئلہ میں درمیان قدریہ و نجاریہ و جبریہ و اہل سنت کے خلاف ہے۔

۳- قاعدہ مسئلہ وعد اور وعید اور اسما اور احکام ہے۔ یہ مشتمل ہے مسائل ایمان اور توبہ اور وعید اور ارجا اور تکفیر و تفضیل پر کہ ایک جماعت

کے نزدیک یہ باتیں ثابت ہیں اور دوسری جماعت کے نزدیک ثابت نہیں اسمیں مرجیہ اور وعیدیہ یعنے خوارج اور معتزلہ اور اہل سنت اور مشبہ کرامیہ میں خلاف ہے۔

۴۔ قاعدہ مسئلہ سمع (نقل) و عقل و رسالت و امامت ہے یہ قاعدہ مشتمل ہے کئی مسائل پر جیسے حسن و قبح اور اصلح اور لطف اور عصمت نبوت اور جیسے شرائط امامت کے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک منصوص ہونا اور دوسری جماعت کا نص سے انکار کرنا اور اثبات کا قائل ہونا کہ امامت کا انعقاد اجماع سے ہوتا ہے اور انتقال امامت کی کیفیت اُن لوگوں کے نزدیک جو نص کے قائل ہیں اور اثبات امامت کی کیفیت اُنکے نزدیک جو اجماع کے مقر ہیں۔ ان مسائل کا خلاف شیعہ اور خوارج اور معتزلہ اور کرامیہ و اہلسنت میں ہے غرضکہ اصحاب مذاہب کی ترتیب بیان کرنیکے دو طریقے ہیں۔

ایک یہ کہ اصول مذاہب کو مقرر کر کے ہر مسئلہ میں مذہب ایک فرقہ کا بیان کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اصحاب مذاہب کے اصول ٹھہرا کر ہر مسئلہ میں اُنکے مذاہب کو ذکر کرتے ہیں۔ اس پچھلے طریقے سے اقسام کا ضبط اچھی طرح ہو جاتا ہے۔

فرقہ معتزلہ

وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حسن بصری کو یہ خبر پہونچی کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے کہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ نہ بالکل مومن ہے اور نہ بالکل کافر ہے بلکہ وہ ایک منزل میں ہے درمیان منازل کفر و ایمان کے۔ تو اُنہوں نے کہا کہ ھُولاءِ اِعتزلُوا یعنے یہ لوگ کنارہ کش ہو گئے ہیں اجماع اسلام سے۔ تب وہ فرقہ معتزلہ کہلانے لگا۔ کیونکہ علمائے سلف نے اس کلیہ پر اتفاق کرلیا ہے کہ مکلف یا مومن ہے یا کافر۔ پس قول بالواسطہ سراسر اجماع کے مخالف ہے۔ ابن منبہ نے کہا ہے کہ یہ نام بعد حسنؒ کے نکلا ہے۔ اس طرح پر کہ جب حسنؒ مر گئے اور اُنکی جگہ قتادہؓ بیٹھے تو عمر بن عبید اور اُسکے اصحاب نے اُن سے کنارہ کشی کی۔ قتادہؓ نے اُن لوگوں کا نام معتزلہ رکھدیا۔

اور اس تمام گروہ کا رئیس اور پیشوا واصل ہے اس شخص نے احادیث و اخبار کو حسن بصری سے سیکھا تھا۔ اور قواعد اعتزال کو عبداللہ بن محمد حنفیہ سے حاصل کیا تھا۔ برّد نے کامل میں کہا ہے کہ اُسکی نشست اکثر اُس بازار میں ہوا کرتی تھی جہاں عورتیں سوت بیچنے کو لاتی تھیں تاکہ پارسا عورتوں کو پہچان کر کچھ اُن کو صدقہ خیرات دیا کرے اسلئے اُسکا لقب غزّال ہو گیا۔ کیونکہ غزال تشدید زاے معجمہ کے ساتھ سوت بیچنے والے کو کہتے ہیں ورنہ وہ خود سوت بیچنے والا نہ تھا۔ اس شخص کی گردن بہت لمبی تھی۔ یہاں تک کہ عمر بن عبید نے اس بات کا عیب اُس میں نکالا اور کہا من ھذا عنقہ لاخیر عندہ یعنے جس شخص کی گردن اتنی لمبی ہوگی اُسکے پاس کوئی بھلائی نہ ہوگی لیکن جب واصل لائق فائق نکلا تو عمرو نے کہا میری فراست چوک گئی یعنے میری انکل میں خطا ہوئی۔ واصل کی زبان سے حرف رائے مہملہ صحیح نہ نکلتا تھا۔ معہذا نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ اسی وجہ سے اپنی بات چیت میں حرف را کو غین سے بدل[۱] دیتا تھا زبان پر نہ آنے دیتا۔ اُسکا ایک بڑا رسالہ ہے جس میں اس نے حرف را کو ذکر نہیں کیا۔ اور یہ بات بہت کم ہے کہ کوئی شخص معتزلی ہو اور شیعہ نہ ہو۔ سو ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اسی واسطے عامہ معتزلہ افضلیت جناب امیر کی شیخین پر قایل ہیں۔ اور معتزلہ نے اپنا لقب **اصحاب عدل و توحید** مقرر کیا ہے۔ ان کا عدل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ پر مطیع کو ثواب اور عاصی کو عذاب پہونچانا واجب ہے۔ اور توحید انکی یہ ہے کہ صفات اُلوہیت کے نافی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ بیشک عالم بھی ہے اور قادر بھی اور بصیر بھی وغیرہ وغیرہ مگر صفت علم اور قدرت اور بصارت وغیرہ اُسکو حاصل نہیں ہے۔ مطلب ان لوگوں کا یہ ہے کہ صفات الٰہی ذات الٰہی سے جدا نہیں ہیں۔ بلکہ تمام ایک ذات ہے اور ایک ہی مفہوم کیونکہ اگر صفات باری تعالےٰ کو اُسکی ذات کا عین نہ مانا جائے گا تو بہت سے قدما اور معبود ثابت ہو جائینگے اور یہ کفر ہے کہ جسطرح علمائے اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ صفات الٰہی ذات

[۱] دیکھو تاریخ یافعی واقعات ۱۳۱ھ ہجری ۱۲

حق تعالے کی عین نہیں عالم ہے۔ ایک علم کے ذریعہ سے اور قادر ہے قدرت کے
ذریعہ سے اور مرید ہے ارادہ کے وسیلہ سے اور سمیع ہے سمع کے توسط سے اور بصیر ہے
بصر کی وجہ سے اور حی ہے حیات کے سبب سے اور مکوّن ہے تکوین کے ذریعہ سے
اور دلیل اُنکی اسپر یہ ہے کہ اگر مثلاً علم اور قدرت دونوں عین ذات ہوتے تو علم
اور قدرت ایک ہی چیز ہوجاتے یعنی نفس قدرت ہونا اور قدرت عین علم اور
دونوں سے جو کچھ مفہوم ہوتا وہ ایک ہی چیز ہوتی۔ اور اسی پر باقی صفات کو خیال
کرلینا چاہیئے۔ اسی وجہ مثبتین صفات کو صفاتیہ اور اثریہ بھی کہتے ہیں اور علمائے
معتزلہ کے نزدیک صفات ذات اور صفات فعل میں اسی طرح فرق ہے کہ جن اوصاف
الٰہی میں اثبات ونفی جاری ہوسکتے ہیں وہ تو صفات فعل ہیں جیسے کہتے ہیں کہ
اللہ تعالےٰ نے فلانے کے بیٹا پیدا کیا۔ یا اُسکے بیٹا پیدا نہ کیا۔ زید کو رزق بخشا اور عمر کو
رزق نہ بخشا۔ پیدا کرنا اور رزق بخشنا صفات فعل ہیں اور جنمیں نفی جاری نہ ہوسکے
وہ صفات ذات ہیں جیسے علم اور قدرت کہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالےٰ عالم یا قادر
نہیں ہے اور انکے نزدیک کلام اور ارادہ بھی صفات فعل میں داخل ہیں اور ابوالحسن اور
جاحظ اور علاف اور ابوالقاسم بلخی اور محمود خوارزمی وغیرہ کی یہ رائے ہے کہ ارادہ صرف
یہ ہے کہ وہ کاموں کے نفعوں کو جان لیتا ہے اور اُسکا ارادہ علم میں منحصر ہے
اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا کلام مرکب ہے حروف اور آواز سے اور حادث ہے
قدیم نہیں ہے اسی واسطے اُسکی ذات پاک کے ساتھ قائم ہونا تجویز نہیں کرتے
بلکہ کہتے ہیں جب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے تو اُسے کبھی لوح محفوظ میں پیدا کردیتا ہے
اور کبھی جبرئیل اور کبھی نبی میں اور اُنکے ہاں کلام نفسی اور لفظی کی تفریق نہیں اسلئے
قرآن کو مخلوق کہتے ہیں اور رویت الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رویت
کے لیئے شرائط درکار ہیں حاسہ کا سالم اور مرئی کا جسم دار وکثیف ورنگین ہونا نظر کے
سامنے آجانے سے اُسکی رویت کا ممکن ہونا اور رائی ومرئی میں مسافت کا متوسط
ہونا کہ نہ نہایت دور ہو نہ بہت نزدیک اور مقابلہ دونوں میں ہونا اور حجاب درمیان میں

نہ ہونا اور کہتے ہیں کہ رویت بدون مکان اور بدون جہت کے یعنے بغیران شرائط مذکورۂ بالا کے محال ہے اور اشیا میں حسن و قبح انکے نزدیک عقلی ہے جیسا کہ رائے ماتریدیہ کی ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ ماتریدیہ کے نزدیک حسن و قبح عقلی اسبات کو نہیں چاہتا کہ بندے کے لئے اُسمیں حکم آلہی صادر ہو۔ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ حسن و قبح عقلی ہی اللہ تعالے کیطرف سے حکم کا موجب ہے ۲ سلئے کہ اُسکے سوا کوئی اَور حاکم نہیں ہے اگر بالفرض نہ شرع ہوتی اور نہ رسول مبعوث ہوتے اور اللہ تعالے افعال ایجاد کرتا تب بھی یہ احکام اسی طرح واجب ہوتے جسطرح شرع نے اب واجب کئے ہیں اور معتزلہ کا قول ہے کہ بندہ خالق ہے اپنے افعال اختیاریہ کا۔ بعض افعال اُس سے بطریق مباشرت کے پیدا ہوتے ہیں اور بعض بطریق تولید کے۔ معنے تولید کے یہ ہیں کہ فاعل کے ایک فعل سے دوسرا فعل واجب ہوجائے جیسے انگلی کا ہلنا واجب کردیتا ہے چھلّے کے ہلنے کو اگرچہ اس دوسرے کا بندہ اصلاً قصد نہیں کرتا مگر موجد اُسکا بھی وہی ہوتا ہے ہاں اسقدر ہے کہ ایک اَور فعل کا توسط ضرور ہوتا ہے اور چونکہ ان کے نزدیک بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اسلئے جزا اُن افعال کا حقیقۃً خدا پر حق بندوں کا ہے اور امر خیر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے اور کفر و عصیان بندہ سے باختیار خود ہوتے ہیں۔ اور خدا کے ارادہ اور مشیت کو اس میں دخل نہیں بلکہ وہ ہر مخلوق سے ارادہ اسلام و طاعت کا کرتا ہے چنانچہ امر کرتا ہے اسلام و طاعت کا اور جس چیز کی کہ نہی کرتا ہے کفر و معصیت سے اُسکی نسبت ارادہ نہیں کرتا ہے اور اکثر معتزلہ کہتے ہیں کہ استطاعت یعنے قدرت فعل سے قبل ہوتی ہے۔ اور بعض معتزلہ مثل نجار اور محمد بن عیسیٰ اور ابن راوندی اور ابو عیسیٰ وراق وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہوتی ہے جو رائے اہل سنت کی ہے اور کہتے ہیں کہ مقتول کی موت قاتل کے قتل سے پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح مسموم کی موت زہر دینے والے کے فعل سے۔ پس موت بندے کے افعال میں سے ہے خدا کا فعل نہیں۔ اگر قاتل اُسے قتل نہ کرتا یا زہر دینے والا زہر نہ دیتا تو جو وقت موت کا اُسکی خدا تعالے نے مقدر کیا تھا اُسوقت تک جیتا

قاتل نے تقدیر الٰہی کو بدل ڈالا اسی لئے اُسکا یہ فعل شرعاً وعقلاً مذموم ہوتا ہے۔
اور کعبی کے نزدیک مقتول کے لئے دو اجل ہیں ایک قاتل دوسرے موت۔ اگر وہ
قاتل کے ہاتھ سے مارا نہ جاتا تو اپنے وعدہ تک یعنے موت کے وقت تک جیتا۔ اگر
عموماً معتزلہ اسکے قائل ہیں کہ مقتول اپنے وعدہ پر جو خدا نے اُسکے لئے مقرر کردیا
ہے نہیں مرتا ہے۔ فرق دونوں رایوں میں یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک تو قتل و موت
دونوں پر لفظ موت کا اطلاق درست ہے۔ اور کعبی کہتا ہے کہ قتل کو موت نہ کہنا چاہیے
موت وہی ہے جو اپنے وعدے سے مرے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے فعل کا نام موت ہے
اور بندے کے فعل کا نام قتل۔ اور معتزلہ کہتے ہیں حرام رزق نہیں کیونکہ رزق وہ مملوک
ہے جسکو مالک کھائے اور شارع نے اسمیں تصرف کرنے کا حکم بھی دیدیا ہو۔ اس صورت
میں شراب اور سور جو کسی مسلمان کے مملوک ہوں رزق نہیں ہوسکتے۔ اسلئے کہ شارع
نے اینیں تصرف کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس شخص
نے عمر بھر حرام چیز کھائی تو اُس نے رزق الٰہی نہیں کھایا وہ اپنے طور پر پیٹ پالتا
رہا۔ حالانکہ ہر جاندار کو اللہ ہی رزق پہونچاتا ہے اور ہدایت وضلالت انسان بطریق مباشرت
کے پیدا کرتا ہے۔ پھر کامیابی ہدایت وضلالت کی اس مباشرت سے بطریق تولید کے
پیدا ہوتی ہیں۔ خدا تعالےٰ کے پیدا کرنے کو ان میں دخل نہیں اور نہ اللہ تعالےٰ
کی مشیت کو اُن سے تعلق ہے۔ اور اصلح اور لطف اور ثواب وعذاب اور آلام کا
عوض یہ پانچ چیزیں حق تعالےٰ پر واجب ہیں ورنہ بخل لازم آتا ہے اسلئے کہ جب اُسکے
اختیار میں یہ ساری باتیں ہیں اور اُنکے واسطے کوئی مانع بھی نہیں ہے تو پھر اُنکا
ترک کرنا بخل کیونکر نہ ہوگا۔ اور یہ عیب ہے جس سے ذات باری منزہ ہے اور کفار و
فساق کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنا اور کبھی عذاب سے نجات نہ دینا بھی اُنکے واسطے آخرت
میں اصلح ہے اور اُن کے اعمال کو باطل کرنا اور اُنپر لعنت فرمانا یہ دنیا میں اُنکے لئے
اصلح ہے اور قبر کے عذاب وثواب اور سوال منکر ونکیر کے منکر ہیں۔ مگر صالحی کہتا
ہے کہ تعذیب وتنعیم بلا زندہ کرنے میت کے واقع ہوگی۔ اور ابو علی جبائی وغیرہ

بعض معتزلہ ان فرشتوں کا منکر و نکیر نام رکھنا ناپسند کرتے ہیں۔ بعضے معتزلہ کہتے ہیں میزان کا ہونا جائز ہے مگر ثبوت کے قائل نہیں۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ بات محال ہے اور کہتے ہیں کہ قرآن میں جو وزن اور میزان کا ذکر ہے اُسکا یہ مطلب ہے کہ پورا پورا انصاف کیا جائیگا ذرا فرق نہ ہوگا۔ اس بیان سے در اصل ترازو مراد نہیں کیونکہ اعمال اعراض ہیں اور اُنکا تل سکنا ممکن نہیں کیونکہ ہلکا بھاری ہونا جواہر کی شان سے ہے اور خدا تعالے اِن سب کا عالم بھی ہے تو پھر تولنے کا کیا فائدہ اور نیکی و بدی کے صحیفے ہاتھوں میں دینا بھی عبث ہے اور کراماً کاتبین کے بھی منکر ہیں۔ اور ابو الہذیل اور بشر بن معتمر پلصراط کے جواز کے قائل ہیں۔ مگر اُسکے وقوع کے منکر ہیں اور اکثر معتزلہ بالکل منکر ہیں جواز کے قائل نہیں۔ اور جبائی کے اقوال دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسبارے میں متردد ہے اور دوزخ و جنت اب موجود نہیں ہیں قیامت کو موجود ہونگے اور یہ کہتے ہیں کہ حقیقت ایمان میں تصدیق کے ساتھ اعمال بھی داخل ہیں۔ اسلئے اُنکے نزدیک مرتکب کبیرہ مومن نہیں ایمان سے خارج ہے مگر ایسے شخص کو کافر اسواسطے نہیں جانتے کہ صحابہ اور قضاۃ مرتکب کبیرہ پر زنا اور شراب خمر وغیرہ میں حد جاری کیا کرتے تھے۔ اور اپنے ملک سے بدر نہیں کرتے تھے اور نہ قتل کرتے تھے اور نہ قتل کراتے تھے۔ اور اُنکی لاشوں کو مسلمانوں کے مقابر میں دفن ہونے دیتے تھے حالانکہ کافر کے ساتھ ایسے معاملات بالاجماع ناجائز ہیں اور اسی کا نام اُنھوں نے منزلۃ بین المنزلتین رکھا ہے۔ منزلتین کفر و ایمان ہوئے اور درمیانی منزل فسق ہے۔ پس ایسا شخص فاسق ہے۔ اور شرک کا نہ بخشنا شرعاً و عقلاً ممتنع کہتے ہیں جیسا کہ ماتریدیہ کا مذہب ہے۔[1] اور کبیرہ بھی بغیر توبہ کے ان کے نزدیک بخشے جائینگے اور یہ لوگ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ میں مغفرت ذنوب کو توبہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ اور بعض معتزلہ کی یہ رائے ہے کہ جب بندہ کبائر سے اجتناب کرتا ہے تو اُسکے لئے عذاب ہونا جائز نہیں بلکہ وہ

---

[1] یعنے اللہ بخشتا ہے کمتر شرک سے جسکو چاہے۔"

واجب العفو ہے اور حق غیر صاحب الکبیرہ میں شفاعت جائز رکھتے ہیں انکا زعم یہ ہے
کہ شفاعت زیادتی ثواب کے لئے ہوگی نہ عذاب سے نجات پانے کے لئے اور
مرتکب کبیرہ اگر توبہ کئے بغیر مرجائیگا تو ہمیشہ دوزخ میں رہیگا اور انکی رائے یہ ہے
کہ ایمان باطن سے تعلق رکھتا ہے اور اسلام ظاہر سے۔ چنانچہ انکے نزدیک
فاسق مسلم ہے نہ مومن اور معتزلہ کہتے ہیں کہ عقل نہیں تجویز کرتی کہ انبیاء سے
عمداً کبائر سرزد ہوں۔ اور اہل سنت کے نزدیک یہ بات دلیل سمعی سے ثابت ہے
اور معتزلہ اور انبیاء میں سے کسی ایک کی فضیلت کے دوسرے پر قائل نہیں سب کو
برابر جانتے ہیں اور کرامات اولیا کا انکار کیا ہے۔ اسوجہ سے کہ اولیا سے خرق عادت
کے وقوع میں معجزہ کے ساتھ اشتباہ ہوگا۔ پھر اس صورت میں نبی اور غیر نبی میں
تمیز کرنا مشکل ہے۔ مگر ابو الحسن بصری معتزلی اور اُسکا شاگرد محمود خوارزمی کرامات
اولیا کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک مجتہد کی رائے میں کبھی غلطی نہیں ہوتی۔
جیسا کہ عامہ متکلمین اشاعرہ کی رائے ہے اور انکا عموماً یہ قول ہے کہ ملائکہ علوی افضل ہیں
انبیاء سے اور انکے نزدیک عبادت کا ثواب سوائے فاعل کے غیر کو نہیں پہونچتا خواہ عبادت
مالی ہو یا بدنی خواہ مرکب ہو مال اور بدن سے۔ کیونکہ قضا و قدر نہیں بدل سکتے پس
دعا لغو ہے۔ کچھ اُس سے فایدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ جس بات کی دعا کیجاتی ہے
اگر وہ مقدر کے مطابق ہے تو اسکی خواستگاری فعل عبث ہے اور اگر مخالف ہوگی
تو اسکا موجود ہونا ناممکن ہے۔ اسی سبب سے انکے مردے استغفار اور صدقات
کہ نجات کا بڑا وسیلہ ہے محروم رہتے ہیں اور سارے معتزلہ سوائے کعبی اور ابو الہذیل
اور ابو الحسین بصری کے یہ کہتے ہیں کہ معدوم بھی ایک شے ہے اور عالم واقع
میں ثابت ہے مگر اسی قدر ہے کہ اسکو وجود نہیں ملا ہے اگر وجود ملجائے تو وہ موجود
ہوجاتی ہے۔ اس مرتبہ کو انکی اصطلاح میں ثبوت اور تقرر کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اور
دلیل انکی یہ ہے کہ ممکن اپنے وجود کے قبل یا تو واجب ہوگا یا ممتنع اور ان دونوں
صورتوں میں وجود کے وقت انقلاب لازم آتا ہے۔ پس یہ غلط ہے تو یہی نا

کہ ممکن اپنے وجود سے پیشتر بھی ممکن ہوگا۔ اور امکان ایک ایسی صفت ہے جسکے لئے موصوف کا ہونا ضرور ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ وہ ثابت ہے یا موجود۔ اگر موجود ہوگا تو پھر وجود اسکو حاصل ہونا تحصیل حاصل ہے اسلیئے یہ باطل ہے تو باقی یہ رہا کہ وہ ثابت ہوگا یہی مدعا ہے یعنے ممکن اپنے عدم کے وقت میں ثابت ہے اور موجود نہیں ہے اور منشار اس قول کا یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک وجود میں اور ماہیت میں فرق ہے کبھی ماہیت ہوتی ہے اور اسکو وجود عارض نہیں ہوتا یہی مرتبہ تقرر کا ہے۔ اسی کو معدوم ثابت کہتے ہیں مگر موجود نہیں کہہ سکتے موجود جب کہیں گے کہ اسکو وجود ملجائے اور اس قسم کے معدوم میں ممکن کی قید اسواسطے لگا دیتے ہیں کہ جو معدوم ایسا نہ ہو بلکہ ممتنع ہو اسکو تقرر کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا وہ بالاتفاق کچھ چیز نہیں اور صوفیہ بھی اعیان ثابتہ کے عالم کی پیدائش سے قبل قائل ہیں اور اشاعرہ ماتریدیہ وحنابلہ کہتے ہیں کہ معدوم کچھ بھی نہیں ممتنع ہو یا ممکن کیونکہ انکے نزدیک وجود اور نفس حقیقت یا ماہیت میں ذرا فرق نہیں ہے پس جب وجود نہ ہوگا تو ماہیت بھی نہ ہوگی۔ اور یہ بات نامعقول ہے کہ ایک چیز سے عالم عدم میں وجود منفک ہو اور پھر اسکو کسی قسم کا ثبوت ہو۔ اگر اسکو عالم عدم میں ثبوت حاصل ہوگا تو وہ ایک ہی وقت میں موجود بھی ہوگی اور معدوم بھی ہوگی اور یہ بالکل خلاف قیاس ہے اسلیئے کہ وجود کا کوئی اور معنے ہی نہیں سوائے ثبوت اور تحقیق اور تقرر کے معدوم ہے بھی کہنا اور اُسکے واسطے ثبوت بھی ڈھونڈھنا جو بلاشبہ حرکات وسکنات کو چاہتا بالکل سفسطہ ہے اور معدوم ثابت کے ابطال کی بڑی ضرورت اسلیئے ہے کہ اہلسنت اسبات کے مقر ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اور معدومات کے ثبوت کی صورت میں یہ جائز ہو جائیگا کہ بعض معدومات ثابت سے تو قدرت کو تعلق حاصل ہووے اور بعض کے ساتھہ کسی خصوصیت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ علے العموم معدومات ثابت مقدوریت کے دائرہ سے نکل جائینگے اسلیئے کہ جس کو عدم میں ثبوت حاصل ہوگا وہ ازلی ہوگا پس قدرت الٰہی انکی ذات کے ساتھہ کسطرح متعلق

ہوسکتی ہے پھر اگر قدرت کا تعلق ان سے مانا جائیگا تو اس قدر کہ وجود اس نے عطا کیا تو خدائے تعالے ممکنات کا خالق اصلی اور موجد نہیں بن سکتا اور نہ اسکو کسی چیز کے ایجاد پر قدرت ہوسکتی ہے اور یہ کفر صریح ہے۔ ابن حزم نے ملل ونحل میں کہا ہے۔ معتزلہ کا عمدہ کلام وعد اور وعید اور قدر میں ہے۔ پس جو کوئی یہ کہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے اور قدر کو ثابت کرے یعنے یہ کہے کہ بندے کے افعال اختیاری اللہ کی قضا و قدر سے ہیں اور آخرت میں اللہ کے دیدار ہونے کا اقرار کرتا ہو اور جو صفات الٰہی کہ قرآن و حدیث میں مذکور ہیں انہیں ثابت کرے اور صاحب گناہ کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج نہ کرے وہ معتزلی نہیں اگرچہ تمام عقائد میں معتزلہ کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔ یہ بیان مجتمعاً معتزلہ کے عقاید کا ہے بعض بعض باتوں میں انہیں آپس میں اختلاف ہے اسلئے بہت سے فرقے ہوگئے ہیں کہ انمیں سے ایک دوسرے کی تکفیر کرتا ہے

اول واصلیہ اصحاب ابی حذیفہ واصل بن عطا۔ اسکے فرقہ کو حسنیہ بھی کہتے ہیں اور یہ نسبت حسن بصری کی طرف ہے کیونکہ واصل انکے شاگردوں میں سے ہے۔ اسکا اعتزال چار قواعد پر مبنی کہا تا ہے ایک نفی صفات الٰہی دوسرے قول بقدر یعنے بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا آپ خالق ہے تیسرے مرتکب کبیرہ درمیان منزل کفر و ایمان کے ہے چوتھے مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں پڑا رہیگا۔ ایک قول اسکا یہ بھی ہے کہ اصحاب جمل و صفین اور قاتلان عثمان اور حمایتداران عثمان میں سے ایک گروہ غیر معین مخطی ہے پس حضرت علیؓ اور طلحہ اور زبیر میں جنگ جمل کے بعد اہلیت شہادت کی نہیں رہی تھی انکا قول متروک ہے حضرت عثمان کا حال مرتکب کبیرہ کا سا ہونا جائز بتاتا تھا۔ اور واصل حضرت علیؓ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا تھا اگرچہ قائل امامت شیخین کا تھا یہ شخص ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا تھا اور ۱۳۱ھ میں مر گیا۔

دوم عمریہ اصحاب عمرو بن عبید جو شاگرد واصل بن عطا کا تھا اس کا مذہب بھی مثل واصلیہ کے ہے مگر اس مسئلہ میں متفرد ہوا کہ اصحاب جمل و صفین اور جو لوگ حضرت عثمان کے جھگڑے میں شریک رہے ہیں وہ تمام فاسق ہیں۔ اور مسئلہ

تقدیر میں قدریہ کے مطابق ہے۔ اکثر بہت بڑا ہوا ہے۔ یہ عمرو مصاحب و عناد تھا یزید ناقص بن ولید بن عبدالملک بن مروان کے تہا۔ ایام حکومت بنی امیہ میں۔ پھر جب منصور خلیفہ عباسی والی ہوا تو اسکی امامت کا قایل ہو گیا۔ سمعانی نے کتاب انساب میں کہا ہے کہ جبکہ یہ اختلاف ہوا کہ خوارج تو مرتکب کبیرہ کو کافر کہنے لگے اور ایک جماعت نے کہا کہ اگرچہ انہوں نے فسق کیا ہے مگر مومن ہیں تو واصل نے دونوں گروہ سے اختلاف کیا اور کہا کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر تو حسن نے اپنی مجلس سے اُسے بند کر دیا اور واصل نے بھی انہیں چھوڑ دیا اور عمرو بن عبید واصل کی صحبت میں شریک ہو گیا اسلیے یہ دونوں اور انکے متبع معتزلہ کہلانے لگے۔

سوم ہذیلیہ

یہ اتباع ابو ہذیل حمدان بن ہذیل علاف شیخ المعتزلہ ہیں اس نے عثمان بن خالد طویل شاگرد واصل بن عطا سے علم حاصل کیا تہا اور استطاعت کو ایک عرض منجملہ اعراض کے بتاتا تہا اور کہتا تہا کہ استطاعت صحت و سلامتی کا نام نہیں ہے اور کہتا تہا کہ افعال دل اور افعال اعضا میں فرق ہے اور اسکا زعم یہ تہا کہ بندے کے افعال دل اسکی قدرت کے بدون سرزد نہیں ہو سکتے اور استطاعت حالت فعل میں قدرت کے ساتھ ہوا کرتی ہے اور افعال اعضا کو بندے کی قدرت کے بدون بھی جایز بتاتا تہا اور کہتا تہا کہ فعل اعضا سے قدرت مقدم ہوتی ہے۔ اور کعبی نے ابی ہذیل سے نقل کی ہے کہ اسکا اعتقاد یہ تہا کہ اللہ تعالے کا ارادہ اسکی مراد سے غیر ہے اور دلیل اسپر یہ ہے کہ ارادہ اسکا شے کا پیدا کرنا ہے اور شے کے پیدا کرنے اور نفس شے میں فرق ہے اور کہتا تہا اللہ تعالے کو جو سمیع اور بصیر کہتے ہیں اسکے یہ معنے ہیں کہ وہ زمانہ آیندہ میں سنے اور دیکھے گا۔ اسی طرح لفظ غفور اور رحیم اور محسن اور خالق اور رازق اور آمر اور ناہی وغیرہ کے معانی بیان کرتا تہا۔ کہتا تہا کہ ساری طاعات کیا فرائض اور کیا نوافل ایمان میں اور کہتا تہا کہ باریتعالی عالم بعلم ہے اور اسکا علم بھی اسکی ذات ہے۔ قادر بقدرت ہے۔ اسکی قدرت بھی اسکی ذات ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ عقیدہ اس نے اقوال فلاسفہ سے اخذ کیا تہا جنکا قول یہ ہے کہ ذات

بیچون تمام جہتوں سے واحد ہے اور کسی طرح کثرت کو اُسمیں راہ نہیں اور صفات الٰہی سوائے ذات الٰہی کے کوئی دوسری چیز نہیں جو اُسکے ساتھہ قائم ہوں۔ جتنے صفات اُسکے واسطے ثابت ہوں وہ یا تو سلوب ہیں یا لوازم ہیں۔ سلوب اُن چیزوں کو کہتے ہیں کہ نسبت سلب کے بدون باریتعالےٰ کی صفت نہیں پڑسکتیں۔ جیسے جسم اور جوہر اور عرض کہ اللہ تعالیٰ کو تنہا انکے ساتھہ موصوف نہیں کرسکتے۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالےٰ جسم ہے یا جوہر ہے۔ یا عرض ہے۔ جب سلب کو ان سے لگاؤ ہوجاتا ہے اور اسکی علامت یعنے حرف نفی لے آتے ہیں تو اُسوقت یہ اللہ تعالیٰ کی صفت واقع ہوسکتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جوہر ہے نہ عرض ہے اور لوازم سے مراد یہ ہے کہ واجب الوجود کا وجود عین ماہیت ہے اور اُسکی وحدت حقیقی ہے۔ فرق مذہب ابوہذیل اور فلاسفہ میں یہ ہے کہ فلاسفہ تمام صفات الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور ابوہذیل ایسی صفات ثابت کرتا ہے جو اسکی ذات کی عین ہیں یا ایسی ذات ثابت کرتا ہے جو صفات کی عین ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں بتاتا ایک ہی کہتا ہے۔ اور ابوہذیل نے اللہ تعالیٰ کو ایک ایسے ارادہ حادث کا مرید ٹھہرایا ہے جسکے لئے کوئی محل نہیں ہے۔ اور اپنے زعم میں اللہ تعالےٰ کو اس ارادے کے ساتھہ متصف جانتا تھا اور یہ قول پہلے اُسی نے نکالا ہے پھر جو قائل اسبات کا ہوا ہے اُسے اس عقیدہ مخصوص میں ابوہذیل کا متبع سمجھنا چاہئے۔ اور ابوہذیل نے کہا کہ بعض کلام الٰہی کے لئے محل نہیں ہے جیسے قول کُنْ (ہو) اور بعض کے واسطے محل ہے جیسے امر ونہی اور خبر۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جب ایجاد ممکنات لفظ کُنْ سے ہوئی ہے تو اُسکے واسطے محل کہاں سے نکلیگا۔ پس اُسکے عقیدے کی رُو سے امر تکوین اور امر تکلیف میں فرق ہے یعنے اللہ تعالےٰ کا کسی معدوم کو یہ حکم دینا کہ موجود ہوجا یہ جدا ہے اور بندوں کو کسی کام کے کرنے کا حکم دینا یا کسی کام کے کرنے سے منع فرمانا یہ علیحدہ ہے۔ پہلی مثال امر تکوین کی ہے اور دوسری امر تکلیف کی اور حاصل کلام یہ ہے کہ ابوہذیل کے نزدیک کلام الٰہی عرض ہے اور

پھر اسکی دو قسمیں ہیں (۱) بعض عوض بے محل بھی قائم ہو سکتا ہے (۲) بعض عوض ایسا ہے کہ وہ محل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ پہلی صورت کی مثال لفظ کُن رہوا ہے کہ وہ کسی موجود ممکن کے ساتھ قائم نہیں ہوتا اسلئے کہ ساری ممکنات کا حدوث اُسی کلمہ کی بدولت ہوا ہے تو یہ اپنے وجود میں کل مخلوقات کے مقدم ہوگا۔ اور دوسری قسم کی مثال امر و نہی ہیں کہ مکلفین کے ساتھ قائم ہوتے ہیں کہ یہی اُسکی محل ہیں[له]۔ ابو ہذیل نے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے مقدورات منتہی ہیں اب وہ نہ کسی شے کی احداث پر اور نہ کسی شے کے فنا پر قدرت رکھتا ہے نہ کسی کے مارنے پر نہ کسی کے جلانے پر۔ اہل جنت و دوزخ کے حرکات منقطع ہو کر سکون دائمی ہو جائیگا اور اس سکون میں لذات اہل جنت کے لئے اور آلام اہل دوزخ کے لئے جمع ہو جائینگے چونکہ یہی مذہب جہم ابن صفوان کا بھی ہے کہ جنت و دوزخ فنا ہو جائے گی اسلئے معتزلہ ابو ہذیل کو جہمی الآخرت کہا کرتے تھے اور ابو ہذیل کہتا تھا کہ اگر مرد مقتول قتل نہ کیا جاتا تو بھی اُسی وقت پر مر جاتا علم نہ بڑھتے نہ گھٹتے اور غائب بات پر حجت قائم نہیں ہوتی مگر جبکہ بیس شخص خبر دیں۔ ابو ہذیل میں اور ہشام بن حکم میں احکام تشبیہ کے بارے میں مناظرات ہوئے ہیں۔

چہارم نظامیہ یہ لوگ ابراہیم بن سیار نظام (بہ تشدید ظائے معجمہ) کے پیرو ہیں جو ایام معتصم خلیفہ عباسی کے عہد میں تھا اس نے فلسفے میں خوب نظر کی تھی۔ اور فلاسفہ کی بہت سی باتوں کو معتزلہ کی کلام میں ملا دیا تھا چند مسائل

له شرح مواقف میں لکھا ہے کہ فرقہ ہذیلیہ کہتا ہے بعض کلامہ تعالیٰ لا فی محل وھو کل و بعضہ فی محل کالامر والنہی والاستخبار اس قول محل کی تفصیل جو ہم نے بیان کی اُسکے سمجھ لینے کے بعد تم کو معلوم ہو جائیگا کہ نواب صدیق حسن خان صاحب کا کشف الغمہ عن فرق الامۃ میں یوں ترجمہ کرنا (اور کہا بعض کلام اللہ کا بے محل ہے جیسے قول کُن اور بعض بر محل ہے جیسے امر و نہی) بالکل غلط ہے۔ اصل مطلب کے سمجھنے سے اُنکی بے خبری ظاہر ہوتی ہے بے محل اور بر محل کا موقع استعمال علیحدہ ہے ۱۲

میں متفرد ہوا مثلاً کہتا تھا اللہ کو برائیوں پر قدرت نہیں ہے اسکی قدرت کے سلب ہو جانے کے بعد یہ واقع ہوتی ہیں۔ آخرت میں اہل جنت و دوزخ کے لئے ثواب و عذاب میں کمی بیشی کر دینا اللہ کی قدرت میں نہیں ہے اور اللہ کے ارادہ کی اسطرح تفصیل کی تھی کہ اسکا ارادہ اپنے کاموں کے لئے یہ ہے۔ کہ وہ انکو اپنے علم کے موافق پیدا کرتا ہے۔ اور بندوں کے افعال کے لئے ارادہ آلہی یہ ہے کہ وہ ان کو انکے کاموں کے کرنیکے لیئے حکم دیتا ہے اسکے سوا اللہ کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اور کہتا تھا روح ہی انسان ہے رہا بدن سو فقط ایک آلہ ہے اور روح ایک جسم لطیف ہے بدن میں اسطرح ساری ہے جس طرح گلاب گل میں اور تیل تل میں اور گھی دودھ میں اور جو کام قدرت سے باہر ہے وہ اللہ کیطرف سے ہے اور اسی کا فعل ہے۔ شمس بازغہ میں مقالۂ ثانی کے پہلے فصل میں مذکور ہے کہ جب نظام معتزلی متکلم کو ابطال جزو لایتجزی کے دلایل معلوم ہوئے اور کوئی شبہ پیدا نہ کر سکا تو ان دلایل کو اسنے مانا پھر اسنے اس بات کا اقرار کیا کہ جسم اسبات کے قابل ہے کہ جتنا چاہیں اسے تقسیم کر سکیں کسی حد پر اسکی تقسیم رک نہیں سکتی مگر اس نے اسمیں تفریق نہ کی جو شئے میں بالفعل موجود ہوتا ہے اور جو بالقوۃ موجود ہوتا ہے اسلئے یہ خیال کر لیا کہ جبکہ جسم میں انقسامات نامتناہی ممکن ہیں تو وہ سب بالفعل حاصل ہیں کیونکہ جو انقسام ممکن ہوتا ہے وہ بالفعل ہوتا ہے اور یہی رائے سارے متکلمین کی ہے کہ تقسیم ان اجزا کی ہوتی ہے جو بالفعل موجود ہوں لیس نظام کے نزدیک جسم ایسے اجزا سے بنا ہے جو بالفعل غیر متناہی ہیں اور اس رائے پر یہ لازم آیا کہ جسم میں اجزاء لایتجزی نامتناہی ہیں۔ باوجودیکہ نظام نے بظاہر متکلمین سے جو ہیولے کے منکر ہیں اس رائے میں اختلاف کیا تھا کہ جسم مفرد اجزاء لایتجزی سے بنا ہے۔ اور محقق طوسی کی شرح اشارات کے نمط اول میں جو جوہریت اجسام کے بیان میں ہے مذکور ہے کہ نظام کے اس قول سے کہ جسم بے انتہا یا تقسیم ہو سکتا ہے دو مقدمے پیدا ہوتے ہیں (۱) جسم میں اشیاء غیر منقسم موجود نہیں (۲) جو چیز ایسی ہو کہ جسم میں موجود ہو اور منقسم نہ ہو وہ قسمت قبول نہیں کرتی نتیجہ ان دونوں مقدموں سے یہ نکلا کہ جسم شامل ہے ایسی چیزوں کو

جو قسمت قبول نہیں کرتیں اور یہی جزو لا یتجزی کا مطلب ہے فرق اُن متکلمین میں جو اجزاے لا یتجزی کے منکر ہیں اور نظام میں اسقدر ہے کہ اُنکے نزدیک جسم اجزاے لا یتجزی متناہی سے مرکب ہے اور نظام کی راے کے موافق غیر متناہی سے۔ اور وہ لوگ صریحاً اسبات کے قایل ہیں کہ جسم اجزائے لا یتجزی سے بنا ہے اور نظام نے اسکا اقرار تو نہیں کیا مگر اُسکے قول سے جسم کا اجزاے لا یتجزی سے مولف ہونا لازم آگیا۔ صدرا کی فصل ابطال جزو لا یتجزی میں مذکور ہے کہ جب اُن لوگوں نے جنکے نزدیک اجزاے لا یتجزی متناہی ہیں اصحاب نظام پر مناظرہ میں یہ اعتراض کیا کہ تمہارے قول سے یہ لازم آتا ہے کہ کسی محدود مسافت کو متناہی زمانہ کے بغیر قطع نہ کرسکیں کیونکہ حرکت کے وقت جسم کے ہر جزو کے لیئے ضرور ہے کہ وہ اپنے حیز سے نکلکر دوسری حیز میں داخل ہو اور جب جسم کا ایک جزو ایک حیز کو چھوڑکر دوسری حیز میں جائے تو دوسرا جزو اس حیز میں آئے اسی طرح تمام اجزا اپنے اپنے حیز کو بدلیں اور جب جسم میں اجزا غیر متناہی ہونگے تو مسافت بھی غیر متناہی زمانہ میں طے ہو سکے گی۔ تو اصحاب نظام نے اس اعتراض کے جواب میں کہا کہ متحرک طفرہ[1] کرتا ہے۔ طفرہ اسے کہتے ہیں کہ متحرک ایک جز مسافت سے

[1] طفرہ یعنے جستہ جستہ راہ رفتن است از ترجمہ ملل و نحل مولفہ مصطفٰے بن خالق داد ہاشمی عباسی۔ اور جنتہ الالوان میں جو نواب صدیق حسن خان مرحوم نے نظام کی نسبت لکھا ہے "احدث القول بالطفرۃ" یعنے نظام نے طفرہ کا قول نکالا ہے صحیح نہیں اسلیئے کہ شیخ الرئیس نے شفا میں تصریح کردی ہے کہ انیغورس جو حکماے متقدمین یونان میں سے ہے اور اسکا بھی یہی طریق تھا جو نظام نے اختیار کیا ہے۔ یہ شخص بھی اعتراض سے بچنے کے لیئے طفرہ کا قائل ہوا تھا۔ وہ عبارت شفا کی یہ ہے "ولما ضیق اصحاب الجزء علی ہؤلاء و الجاہم الی مسئلۃ النملۃ والذرۃ والسلحفاۃ و اخوتہ التجاء والی ما التجاء انیغورس فقالوا بالطفرۃ" یعنے جبکہ ان لوگوں نے جو کہتے ہیں کہ جسم مؤلف ہے اجزاے لا یتجزی متناہی سے اُن لوگوں پر اعتراض کیا جو کہتے ہیں کہ جسم منقسم میں انقسامات نا متناہی جاری ہو سکتے ہیں اور کہا کہ تمہارے مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ چیونٹی ایک جگہ پر پہنچے تو اُسکی مسافت کو قطع نہ کرسکے اور سانپ باوجود تیز روئی کے کچھوے تک نہ پہونچ سکے تو انہوں نے اُس چیز کی طرف پناہ پکڑی جس کی طرف انیغورس نے پناہ پکڑی تھی اور طفرہ کے قائل ہوئے ۔ ۱۲

دوسری جزو مسافت کو اسطرح طے کرے کہ ان دونوں جزوں کے درمیان میں بہت سے اجزاے نامتناہی بھی طے ہو جائیں۔ اور امام فخرالدین رازی جلد اول تفسیر کبیر میں کہتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ نظام کے نزدیک آواز جسم ہے یہ تحقیق کے خلاف ہے۔ اسلئے کہ نظام اذکیاء الناس میں سے تھا اُسکی شان سے بعید ہے کہ وہ آواز کی نسبت کہے کہ وہ جسم ہے چونکہ اُس نے کہا ہے کہ آواز کے پیدا ہونے کا سبب ہوا کا تموج ہے جہال نے خیال کر لیا کہ نظام کی مراد یہ ہے کہ آواز عین ہوا ہے۔ اور نظام جواہر کو اعراض مجتمعہ سے مؤلف بتاتا تھا۔ کبھی کہتا کہ رنگ و مزہ اور بو وغیرہ سب عرض اجسام ہیں اور علم مثل جہل[۵] مرکب کے

۵ یہ فلاسفہ کی تقلید ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ قوت عاقلہ میں کسی شے کے مفہوم کے حاصل ہونیکا نام علم و جہل ہے کبھی یہ مفہوم انکشاف اور ادراک کا موجب ہوتا ہے یا نہیں تو دونوں شریک ہیں پھر فرق اور امتیاز علم و جہل میں ایک خارجی امر سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ علم میں وہ مفہوم جسے موجود ذہنی اور صورت بھی کہتے ہیں اپنی اصل کے جسے ذی صورت بھی کہا کرتے ہیں مطابق ہوتا ہے اور جہل میں مطابقت نہیں ہوتی۔ یاد رکھو کہ حقیقت شے کا وجود خارج میں عین اور ذہن میں صورت کہلاتا ہے اور وجود خارجی کا وجود اصلی اور عینی بھی نام ہے اور وجود ذہنی کا نام وجود ظلی اور غیر اصلی بھی ہے اشیا کے جسقدر لوازم و آثار مترتب ہوتے ہیں وہ سب وجود خارجی پر مترتب ہوتے ہیں۔ مثلاً آگ جو جلاتی اور روشنی پیدا کرتی ہے اسکے ان سب آثار کا منشا یہی وجود خارجی ہے اور صورت کی وجہ سے ذہن میں شے کو امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ سارے متکلمین سوائے امام فخرالدین رازی اور اُنکے متبعین کے وجود ذہنی کے منکر ہیں اسلئے کہ اگر وجود ذہنی کی کچھ اصل ہو تو جب گرمی یا سردی کا خیال ذہن میں کریں تو چاہیے کہ ذہن گرم یا سرد ہو جائے خلاصہ یہ ہے کہ جہل مرکب علم کی مثل ہے اسلئے کہ اگرچہ اسمیں بھی پورا پورا اعتقاد اور یقین حاصل ہوتا ہے مگر وہ واقعہ کے خلاف ہوتا ہے بخلاف اس یقین کے جو علم میں ہوتا ہے کہ وہ واقع کے مطابق ہوتا ہے اور جہل مرکب یا تو کسی شبہ کی وجہ سے طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے یا کسی کی تقلید سے جم جاتا ہے اور ایسے اعتقاد کو جہل مرکب اسلئے کہتے ہیں کہ یہاں دو جہل اکٹھے ہیں۔ ایک تو یہ کہ شے کی جو حالت اصلی ہے اُسکے خلاف جانتا ہے اور حقیقت واقعی سے واقف نہیں ہوتا دوسرا اسبات کا بھی اعتقاد ہوتا ہے کہ جسقدر علم اس شے کا مجھکو ہے وہ صحیح ہے اور اس شے کی حالت اصلی اور امر واقعی کو میں جانتا ہوں بنفس الامر کے خلاف جاننا ایک جہل ہے اور پھر اعتقاد اسبات کا رکھنا کہ میں واقع کے مطابق جانتا ہوں دوسرا جہل ہے۔

ہے اور ایمان مثل کفر کے۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ اللہ نے ساری موجودات کو یکبارگی اسی حالت پر پیدا کیا ہے جس پر وہ موجود ہے۔ تقدیم و تاخیر ایجاد میں نہیں ہوئی ہے اس طرح کہ آدم علیہ السلام اپنی اولاد سے پہلے پیدا ہوئے اور اولاد اُن سے پیچھے۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ اللہ نے بعض موجودات کو بعض میں چھپا رکھا تھا۔ سو تقدم و تاخر کمون و ظہور میں واقع ہوا ہے۔ قرآن کا اعجاز فقط اس راہ سے کہ غیب کی خبر دی ہے اور نظم قرآن معجز نہیں ہے۔ اللہ نے نہیں چاہا کہ عرب اُسکے جواب کا اہتمام کرسکیں۔ ورنہ اُن لوگوں کے امکان میں تھا کہ اُسکی عبارت سے اچھی عبارت تیار کر لیتے۔ بلکہ قرآن اس وجہ سے معجز ہے کہ اُسمیں غیب کی خبریں دی ہیں۔ زمانہ گذشتہ اور آئندہ کے معاملات کو بیان کیا ہے۔ اجماع اور قیاس کے حجت ہونے کا منکر تھا۔ تواتر کو محتمل الکذب جانتا تھا۔ مسئلہ قدر میں بڑا مبالغہ رکھتا تھا۔ کہتا تھا اللہ کو بندے کے افعال اختیاری میں کوئی مداخلت نہیں ہے وہ آپ مختار ہے اور رفض کیطرف مائل ہوگیا تھا۔ صحابہ میں طعن کرتا تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو اکذب الناس بتاتا تھا (نعوذ باللہ) کہتا تھا کہ فاطمہ دختر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مار پڑی وہ میراث عترت سے منع کیگئیں۔ اور اُسکا قول یہ تھا کہ امام کے لئے نص واجب ہے۔ اور نبی کی طرف سے حضرت علی کے حق میں نص ثابت ہے مگر حضرت عمر نے اُسے چھپایا۔ اللہ کی معرفت کو قبل ورود شرع کے واجب ٹھیراتا تھا۔ اور یہی مذہب ابوہذیل علاف کا ہے۔ اور کنیزان دار الحرب کے ساتھ نکاح کرنے کو حرام کہتا تھا۔ نماز تراویح کو ناجائز بتاتا تھا۔ میقات[1] حج سے منع کرتا تھا۔ معجزہ شق القمر کو جھوٹ جانتا تھا۔ رویت جن کو محال جانتا تھا اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ اُسقدر مال کی چوری سے جسکی مقدار[2] پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی ہو کوئی فاسق نہیں ہوتا ہے

---

[1] میقات وہ جگہ جہاں احرام حج باندھا کرتے ہیں اور وہ پانچ مقام ہیں ذوالحلیفہ۔ ذات عرق جحفہ۔ قرن۔ یلملم۔ [2] نصاب زکوٰۃ سونیکی ۲۰ مثقال یعنے ½ ۷ تولہ وزن دہلی اور نصاب چاندی کی ۲۰۰ درم یعنے ۱۴۰ مثقال یعنے ½ ۵۲ تولہ جسکے ¾ ۵۴ روپیہ بحساب فی روپیہ ½ ۱۱ ماشہ اور ۵۶ روپیہ بحساب ¼ ۱۱ [illegible] ¼ ۵۴ روپیہ ۲ آنہ ۲ پائی تقریباً بحساب ½ ۱۱ ماشہ

پس اگر کوئی شخص ایک سونناونویں درم چاندی یا اُنیس مثقال سونیا چار اونٹ یا ۳۹ عدد بھیڑ بکری یا ۲۹ عدد گائے بھینس چرالے تو وہ فاسق[1] نہ ہوگا۔ اور نظام کے نزدیک طلاق کنایہ سے واقع نہیں ہوتی اگرچہ جی میں نیت طلاق ہی کیوں نہ ہو۔ اور کہتا تھا اگر لیٹنے سے سوگیا تو وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ حدث[3] نہ ہو۔ نماز فائیت کو قضا لازم نہیں بتاتا تھا محمد بن شبیب اور ابوشمر اور یونس بن عمران اور مفضل حدلی اور احمد بن حایط کے اصحاب تھے۔

پنجم اسواریہ ابوعلی عمر بن قائد اسواری کے پیرو ہیں۔ یہ سب باتوں میں نظامیہ کے موافق ہوگئے ہیں مگر ایک بات میں منفرد ہیں کہ جس امر کو اللہ جانتا ہے کہ نہ کریگا اُسکے کرنے پر قدرت نہیں رکھتا ہے اور انسان اُسکے کرنے پر قادر ہے۔

ششم اسکافیہ ابوجعفر محمد بن عبداللہ اسکافی کے متبع ہیں یہ شخص بھی ساری بدعات میں نظام کے موافق تھا۔ مگر اس بات کا قائل تھا کہ اللہ کو ظلم عقلا پر قدرت نہیں ہے، ظلم اطفال و مجانین پر قدرت ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵ رتی زیادہ یعنے ۱۰ ماشہ ۳ رتی کم ہے۔ سونے چاندی کے سکوں اور مال پر اور اسباب تجارت پر جسکی قیمت نصاب کو پہونچی ہے چالیسواں حصہ لازم ہے اور نصاب بھیڑ بکری کی چالیس ہے اور چالیس پر زکوۃ ایک عدد ہے نر ہو یا مادہ اور نصاب اونٹوں کی پانچ ہیں۔ پس پانچ سے پچیس تک ایک بکری لیجاتی ہے اور گائے بھینس کے نصاب تیس عدد ہیں اس نصاب میں پورے برس روز کا بچہ گائے یا بھینس کا واجب ہے۔ کذا فی غایۃ الاوطار ۱۲

[1] نواب صدیق حسن خان نے خبیئۃ الاکوان میں لکھا ہے "وزعم ان من سرق مائتی دینار فمادونہا لم یفسق" اور کشف الغمہ عن افتراق الامۃ میں لکھا ہے۔ یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ دوسو دینار یا اس سے کم کی چوری سے کوئی فاسق نہیں ہوتا ہے۔ یہ اُنکی غلطی ہے۔ نظام کے نزدیک بیاچور ضرور فاسق تھا کیونکہ دوسو دینار تو رقم ہے اس سے کم پر بھی زکوۃ واجب ہے اور جس قدر پر زکوۃ واجب ہے اُسکا چور اُسکے نزدیک فاسق ہے انہی رسالوں پر نواب صاحب کو فخر و مباہات تھی ۱۲

[2] عورت کے نکاح سے باہر کرنیکو طلاق کہتے ہیں اور کنایہ ایسے لفظ کو کہتے ہیں جو طلاق میں مستعمل ہے مگر صریح لفظ طلاق نہیں ۱۲

[3] حدث بفتح اول و دوم وضو ٹوٹنا۔ بے وضو ہونا ۱۲

ہفتم جعفریہ یہ فرقہ جعفر بن جعفر بن مبشر یا جعفر بن حرب بن مبشر کی طرف منسوب ہے[1]۔ نظامیہ کے موافق ہیں اور اسباب کے قائل ہیں کہ اس امت کے فساق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہود و نصاریٰ و مجوس سے بھی بدتر ہیں۔ شراب پینے والے سے حد کو ساقط بتاتے ہیں اور کہتے ہیں اس باب میں اجماع امت خطا ہے اسلئے کہ معتبر حد کے باب میں نص ہے۔ انکا یہ اعتقاد تھا کہ گناہان صغیرہ فاعل کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کے موجب ہیں اور ایک حبہ کا سارق بھی فاسق ہے ایمان اسکا جاتا رہتا ہے اگر کوئی مرد کسی مرد کے ہاتھ کسی عورت کے پاس نکاح کا پیغام بھیجکر اس سے بیاہ کرنا چاہے پھر وہ عورت اسکے پاس آئے اور یہ اُس سے صحبت کرے بغیر عقد کے تو اسپر کچھ حد نہیں آتی۔ یہ صحبت اُس عورت کے ساتھ طلاق ٹھہرے گی۔

ہشتم بشریہ بشر بن معتمر کے پیرو ہیں۔ اسکا یہ قول تھا کہ جسم میں اعراض جیسے طعم و لون و رائحہ اور سارے اور اکات جیسے سمع و بصر وغیرہ جائز ہے کہ بطور تولد حاصل ہوں غیر کے فعل سے جسطرح سے کہ ان اعراض کے اسباب غیر کے فعل سے واقع ہوتے ہیں۔ اور تولید کا قول معتزلہ میں اسی سے پھیلا ہے اور کہتا تھا کہ قدرت و استطاعت سلامت بدن و اعضا کا نام ہے اور اسمیں افراط کرتا تھا۔ اور فلاسفہ طبیعیین کی طرف میل رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ تعالےٰ تعذیب اطفال پر قادر ہے لیکن جبکہ ایسا کرے گا تو ظالم ہوگا تو اللہ تعالےٰ کی ذات پاک سے یہ عیب اُٹھانے کے لئے اسکی یہ رائے ہے کہ جب وہ کسی بچے کو عذاب دے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بچہ عاقل بالغ عاصی عذاب کا مستحق ہوگا۔ غرضکہ اسکے نزدیک اللہ ظلم پر قادر ہے مگر جب وہ ظلم کرے تو یوں تاویل کرکے اُسے عادل مان لینا چاہئے اور کہتا تھا اللہ کا ارادہ منجملہ اُسکے افعال کے ہے پھر یہ ارادہ دو طرح پر ہے۔ ایک صفت فعل دوسرا صفت ذات اور لطف مخزون کا قائل تھا۔ مگر کہتا تھا کہ اللہ نے اُس لطف کو اسلئے پیدا نہیں کیا ہے کہ اللہ پر پھر ثواب دینا واجب ہو جاتا اور پہلے تو یہ مستوجب ہے دوسری تو یہ یہ

---

[1] دیکھو شرح مواقف ۱ ۲ دیکھو جنۃ الاکوان فی افتراق الامم علی المذاہب الطوائف

اور توبہ نفع نہیں کرتی مگر جب کہ پہر وہ کام نہ کرے اگر پہر وہی کام کیا تو پہلی توبہ نافع نہیں ہوتی ہے۔

نہم مزداریہ یہ لوگ ابو موسے عیسیٰ بن صبیح معروف بمردار تلمیذ بشر بن معتمر کے متبع ہیں۔ یہ شخص زاہد تھا۔ اسکو راہب المعتزلہ کہتے تہے چند مسائل میں متفرد ہے جیسے یہ کہ اللہ ظلم و کذب پر قادر ہے۔ اس سے کچھ اُسکی ربوبیت میں بٹہ نہیں لگتا ہے جب ایسا کرے گا تو ظالم اور کاذب قرار پائیگا۔ یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ قرآن پر قدرت ہو سکتی ہے۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت لوگوں کو عاجز نہیں کرتی ہے بلکہ وہ اس سے بہتر کلام لا سکتے ہیں۔ اور قرآن کے مخلوق ہونیکے بارے میں اسکو بڑا اصرار تہا۔ اور جو لوگ قرآن کو قدیم غیر مخلوق کہتے اُنہیں کافر جانتا تہا۔ یہی قول اسکا اصل معتزلہ ہے۔ مسئلہ خلق قرآن میں اسکے زمانہ میں بہت سی سختیاں علمائے سنت وجماعت پر جاری ہوئیں اسلئے کہ وہ قایل قدم قرآن کے تھے۔ کہتا تہا کہ جو کوئی دیکہنا اللہ کا آنکھوں سے بلا کیف کہتا ہے وہ کافر ہے۔ اور اسی طرح جو شخص سلطان سے ملابست کہتا ہے یا خلق اعمال کا مقر ہے وہ بہی کافر ہے۔ نہ اسکو کسی مسلمان سے وراثت پہونچ سکتی ہے اور نہ کوئی مسلمان اُسکا وارث قرار پا سکتا ہے اور جایز ہے کہ ایک فعل دو فاعلوں سے بطور تولید کے سرزد ہو۔ نہ بطور مباشرت کے۔

دہم ہشامیہ یہ ہشام بن عمرو غوطی کے متبع ہیں۔ یہ شخص مسئلہ قدر میں بڑا مبالغہ رکھتا تہا۔ کسی فعل کو بہی اللہ کیطرف منسوب نہیں کرتا تہا یہانتک کہ اسباب کا بہی منکر تہا کہ اللہ نے مومنوں کے دلوں میں الفت دی ہے اور وہ مومنوں کے لیئے ایمان کو دوست رکہتا ہے اور اُس نے کافروں کو گمراہ کیا ہے۔ اور جو آیات قرآن پاک کی اس باب میں آئی ہیں اُنکا معاند تہا۔ اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہنے سے منع کرتا تہا۔ اسلئے کہ وکیل کا رتبہ موکل سے کم ہوتا ہے حالانکہ وکیل اسمائے الٰہی میں حفیظ کے معنوں میں ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ وما انت علیہم بوکیل تو نہیں ہے۔ اُنکا نگہبان۔ اور اسباب کا بہی قایل تھا کہ اعراض اسباب پر دلالت

نہیں کرتے کہ اللہ تعالےٰ اُنکا خالق ہے۔ اور نہ ان سے رسول کی رسالت پر دلالت ہوسکتی ہے۔ بلکہ اجسام دلالت کرتے ہیں۔ اور اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ عصا کا سانپ بنجانا اور مردہ کا زندہ کردینا دلیل صدق دعوے نبوت کی نہیں ہوسکتی بلکہ ہشام اسبات کا منکر تہا کہ دریا حضرت موسیٰؑ کے واسطے پہٹ گیا اور اُن کا عصا سانپ بنگیا۔ یا حضرت عیسےٰؑ نے مُردوں کو زندہ کیا ہو یا چاند حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے شق ہوگیا ہو۔ اسی طرح بہت سے امور متواترہ کو نہیں مانتا تہا جیسے محصور ہونا حضرت عثمان کا۔ اور اُنکا مغلوب ہوکر مقتول ہونا کہتا تہا کچھ لوگ اسکے ناقل ہیں سو یہ وہ لوگ ہیں جو کہ عمال کے شاکی تھے وہ گہس پڑے اور اُنہوں نے عثمان کو مارڈالا معلوم نہیں کہ قاتل کون تہا۔ ایک قول اسکا یہ بہی تہا کہ طلحہ و زبیر و حضرت علی بن ابی طالب جنگ جمل میں کچھ لڑنے کو نہیں نکلے تہے بلکہ مشورے کے لئے باہر آئے تہے۔ مگر دونوں فریق کے طرفداروں نے باہم لڑائی کی اسکا یہی قائل تہا کہ شیطان انسان میں داخل نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ تو باہر سے وسوسہ ڈالتا ہے اُس وسوسہ کو اللہ ابن آدم کے دل میں پہونچا دیتا ہے۔ اور اُسکا یہ قول تہا کہ قرآن حلال و حرام پر دلالت نہیں کرتا۔ اور کہتا تہا کہ اگر ایک آدمی نے اچھی طرح سے وضو کرکے نماز پڑہنا شروع کیا۔ قرب خدا کی نیت سے اور عزم کیا کہ نماز تمام کرے پہر رکوع اور سجدہ بجالایا اور ان سب ارکان میں مخلص رہا مگر اللہ کو معلوم ہے کہ وہ اس نماز کو آخر میں قطع کردے گا تو پہلی نماز اُسکی معصیت ہوئی۔ اور امامت کا انعقاد فتنہ و فساد اور اختلاف کے زمانہ میں نہیں ہوتا ہے اور امت جس وقت کہ مجتمع ہوکر ظلم و فساد ترک کرے تب کہیں وہ محتاج امام سائس کی ہوتی ہے۔ پہر جبکہ نافرمان و فاجر ہو اپنے والی کو قتل کرڈالے تو پہر عقد امامت کسی کے لئے نہیں ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر کہتا تہا کہ امامت علی مرتضےٰ کی منعقد نہیں ہوئی اسلئے کہ وہ بیعت وقت فتنہ کے بعد قتل حضرت عثمان کے وقوع میں آئی تہی۔ یہی مذہب واصل بن عطا کا اور عمرو بن عبید کا بہی تہا اور کہتا تہا کہ جنت و دوزخ مخلوق و موجود نہیں ہیں کیونکہ انکے بالفعل

موجود ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اور جنت میں اذا الہ بکارت کا بھی منکر تھا۔ یہ بھی کہتا تھا کہ نافع و ضار اللہ کا نام نہیں ہے اور نہ یہ کہو کہ اللہ نے کافر کو پیدا کیا ہے۔

یازدہم حابطیہ یہ فرقہ[1] احمد بن حابط کے متبع ہیں اس نے ابراہیم بن سیار نظام کی صحبت پائی تھی اسکا قول ہے کہ خلق کے دو معبود ہیں۔ ایک خالق وہ معبود قدیم ہے۔ دوسرا مخلوق وہ حضرت عیسیٰ بن مریم ہیں۔ مسیح کو ابن اللہ اعتقاد کرتا تھا آخرت میں حساب کتاب خلق کا مسیح کرینگے اس آیت کا یہ مطلب بتاتا تھا هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کیا لوگ بھی انتظار کرتے ہیں کہ آوے اللہ انکے پاس ابر کے سائبانوں میں اور کہتا تھا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نے چودھویں رات کے چاند کیطرف دیکھکر فرمایا انکم سترون ربکم کما ترون هذا القمر یعنے تحقیق تم دیکھو گے اپنے پروردگار کو جیسے کہ دیکھتے ہو اس چاند کو مراد اس سے عیسیٰ ہیں اور قائل تناسخ کا بھی تھا اور کہتا تھا کہ اللہ کی روح نے ائمہ میں تناسخ کیا ہے ایک یہ بھی اعتقاد رکھتا تھا کہ اللہ نے ابتدا ساری خلق جنت میں پیدا کی تھی جو کوئی جنت سے باہر نکلا وہ اپنی معصیت کے سبب سے باہر نکلا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بسبب تعدد نکاح کے طعن کرتا تھا کہ ابو ذر غفاری حضرت سے زیادہ زاہد و عابد تھے اور اسکا یہ اعتقاد تھا کہ دواب و طیور و حشرات میں یہاں تک کہ مچھر اور پسو اور مکھی میں بھی انبیا ہوتے ہیں اور دلیل اسپر یہ آیت ہے۔ وان من امة الا خلا فيها نذير کوئی فرقہ نہیں جسمیں نہیں ہو چکا کوئی ڈرانے والا۔ و قولہ تعالے وما من دابة في الارض ولا طائر يطير بجناحيه الا امم امثالكم نہیں کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑے اپنے دو بازوؤں سے مگر ایک امت ہے تمہاری طرح اور اس مطلب پر حدیث سے بھی دلیل ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن مغفل سے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کی

---

[1] الحابطیہ بالباء الموحدة فرقة من المعتزلة اتباع احمد بن حابط وهو من اصحاب النظام۔ كذا في كشاف اصطلاحات الفنون ۱۲

ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لولا ان الکلاب امۃ من الامم لامرت بقتلہا کلہا یعنی اگر نہ ہوتی یہ بات کہ کتے امت ہیں امتوں میں سے تو البتہ حکم کرتا میں واسطے قتل کرنے اُن سب کے ۔

دوازدہم حدثیہ یہ لوگ فضل حدثی[1] شاگرد نظام کے پیرو ہیں انکا مذہب بھی حابطیہ کا سا ہے ۔ تناسخ کے معتقد ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالے نے اس جہان کے علاوہ ایک اور جہان میں ابتدا حیوانات کو عاقل و بالغ پیدا کیا تھا اور بہت کچھ نعمت عطا کی تھی اور علوم بھی بخشے تھے ۔ پھر انکا امتحان منظور ہوا اور حکم دیا کہ ہماری عطیات کا شکریہ ادا کریں بعض نے تعمیل کی اور بعض نے نہ کی جنہوں نے تعمیل کی تھی اُنہیں جنت میں بھیجا اور جنہوں نے نافرمانی کی تھی اُنھیں جہنم میں ڈالا ۔ اور بعض ایسے بھی تھے کہ اُنہوں نے بعض احکام الٰہی کی تعمیل کی تھی اور بعض احکام کی تعمیل نہ کی تھی اُنہیں دنیا میں بھیجدیا اور یہ اجسام کثیف اُن کو مختلف رنگ کے دئے گئے ۔ اور طرح طرح کے رنج اور خوشی اور نفع و ضرر میں انکو انکے گناہوں کے بموجب مبتلا کیا گیا ۔ جن لوگوں کے گناہ کم اور طاعت زیادہ تھی اُنکو عمدہ صورت عطا فرمائی اور اُنپر مصیبت کم ڈالی گئی اور جنکی عبادت کم تھی اور گناہ زیادہ اُنکو بُری صورت دی اور سخت مصائب میں گرفتار کیے گئے اور جب تک حیوان پورے پورے گناہوں سے سبکدوش نہیں ہوجاتا برابر دنیا میں اُسکی صورتیں بدلتی رہتی ہیں ۔

سیزدہم صالحیہ یہ صالح بن عمرو صالحی کے متبع ہیں ۔ وہ کہتا تھا جائز ہے کہ مردے کو علم اور قدرت اور ارادہ اور سمع اور بصر حاصل ہو ۔ اور اسکا یہ بھی قول تھا کہ جوہر بغیر اعراض کے بھی پایا جاسکتا ہے اور اسکا اعتقاد تھا کہ تعذیب و تنعیم بلا زندہ کرنے میت کے قبر میں واقع ہوگی ۔ اور یہی رائے بعض علمائے کرامیہ کی ہے ۔ اور صالحی کا قول یہ ہے کہ ایمان

[1] حدثی بثائے مثلثہ ملل و نحل شہرستانی میں مرقوم ہے اور شرح مواقف میں بباے موحدہ مندرج ہے ۔

نام ہے معرفت خدا کا علے الاطلاق یعنے یہ جان لے کہ عالم کا کوئی صانع ہے اور
کفر جہل ہے۔ اللہ کی اس معرفت سے اور تثلیث کا قایل ہونا کفر نہیں مگر یہ
کافر ہی سے ظاہر ہوتا ہے اور اسکا زعم یہ تہا کہ اللہ کی معرفت عبارت ہے اسکی
دوستی اور اُسکے حضور میں خضوع رکھنے سے۔ اور خدا کی معرفت تو ہو مگر رسول کا
منکر ہو تو یہ بات جائز ہے اور عقل کے نزدیک روا ہے کہ خدا پر ایمان لائیں
اور رسول پر نہ لائیں اسلیئے کہ رسول ہی نے اپنی زبان سے یہ بات کہی ہے
کہ جو مجھپر ایمان نہ لایا وہ خدا پر ایمان نہ لایا۔ اور کہتا تہا کہ نماز اللہ کی عبادت نہیں
اُسکی عبادت صرف ایمان ہے اور ایمان معرفت الٰہی کا نام ہے اور معرفت
ایک خصلت ہے جو نہ بڑہتی ہے نہ گھٹتی ہے۔ اسی طرح کفر بہی ایک خصلت ہے
جو نہ بڑہے نہ گھٹے۔ اور کہتا ہے کہ خیر و شر کا فاعل بندہ ہے اور اُسکے نزدیک
امام قریش کے سوا اور قوم کا شخص بہی ہو سکتا ہے جو کوئی قران وحدیث کے مطابق
عمل کرے وہ امامت کے قابل ہے اور امامت اجماع امت سے ثابت ہوتی ہے
اور اسکے نزدیک جوہر کا عرض سے خالی ہونا جائز ہے اگرچہ صالحی معتزلی
ہے اور اُسکے فرقہ کو معتزلہ کا ایک فرقہ قرار دیتے ہیں مگر مرجیہ میں بہی اسکا شمار ہے
اور یہ مرجی قدری ہے اسلیئے کہ یہ قدریہ و مرجیہ دونوں کی بدعت میں ملا جلا رہا کرتا
تہا۔ جس طرح بشر مریسی کا شمار بہی معتزلہ و مرجیہ دونوں فرقوں میں ہے مگر وہ خالص
مرجی ہے قدری نہیں۔ اور بشر کے اصحاب کو مریسیہ کہتے ہیں۔

چہاردہم معمریہ

یہ معمر بن عباد سلمی کے متبع ہیں۔ یہ کہتے تہے انسان
حی عالم قادر مختار ہے۔ اور نہ متحرک ہے نہ ساکن
نہ طویل نہ عریض نہ متلون ہے۔ نہ دیکھتا ہے نہ چہوتا ہے نہ حلول کرتا ہے کسی
جگہ میں نہ حاوی ہوتی ہے اسکو کوئی جگہ اور وہ مدبر بدن ہے کچھ بدن میں حلول
کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ انسان ایک شے سوا اس جسد کے ہے۔ غرض اُنہوں نے
انسان کی توصیف بوصف الٰہیت کی ہے کیونکہ یہ وصف انکے نزدیک مدبر عالم کا بہی ہے۔

اور انکا اعتقاد یہ تھا کہ اللہ نے سوائے اجسام کے اور کچھ پیدا نہیں کیا ہے اور اعراض متولد ہیں انہی اجسام سے یا تو بالطبع جیسے آگ سے احراق اور سورج سے حرارت پیدا ہوتی ہے یا بالاختیار جیسے حیوان سے رنگ اور اعراض ہر نوع کے غیر متناہی ہوتے ہیں اللہ کا ارادہ واسطے کسی شے کے غیر خدا و غیر مخلوق ہوتا ہے اور اللہ تعالے کو اپنے نفس کا علم نہیں ہے ورنہ عالم و معلوم میں اتحاد لازم آئیگا جو ممنوع ہے اور اللہ قدیم نہیں ہے اسلئے کہ لفظ قدیم تقادم زمانی پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالے زمانہ سے بری ہے۔

پانزدہم ثمامیہ

یہ ثمامہ بن اشرس نمیری کیطرف منسوب ہیں یہ شخص معمر بن عباد سلمی کا معصر اور رائے و اعتقاد میں اُس سے قریب تھا اگرچہ بعض مسائل میں متفرد ہوا مثلاً کہتا تھا کہ سارے علوم ضروری ہیں۔ جو کوئی مضطر طرف معرفت اللہ کے نہیں ہے وہ مامور بمعرفت بھی نہیں ہے بلکہ مانند بہائم وغیرہ کے ہے اُسکے اعتقاد میں یہود و نصاریٰ و زنادقہ قیامت کے دن مثل بہائم کے مٹی ہو جاینگے اُنکو نہ ثواب ہوگا نہ اُنپر کچھ عذاب ہوگا۔ اسلئے کہ وہ مامور نہیں ہیں کیونکہ معرفت خدا کی طرف مضطر نہیں ہوئے ہیں۔ ایک اعتقاد یہ تھا کہ سارے اعتقاد متولد ہیں مگر کوئی اُنکا فاعل نہیں ہے اور استطاعت بھی سلامت و صحت اعضا ہے حسن و قبح عقل کیطرف سے ہوتا ہے اسی لیے معرفت خدا کی قبل ورود شرع کے واجب ہے۔

شانزدہم خیاطیہ

ابوالحسین بن ابی عمر و خیاط کیطرف منسوب ہیں جو کہ عیسیٰ صوفی کے اصحاب میں سے تھا پھر ابو مخلد کے پاس رہا۔ آنکا یہ اعتقاد تھا کہ معدوم شے ہے اور وہ عدم میں ایک جسم ہے اگر اُسکے حدوث میں جسم ہو اور عرض ہے اگر اُسکے حدوث میں عرض ہو ان کے نزدیک بندہ اپنے افعال پر آپ قدرت رکھتا ہے اس امر میں محتاج معاونت خدا کا نہیں ارادہ الٰہی خود افعال الٰہی کے لئے خالق ہے اور افعال عباد کے لئے امر کہتے تھے خدا کو سمیع یا بصیر جو کہتے ہیں اسکے یہ معنے ہیں کہ خدا مسموعات اور مبصرات کا عالم ہے۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ خدا اپنی ذات کو یا کسی غیر کو دیکھتا ہے اسکے بھی یہی معنے ہیں کہ وہ اُنہیں جانتا ہے۔

مقدمہ جاحظیہ

ابو عمرانؔ[1] عمرو بن بحر معروف بہ جاحظ کے پیرو ہیں یہ شخص بڑا عالم تہا اور نہایت فصیح و بلیغ۔ اور معمر بن عباد سلمی کا معصر تہا اور راے و اعتقاد میں دونوں قریب قریب تہے۔ اس نے کتب فلاسفہ کی بہت کچھ سیر کی تہی۔ کہتا تہا کہ سارے معارف ضروری ہیں کوئی شے ان میں سے افعال عباد نہیں ہے بلکہ یہ سب طبعیہ ہیں بندہ کا کسب سوا ارادہ کے اور کچھ نہیں ہے اور آدمی ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے بلکہ آگ کی طبیعت ہو جائینگے اللہ کسی کو دوزخ میں داخل نہ کرے گا۔ خود آگ انکو بالطبع اپنی طرف کہینچ لے گی اور یہ قران منزل قبیل اجساد سے ہے اور ہوسکتا ہے کہ کبہی مرد ہو جائے اور کبہی عورتؔ[2] اور اللہ ارادہ معاصی کا نہیں کرتا ہے اور نہ ممکن الرویت ہے اور اپنے فعل میں اللہ کے ارادہ کے یہ معنے ہیں کہ وہ غلطی نہیں کرتا ہے اور اُسکے حق میں سہو کا ہونا صحیح نہیں ہے اور غیر کے فعل کے لئے اسکا ارادہ یہ ہے کہ نفس اُسکی طرف میل کرتا ہے اور جواہر اجسام کا معدوم ہونا محال ہے البتہ اعراض بدلتے رہتے ہیں جواہر اپنی حالت سے باقی رہتے ہیں مثلاً جب انسان مٹی سے بنتا ہے اور بیٹا باپ کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے تو جس جوہر میں مٹی اور نطفہ کی ہیئت تہی وہ ہیئت اُس سے دور ہو کر ہیئت حیوانی یا انسانی اُس میں پیدا ہو جاتی ہے اور حق باتوں پر اعتقاد رکہنا مکلف پر واجب ہے۔ جیسے اثبات صانع عالم اور اُسکی صفات کا ثبوت اس قسم کی باتوں کا علم ضروری ہے باقی سب نظری کہتے ہیں۔ جاحظ بے حد مسخرہ بہی تہا اور لطیفہ گو بہی۔ خلفاے بغداد کی مصاحبت میں رہتا تہا علی محمد بن عبدالملک معروف با بن زیات وزیر متوکل کے پاس بہی رہا ہے جب ابن زیات متوکل کے حکم سے مارا گیا تو جاحظ بہی قید ہوا پہر رہا ہو گیا۔ اسکی تصانیف سے بہت سی کتابیں ہیں جیسے کتاب البیان و کتاب التبیین اسمیں نظم و نثر کو جمع

---

[1] دیکہو تاریخ ابو الفدا واقعات ۲۵۵ھ ہجری اور یافعی نے واقعات ۲۵۶ھ میں بجائے ابو عمران ابو عثمان لکہا ہے ۱۲ ۵ ضبۃ الاکوان اور کشف الغمہ عن افتراق للامہ میں نواب صدیق حسن خانصاحب نے

[2] جو بجائے عورت کے لفظ حیوان لکہا ہے یہ سہو ہے ۱۲

کیلئے ہے اسکتاب الحیوان اور کتاب الغلمان اور ایک کتاب اسلامی فرقوں کے ذکر میں۔
محرم ۲۵۵ھ ہجری میں وفات پائی ہے۔

ہیجدہم کعبیہ ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمود بلخی معروف بہ کعبی کے پیرو ہیں ابوالقاسم نے علم خیاط سے حاصل کیا تہا اسکا مذہب بعینہ اُسکا مذہب تہا یہ شخص چند مسائل میں معتزلہ بغداد سے ممتاز بنا تہا کہتا تہا کہ اللہ کا فعل بغیر ارادے اسکے کے واقع ہوتا ہے۔ پس جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالے اپنے افعال کا ارادہ کرنیوالا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اُنکا خالق ہے اور مصلحت کو جانتا ہے اور جسوقت یوں کہتے ہیں کہ وہ غیروں کے افعال کا ارادہ کرنیوالا ہے تو مطلب اسکا یہ ہوتا ہے کہ وہ غیرونکو افعال کا حکم کرنے والا ہے۔ مرجع اس ارادہ کا فقط علم ہے۔ اور اسبات کا قائل تہا کہ اللہ تعالے نہ اپنی ذات کو دیکہتا ہے نہ غیر کو بلکہ اُسکی بصر وسمع بہی علم ہی کیطرف راجع ہیں یعنے مراد ان سے یہ ہوتی ہے کہ وہ جانتا ہے اور کہتا تہا کہ قتل موت نہیں موت وہی ہے جو اپنے وعدے سے مرے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے فعل کا نام موت ہے اور بندے کے فعل کا نام قتل۔ شاید یہ مسلک کعبی نے قرآن کی اس آیت سے حاصل کیا ہے

ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم
محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے پہلے اس سے بہت رسول۔ کیا اگر وہ مرگیا یا مارا گیا تو تم پہر جاؤگے اُلٹے پاؤں۔ موت اور قتل میں چونکہ تردید واقع ہوئی ہے اور تردید دو متغایر میں واقع ہوتی ہے تو اسلئے کعبی نے یہ خیال کیا کہ موت کا اطلاق اُس اجل پر نہ کرنا چاہئے جو بذریعہ قتل حاصل ہو حالانکہ اللہ تعالے نے موت کے بعد قتل بطریق تردید ذکر کرنے سے خصوصیت کا ارادہ کیا ہے یعنے اگر محمد مرجائے خاصکر مارا جاوے تو تم کیا مرتد ہو جاؤگے رسول زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اُس پر قائم رہو۔

نوزدہم جبائیہ یہ ابوعلی محمد بن عبدالوہاب جبائی کے متبع ہیں یہ شخص متاخرین معتزلہ بصرہ میں سے تہا اور شیخ ابوالحسن اشعری کا استاد ہے یہ بہی منفرد تہا ساتہ کئی شئے کے جیسے کہتا تہا کہ اللہ کا نام مطیع العبد ہے جبکہ

اللہ وہ کام کرے جس کا ارادہ بندہ نے اُس سے کیا ہے اور اللہ عورتوں کا حمل رکھتا ہی
اسمیں بچہ پیدا کرتا ہے اللہ کا کلام مرکب ہے حروف اصوات سے کہ وہ اُسے کسی جسم
میں پیدا کر دیتا ہے اور ایسے کلام کا متکلم وہی ہے جس نے اُسے پیدا کیا نہ وہ جسم جسمیں
قایم ہوا اور حلول کرے اور کلام اُسکا عرض ہے بہت سے امکنہ میں اور ایک مکان
میں بعد دوسرے مکان کے پایا جاتا ہے بغیر اسکے کہ مکان اول سے منعدم ہو جائے
پہر وہ دوسرے مکان میں حادث ہوتا ہے اور جبائی یہ بہی کہتا ہے کہ اللہ تعالے
کسی پڑہنے کے وقت ایک کلام اپنے نفس کے لئے محل قرأت میں پیدا کر دیتا ہی
اور امامت کے معاملہ میں اہل سنت کے موافق ہے کہ امامت بندوں کے اختیار
پہ ہے اور فضل حضرت علی میں حضرت ابوبکر پر اور فضل حضرت ابوبکر میں حضرت
علی پر متوقف تہا تاہم یوں کہتا تہا کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر و حضرت عثمان سے بہتر
ہیں یہ نہیں کہتا تہا کہ حضرت علی حضرت عمر اور حضرت عثمان سے بہتر ہیں اور اُسکا
عقیدہ یہ تہا کہ اللہ کا دیدار قیامت کو نہ ہوگا اور بندہ اپنے فعل کا آپ خالق ہے۔
خیر و شر اور طاعت و عصیان سب اُسی کے اختیار سے صادر ہوتا ہے اور استطاعت فعل
سے قبل ہے اور وہ قدرت ہے صحت و سلامتی اعضاے بدن سے علحدہ اور مرتکب کبیرہ کا
نہ مومن ہے نہ کافر ہے بلکہ فاسق ہے اسکے نزدیک مرتکب کبیرہ اگر بلا توبہ مرجائیگا تو
دوزخ میں ہمیشہ پڑا رہیگا اور یہ شخص کرامات اولیا کا منکر تہا اور اس بات کا قایل تہا کہ
تمام انبیا معصوم ہیں اور کہتا تہا کہ خدا پر مکلف کی عقل کا درست کرنا اور اسباب تکلیف کا
بہم پہونچانا واجب ہے۔ کیونکہ اُسکے نزدیک اللہ پر واجب ہے مکلف پر لطف کرنا۔ اور جو چیز
اُسکے حق میں مفید ہو اسکا پورا کرنا۔ اور کہتا تہا کہ اللہ تعالے کی خود ذات عالم ہے علم
کوئی صفت اُسکے لئے نہیں کہ اُسکی ذات کے ساتہہ قائم ہو اور نہ کوئی ایسی حالت
ہے جس سے اُسکو عالمیت حاصل ہووے اور اسکے معنے کہ اللہ تعالے سمیع و بصیر ہے
یہ ہیں کہ اللہ زندہ ہے کسی قسم کا نقصان اُسمیں نہیں اور اللہ تعالے میں سننے اور دیکہنے
کی صفتیں مسموع اور مبصر کے حدوث کے وقت حادث ہوتی ہیں اور اللہ تعالے کا ارادہ

حادث ہے اور وہ موجود تو ہے مگر کسی محل میں نہیں ہے۔ بذات خود قایم ہے اور اللہ تعالیٰ اسی ارادہ کے ساتھ مرید ہے اور یہی اُسکا وصف ہے۔ اور کہتا تہا کہ اللہ کا پہچانتا اور اُسکی نعمتوں کی شکر گذاری اور نیک و بد کا جاننا واجبات عقلی سے ہے۔ جبائی شریعت عقلی اور شریعت نبوی ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ شریعت نبوی وہ کام ہیں جنکے بندوں کو عقل نہیں جان سکتی۔ جیسے عبادت کے وقت اور احکام شرعی۔ اور کہتا تہا کہ اللہ پر واجب ہے گناہگار کو عذاب دینا اور مطیع کو ثواب پہونچانا۔ اسکے نزدیک ایمان ایک مدح کا نام ہے جس میں اچھے اوصاف جمع ہوتے ہیں۔ جس شخص میں وہ جمع ہوں وہ مومن ہے۔ اور اُن فرشتوں کا جو قبر میں مردے سے سوال کرتے ہیں منکر و نکیر نام رکہنا ناپسند کرتا ہے اور اُسکے اقوال دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلیصراط کے بارے میں متردد ہے کیونکہ ثابت بہی کرتا ہے اور انکار بہی کرتا ہے اور اُسکے نزدیک ایمان نام ہے جملہ طاعات مفروضہ کا اور نفل اُس سے خارج ہیں۔ شیخ ابو الحسن اشعری نے ایکبار جبائی سے پوچھا کہ تین بہائی تہے کہ اُنہیں سے ایک مومن صالح ہو کر مرا اور ایک کافر ہو کر مرا تیسرے نے لڑکپن میں وفات پائی اُنکا کیا حال ہوا ابو علی نے کہا کہ مومن صالح کو جنت اور کافر کو دوزخ ملی اور تیسرے کو نہ ثواب ہے نہ عذاب اشعری نے کہا اگر تیسرا بہائی اللہ سے یہ کہے کہ مجھے بڑا کرکے مومن صالح بناکے کیوں نہ موت دی کہ میں جنت میں جاتا آرام پاتا کیونکہ اُسکے حق میں تو یہی خوب تہا۔ جبائی نے جواب دیا کہ اللہ اسکو یوں جواب دیگا کہ اگر تو بڑا ہوتا گناہ کرتا جہنم میں دکھ بہرتا تیرے حق میں یہی خوب تہا کہ تجھے لڑکپن میں موت دی۔ اشعری نے پہر کہا اگر کافر یوں کہے کہ مجھے مومن صالح بناکے کیوں نہ مارا کہ جنت میں جاتا یا لڑکپن میں مارا ہوتا کہ دوزخ سے بچتا اُسکے حق میں یہ بہتر نہ تہا کہ جہنم میں جاوے تو اللہ اُسکا کیا جواب دیگا پس جبائی کو جواب نہ آیا اور اشعری مذہب اعتزال کو چہوڑکر طریق ابو محمد عبد اللہ ابن سعید بن کلاب پر چلے اور اُنہی کے قوانین پر مسائل صفات و قدر میں گفتگو کی اور انکا طریقہ ایک مذہب علیحدہ ہوگیا کیونکہ مذہب سلف کی تائید قاعدہ کلامیہ پر کی۔ جبائی کا انتقال ۳۰۳ھ ہجری میں ہوا ہے۔

بستم ہشیمیہ یہ ابو ہاشم عبدالسلام بن ابو علی جبائی کیطرف منسوب ہیں یہ شخص تمام باتوں میں اپنے باپ کے ساتھ موافق ہے مگر کئی مسئلوں میں اُس سے متفرد تہا۔ چنانچہ استحقاق ذم وعذاب کا بغیر گناہ کے قائل تھا کہ آدمی کوئی گناہ نہ کرے اور اسکو عذاب دیا جائے۔ اور کہتا تہا کہ اللہ کا علم ایک حالت ہے اور اللہ کا عالم ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ ذی حالت ہے اور وہ حالت صفت معلوم ہے اُسکی ذات سے علیحدہ موجود ہے مگر ذات سے علحدہ ہوکر معلوم نہیں ہوسکتی۔ پس اس نے اللہ کے لئے ایسے احوال ثابت کئے جو نہ معلوم ہیں نہ مجہول اور نہ موجود ہیں نہ معدوم یہ احوال علیحدہ نہیں جانے جاتے بلکہ ذات کے ساتھ جانے جاتے ہیں اور دلیل اس پر یہ بیان کی کہ عقل بالبداہت فرق کرسکتی ہے کسی چیز کے مطلق جاننے میں اور کسی صفت کے ساتھ جاننے میں۔ دیکھو جب کسی ذات کو جانتے ہیں تو اسکا عالم ہونا نہیں جانتے اور جوہر کو جانتے ہیں اُسکے متحیز ہونے کو یا اسبات کو کہ عرض اسکے ساتھ قائم ہوتا ہے نہیں جانتے انسان موجودات کی ایک چیز میں شریک ہونے کو اور دوسری چیز میں شریک نہ ہونے کو بخوبی جانتا ہے مگر ابو علی اور دوسرے منکرین احوال اُسکے اس قول کو رد کرتے ہیں۔ اور ابو ہاشم کے نزدیک سمع اور بصر اللہ کی دو حالتیں ہیں سوائے علم کے کیونکہ انکے مفہوم اور اثر جدا جدا ہیں۔ اور اسکے بعضے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سمیع وبصیر ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ مسموعات ومبصرات کا مدرک ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کے لئے یہ لائق ہے کہ ایمان کی تکلیف بشکل وجوہ پر بغیر لطف کے بخلاف جبائی کے کہ اُسکے نزدیک یہ کہے کہ جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوئی اور وہ اللہ پر اُس کے لطف کے ساتھ ایمان لایا تو اسکو ثواب کم ملیگا اسلئے کہ اسکی مشقت کم ہے اور اگر بغیر لطف الٰہی کے ایمان لایا تو اسکا ثواب زیادہ ہے کیونکہ اسکی مشقت زیادہ ہے۔ اور ابو ہاشم کہتا ہے کہ اللہ پر کوئی چیز دنیا میں بندوں کے لئے واجب نہیں جب تک انکو شرع اور عقل کے ساتھ تکلیف نہ فرمائے اور جب انکو اتنی سمجھ دیدے کہ وہ واجب کے کرنے کو اور قبائح سے بچنے کو جاننے لگیں اور انہیں بُرے کام کے کرنیکی خواہش اور اچھے کام

کی نفرت پیدا کر دے اور اخلاق ذمیمہ میں ڈالدے تو اُس وقت اللہ پر واجب ہے
کہ اُنکو قدرت واستطاعت دے اور بُرے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کے
کرنے کے لیئے آلات بہم پہونچا دے اور اللہ پر اس چیز کا انکو عطا کرنا واجب ہے جو طاعات
کی طرف لیجاتی ہو اور منہیات سے بچاتی ہو۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ توبہ کسی فعل قبیح
اور گناہ کبیرہ سے باوجود اصرار کے دوسرے ایسے فعل قبیح پر صحیح نہیں ہوتی جس کو وہ
تائب جانتا ہے یا قبیح اعتقاد کرتا ہے اگرچہ حسن ہی کیوں نہ ہو۔ اور کہتا تھا کہ جب آدمی کو
کسی فعل قبیح کے کرنے کی قدرت باقی نہ رہے اور پھر اُس سے توبہ کرے تو وہ
توبہ اسکی صحیح نہیں ہے مثلاً دروغ گو گونگا ہو جائے تو پھر اسکی توبہ صحیح نہیں ہے
اسی طرح توبہ زانی کی بعد ضعف وعجز کے زنا سے صحیح نہیں ہوتی۔ اور کہتا تھا کہ انبیا سے
عمداً صغیرہ گناہ ہونا ممکن ہے۔ اُسکے اعتقاد میں زنگی اور ترک اور ہنود اسبات کی
قدرت رکھتے ہیں کہ ایسا قرآن لاسکیں اور ایک علم سے دو چیزیں بالتفصیل نہیں
معلوم ہوسکتیں اور اسکے اعتقاد میں طہارت واجب نہ تھی اگرچہ بندہ کو حکم ہے
کہ وہ وقت نماز طاہر ہو۔ کہتا تھا کہ غصب کیئے ہوئے پانی سے طہارت کفایت کرتی
ہے۔ مگر زمین مغصوب میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

فایدہ معتزلہ کے اور بھی بہت سے نام ہیں ایک **ثنویہ** یہ نام اسلیئے ہوا کہ
یہ اسبات کے قایل ہیں کہ خیر طرف سے اللہ کے ہے اور شر بندہ کی
طرف سے ہے۔ دوسرا نام **وا ردیہ**۔ یہ نام اسلیئے ہوا کہ اسکا قول یہ ہے کہ مومنین
دوزخ میں نہ جائینگے فقط اُنکا ورود دوزخ پر ہوگا۔ اور جو شخص دوزخ میں گیا وہ پھر اُس سے
باہر نہ نکلیگا۔ تیسرا **حرقیہ** انکا قول یہ ہے کہ کفار جلائے نہیں جاتے مگر ایکبار۔ چوتھا **مفنیہ** یہ
قائل ہیں فنائے جنت ودوزخ کے۔ پانچواں **واقفیہ** یہ قایل ہیں توقف کرنیکے قرآن کے
مخلوق ہونے میں۔ چھٹا **لفظیہ** یہ قایل ہیں اسبات کے کہ الفاظ قرآن کے مخلوق نہیں ہیں
ساتواں **ملتزقہ** یہ قایل ہیں اسبات کے کہ اللہ ہر جگہ میں ہے۔ آٹھواں **قبریہ**
یہ منکر ہیں عذاب قبر کے۔

فرقہ شیعہ

قبل اِسکے کہ شیعہ کے حالات بیان ہوں بطور تمہید کے کہتا ہوں کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۳ دن علیل رہکر ۶۳ برس کی عمر میں پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول سلہ ہجری کو انتقال فرمایا تو خلافت کی نزاع پیدا ہوئی اور انصار نے یہ ٹھرایا کہ ایک امام ہمارا ہوگا اور ایک مہاجرین میں کا ہوگا اور اپنی طرف سے سعد بن عبادہ کو خلیفہ کرنے پر آمادہ ہوگئے تو حضرت عمر و ابوبکر نے اُنکے مجمع میں پہونچکر کہا کہ پیغمبر خدا کا حکم ہے الائمۃ من قریش یعنے امام قریش میں سے چاہیئے تب سب انصار نے قبول کیا اور کہا کہ تم کس کو خلیفہ کروگے حضرت عمر نے کہا کہ ہم سب سے افضل ابوبکر کو جانتے ہیں ہم انہی سے بیعت کرتے ہیں تم بھی قبول کرو اور اول بشیر بن سعد انصاری نے پھر حضرت عمر نے پھر ابو عبیدہ بن جراح نے پھر سعد بن عبادہ نے بیعت کری پھر اور صحابہ نے بیعت کرلی اور فوری طور پر صدیق اکبر پر اتفاق عام ہوگیا۔ یہ معاملہ بنی ساعدہ کے سقیفہ (چبوترہ) میں ہوا تھا۔ پھر جب وہ مسجد میں آئے تو لوگ ہر طرف سے دوڑ کر آئے اور رغبت سے بیعت کرنے لگے لیکن بنو ہاشم دیر تک اپنے ادعا پر رُکے رہے اور اُن کو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس ہوا اور حضرت علی اور عباس اور طلحہ اور زبیر اور مقداد بن عمرو اور عتبہ بن ابولہب اور خالد بن سعید بن عاص اور سلمان فارسی اور ابوذر اور عمار بن یاسر اور براء بن عازب اور ابی کعب نے بیعت نہ کی اور حضرت علی بیعت کے وقت سقیفہ میں موجود نہ تھے پیغمبر خدا کی تجہیز وتکفین کا سامان کر رہے تھے پھر ان سب لوگوں نے بیعت کرلی اور حضرت علی نے چھ مہینے کے بعد بیعت کی بعض کہتے ہیں تیسرے دن یا اُسی دن یا دوسرے دن بیعت کی اور صحیح یہ ہے کہ دوبارہ بیعت کی ایک بار تیسرے دن اور دوبارہ چھ مہینے کے بعد جب بی بی فاطمہ نے پیغمبر خدا کے اموال میں وراثت کا اور باغ فدک کا

سلہ دیکھو کشف الغمہ عن جمیع الامہ مولفہ قطب شعرانی جلد دوم باب قسمۃ الفیٔ والغنیمۃ ۱۲۔

سلہ دیکھو محاضرۃ الابرار ۱۲۔

تملیک کا دعویٰ کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے وہ دعویٰ اس دلیل مشہور کی وجہ سے نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ[۱] یعنے انبیا جو کچھ وفات کے بعد چھوڑتے ہیں وہ میراث نہیں ہوتی صدقہ ہوتا ہے۔ نہ مانا اور باہم حجت واقع ہوئی اور لوگوں کو ثابت ہوا کہ ان میں ملال ہے تو انکے اس زعم کے دفع کرنے کے لئے ثانیاً بیعت کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد شاید بنی ہاشم کے دعوے نئے سر سے پیش ہوتے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے وفات کے وقت حضرت عمرؓ کی خلافت پر باضابطہ تنصیص کی اسلئے بنی ہاشم کو موقع نہ ملا حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت کے قریب چھ شخصوں کو چنا جن کی حاکمانہ لیاقتیں انکے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کرسکے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور زبیر اور طلحہ اور سعد اور عبدالرحمن بن عوف ان انتخاب شدہ لوگوں میں تھے۔ گو حضرت عباسؓ نے حضرت علی کو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی خلافت بحث و اتفاق کے ہاتھ میں نہ دیں بلکہ بغیر کسی کی اعانت کے اپنے استحقاق کا فیصلہ کرلیں لیکن جناب امیر کی بے غرضی اور فیاض دلی نے اس اختلاف انگیز تحریک کے قبول کرنے کی اجازت نہ دی اور عبدالرحمن بن عوف اس نزاع کے طے کرنیکے لئے مقرر ہوئے اُنھوں نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مَیں تمہاری بیعت کرتا ہوں کتاب خدا اور سنت رسول اللہ اور طریقہ ابوبکر و عمرؓ پر حضرت علی نے جواب دیا کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اور میرے اجتہاد رائے پر عبدالرحمن نے انکو چھوڑ کر حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہی بات کہی حضرت عثمان نے قبول کرلیا پھر سب صحابہ نے اُن سے بیعت کری حضرت علی نے صبر جمیل کیا اور تن بہ تقدیر راضی ہو گئے۔ حضرت عثمان خاندان بنی امیہ سے تھے اور اُنکی خلافت ایک نئے تاریخی سلسلہ کا دیباچہ تھی حضرت ابوبکر و عمر نہ ہاشمی تھے نہ اموی۔ اسلئے اُنکے عہد

[۱] شہاب الدین احمد ابن حجر کتاب اشرف الوسائل الی فہم الشمائل کے باب ذکر میراث میں کہتے ہیں لا نورث بسکون الواو و فتح الراء و حکی فتح الواو و کسر الراء ای لا نترک مالا میراثا۔ مطلب یہ ہے کہ لفظ لا نورث میں واؤ ساکن بعد رائے مہملہ مفتوح ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ واؤ مفتوح ہے اور را مکسور۔ ۱۲

تک بنو امیہ و ہاشم دونوں خاندان خلافت میں کچھ حصہ نہیں رکھتے تھے حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنی امیہ کے ہاتھ میں دیدیے معاویہ پہلے ہی شام کے گورنر تھے لیکن اس عہد میں انکا اقتدار اس حد تک پہونچ گیا کہ ملک شام کے فرمانروائے مستقل سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان کی خلافت تقریباً بارہ برس رہی اور اگرچہ اخیر میں اسی خاندانی رعایت پر لوگ اُن سے ناراض ہو گئے اور جمعہ کے دن ۱۸ ذی حجہ ۳۵ھ کو بلوائیوں کے ہاتھ سے اُنکی شہادت تک نوبت پہونچی اور سنیچر کی رات بقیع میں دفن ہوئے۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو طلحہ اور زبیر بیعت کر لینے کے بعد بوجہ دھمکانے مالک اشتر کے جو قاتلان حضرت عثمان میں سے تھا شب کے وقت مدینہ سے نکلکر مکہ کو چلے گئے۔ اور بی بی عایشہؓ ان دنوں مدینہ میں نہیں مکہ سے حج کرکے واپس آرہی تہیں۔ اُنکو حضرت عثمان کی شہادت کی خبر پہونچی تو وہیں انجام کار دیکھنے کے لیے ٹہر گئیں اور طلحہ اور زبیر کے ورغلانے سے مکہ کو لوٹ گئیں اور وہاں جمع ہوکر لڑائی کا سامان کیا۔ اگرچہ یہ جناب امیر کی جان کے دشمن نہ تہے صرف حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص چاہتے تھے مگر چونکہ اس قدر جمعیت کا خلیفہ کے مقابلہ کو کہڑا ہونا خلافت کی بدنظمی کا باعث تہا اسلیے حضرت علی نے بی بی عایشہ اور طلحہ اور زبیر کا کچھ پاس نہ کیا اور ان سے جنگ کی اور مروان بن حکم کے تیر سے طلحہ اور عمر بن جرموز مجاشعی کے ہاتہ سے زبیر کی آخر کار جان گئی۔ اس جنگ کو **جنگ جمل** کہتے ہیں کیونکہ اُس دن بی بی عایشہ اُس شتر پر جسکا عسکر نام تہا سوار تہیں اسکو ایک شخص نے حضرت علی کے حکم سے مار ڈالا۔ بی بی صاحبہ اس جنگ کے بعد عمر بہر متاسف رہیں اور جنگ جمل کو کو یاد کرلیتیں تو اتنا روتیں کہ اُنکی اوڑہنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تہی اسلیے کہ خروج میں جلدی کی تامل نہ کیا اور پہلے سے تحقیق نہ فرمایا باوجودیکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بانی مبانی محمد بن ابی بکر صدیقؓ برادر بی بی صاحبہ تھے۔ چنانچہ تاریخ احمد بن اعثم کوفی میں لکھا ہے کہ جب حضرت عثمان محصور ہوئے اور محاصرین نے اُنپر تنگی

کی اور ہر جانب سے اُنکے مکان میں گھس پڑے تو محمد بن ابی بکر صدیق نے دوڑ کر حضرت عثمان کی ڈاڑھی پکڑ لی اور اُنکی گردن کو مجروح کر دیا جس سے خون جاری ہو گیا۔ پھر کنانہ بن بشر التجیبی آیا اور ایک وار عمود کا حضرت عثمان کے سر پر کیا اور سیدان بن حمران مرادی نے ایک تلوار اُنکے سر پر ماری۔ حضرت عثمان نیچے کو گر پڑے پھر اور لوگوں نے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ خلافت حضرت عثمان کی وسیع مدت میں بنی امیہ کا خاندان ملکی اور مالی دونوں حیثیت سے نہایت طاقتور ہو گیا جسکا یہ اثر تھا کہ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو اُن سے معاویہ نے ہمسری کا دعوے کیا اور اگرچہ ذاتی فضائل و مذہبی تقدس میں اُنکو حضرت علی سے کچھ نسبت نہ تھی تاہم ایک مدت تک وہ مساویانہ طاقت کے ساتھ جناب امیر کے حریف رہے اور ۳۷ھ ہجری میں معاویہ اور حضرت علی کے لشکروں میں بمقام صفین ماہ صفر سے جنگ شروع ہوئی اور معاویہ کی فوج کے دل حضرت علی کی تلوار سے چھوٹ گئے۔ اُسوقت معاویہ نے کلام مجید نیزوں پر رکھکر باواز بلند کہا کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ اہل عراق نے حضرت علی سے کہا کہ آپ قرآن کو نہیں مانتے اُنہوں نے جواب دیا کہ تم اپنے حق و صدق پر دشمنوں سے لڑے جاؤ یہ کام اُنہوں نے تمہارے فریب دینے کے لئے کیا ہے۔ جب مسعود بن فدک تمیمی اور زید بن حصین الطائی نے جو لشکر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود تھے اور اُنکا لقب خارجی مقرر ہوا یہ بات کہی کہ یا علی قرآن کو تھا اور مسلم رکھنا چاہئے جب قرآن درمیان آ یا تو اُنکا رجوب نہیں ورنہ ہم آپ کو مخالفین کے سپرد کر دینگے۔ حضرت علی نے مجبور ہو کر لڑائی رکدی اور اشعث بن قیس کو جو اخرج الخوارج تھا حضرت معاویہ کے پاس بھیجا کہ تم نے کس لئے قرآن اُٹھائے ہیں۔ کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک میری طرف سے اور ایک تمہاری طرف سے حکم مقرر ہوا اور جو کچھ وہ کتاب اللہ کی رو سے فیصلہ کر دیں اُس پر فریقین عمل کریں۔ خوارج نے حضرت علی کو اسبات پر مجبور کیا کہ اُنہوں نے ابو موسیٰ اشعری کو اپنی جانب سے پنچ مقرر کیا اور عمر بن عاص حضرت معاویہ کی طرف سے قرار پائے اور اقرارنامہ جانبین سے ۱۳ صفر ۳۷ھ کو قلمبند ہوا۔ ابو موسیٰ نے عمرو بن عاص کو اسبات پر آمادہ کیا کہ ان دونوں صاحبوں کو معزول کر کے نئے خلیفہ کا نصب کرنا مسلمانوں

کے مشورے پر رکھنا چاہیئے اور ماہ رمضان سنہ مذکور میں جب فیصلہ سُنانے کا وقت آیا تو اول ابوموسےٰ نے کھڑے ہوکر کہا " اے مسلمانو! میں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ کو اس منصب سے معزول کیا تاکہ فتنہ وفساد دوب جائے اور کار خلافت تمہارے مشورے پر رکھتا ہوں جسے چاہو اس کام کے لئے انتخاب کرلو" پھر عمرو نے کھڑے ہوکر کہا " کہ حضرت علی کی خلافت سے ابوموسےٰ نے تبرا کیا اور میں معاویہ کی خلافت سے راضی ہوں" ابوموسےٰ چلّانے لگے کہ اے عمرو تم نے مجھسے فریب کیا۔ کیا تم نے مجھسے یہ نہیں کہا تھا کہ جو کچھ تمہاری رائے ہے وہی میں بیان کرونگا۔ عمرو نے جواب دیا کہ تم جھوٹے اور مکار ہو۔ اُسی روز سے حضرت علی کے ہر کام میں ضعف آگیا۔ اور حضرت معاویہ کو قوت ہوئی۔ اور خوارج نے علی مرتضیٰ کی بیعت خلافت کا انکار کیا آپ نے اُن سے اپنے حق کا دعوٰی کیا اُنہوں نے نہ مانا۔ اور حضرت علی کے طرفداروں اور مخلصوں کا کہ صحابہ وتابعین تھے اور اُن کے ساتھ رہتے تھے اور اُنکی خلافت کے معین تھے اور انکی طرف سے جان بازیاں کرتے تھے لقب **شیعہ** مقرر ہوا انہی سے **شیعہ اولیٰ** اور **شیعہ مخلصین** عبارت ہے۔ ان سب کا عقیدہ یہ تہا کہ جناب میر اپنے عہد میں امام برحق ہیں بعد شہادت حضرت عثمان کے یہ انہی کا منصب ہے۔ تمام مسلمانوں پر انکی اطاعت فرض ہے اور اپنے وقت کے سارے آدمیوں سے افضل ہیں اور حضرت معاویہ اور اُنکے لشکر کو باغی اور خطاوار جانتے تہے مگر طلحہ وزبیر کو یہ لوگ برا نہیں جانتے تہے اسلئے کہ انہوں نے جو تنازع جناب میر کے ساتہ کیا تو اسوجہ سے نہ تہا کہ وہ اُنکو مستحق خلافت نہ جانتے تہے بلکہ قاتلان حضرت عثمان نے جب اُنکو بہی بہکایا تو یہ خوف جان کی وجہ سے مدینہ سے چلے گئے اور اُن سے قصاص لینے میں جلدی کرتے تھے۔ اُنکو خطاے اجتہادی واقع ہوئی اسلئے کہ ایک شبہ کے ساتہ متمسک تھے۔ اگرچہ طرف ثانی کی دلیل ارجح تہی اور وہ شبہ اسوجہ سے پیدا ہوا تہا کہ جانتے تہے کہ قصاص ذوالنورین حق ہے اور حضرت علی اُسکے لینے پر قادر ہیں مگر نہیں لیتے بلکہ منع کرتے ہیں پس قصاص حضرت عثمان کی طلب میں جلدی کی اور اتنا تامل نہیں کیا کہ حضرت علی کی مرضی معلوم ہو جاتی اسوجہ سے مخالفت اُنکی طرف سے وقوع میں آئی ورنہ وہ تمام اہل عصر سے

جناب امیر کو افضل مانتے تھے اور اُنکے اوصاف بیان کرتے تھے اور آخر کار اُنہوں نے جناب امیر سے مصالحت کر کے انکی اطاعت کر لی اسی واسطے یہ لوگ گمراہ قرار نہیں دئے گئے بلکہ جناب امیر انکو عمدہ جانتے تھے اور اس مخالفت کو اُنکی خطاے اجتہادی پر حمل کرتے تھے اور یہ شیعہ جناب امیر کی اُن باتوں کو جو اُنہوں نے خلفا اور صحابہ کی مدح وصفت اور فضائل میں بیان کی ہیں جیسے کہ جناب امیر معاویہ کے ایک خط[۵] کے جواب میں شیخین کے حق میں فرماتے ہیں لعمری ان مکانھما من الاسلام لعظیم وان المصابۃ بھما لجرح فی الاسلام شدید رحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما علا۔ قسم اپنی جان کی کہ منصب ان دونوں کا اسلام میں بڑا ہے اور واقعہ وفات ان دونوں کا البتہ زخم سخت ہے اسلام میں اللہ تعالیٰ رحمت کرے اور جزائے خیر دے انکو بعوض بہترین کاموں کے کہ ان دونوں نے کئے۔ ظاہر ہی پر محمول کرتے تقیہ اور ریاکاری پر مبنی نہیں سمجھتے۔ اور جو کچھ شرع محمدی کے احکام صحابہ کے ذریعہ سے ان کو ثابت ہوئے اُسے قبول کیا اور عملدرآمد رکھا ان لوگوں نے ابن سبا وغیرہ کی باتوں کو نہیں مانا اور سارے صحابہ کا ادب کرتے رہے! البتہ دو تین برس کے بعد بعضے لوگ ابن سبا کے ہتھوڑے سے وسوسوں میں آگئے اور جناب امیر کو تمام اصحاب پر تفضیل دینے لگے ان **شیعہ تفضیلیہ** نے سوائے تفضیل جناب امیر کے اور ساری باتوں میں شیعہ مخلصین کے ساتھ اتفاق رکھا اور اقوال صحابہ کی پیروی کرتے رہے اور جو کچھ صحابہ کے ذریعہ سے سنت رسول اللہ مروی ہے اُسکے معتقد وعامل رہے انکا مذہب یہ تھا کہ جناب امیر اور اُنکی اولاد حق بالخلافت ہیں جب تک یہ بزرگ کسی اور کو یہ منصب اپنی خوشی سے نہ دیں وہ اسکا مستحق نہیں ہو سکتا چنانچہ خلفائے ثلثہ کو یہ خلیفہ مانتے تھے اور اُنکی خلافت کو درست جانتے تھے اسلئے کہ جناب امیر نے اُنہیں اپنی خوشی سے خلیفہ کر دیا تھا۔ اور جب یہ خود خلافت اختیار کریں تو دوسرے کو خلافت نہ لینا چاہئے۔ اور جناب امیر بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل الناس ہیں اور یہ لوگ صحابہ کو بُرا نہیں کہتے نہ ظالم اور غاصب بتاتے ہیں بلکہ خیر وخوبی کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ان میں سے یہ اشخاص مشاہیر ہیں۔ ابوالاسود ظالم دئلی بصری واضع

علم نحو اور ابوسعید یحیی بن یعمر عدوانی تابعی کہ علم قرأت و تفسیر و نحو و لغات عرب کا بڑا ماہر تھا اور سالم بن حفصہ جو امام محمد باقر و امام جعفر صادق سے حدیث کی روایت کرتا ہے اور عبدالرزاق محدث اور ابو یوسف یعقوب بن اسحاق معروف بہ ابن سکیت صاحب کتاب اصلاح المنطق - مگر جب ابن سبا کی بدعت بہت پھیل گئی تو اسکی تلقین کے اثر سے دو قسم کے لوگ بہت پیدا ہو گئے - ایک **شیعہ تبرائیہ** جن کو **شیعہ سبائیہ** بھی کہتے ہیں - یہ لوگ سارے صحابہ کو ظالم و غاصب بلکہ کافر و منافق بتانے لگے اور بی بی عائشہ اور طلحہ اور زبیر کی لڑائی و تنازع جناب امیر کے ساتھہ انکے مذہب و عقیدہ کا مؤید ہو گیا اور چونکہ یہ تمام جھگڑے حضرت عثمان کے قتل کی وجہ سے واقع ہوئے تھے اسلئے انہیں بھی لعن و طعن

سلہ طبقات النحاۃ میں مذکور ہے کہ حضرت علی کے حکم سے ابوالاسود نے علم نحو کو ایجاد کیا ہے - اور بعض کہتے ہیں کہ زیاد والی عراقین کے حکم سے اس نے اس علم کو نکالا تھا - بعضے کہتے ہیں کہ حضرت علی نے کچھ قواعد نحو کے اسے بتا دئے تھے اس نے انکو کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا زیاد نے اسکو حکم دیا کہ نحو کے قواعد بنانا چاہیئے مگر اس نے قبول نہ کیا یہانتک کہ اس نے اپنے کانوں سے سنا کہ ایک قاری پڑھتا تھا ان اللہ بریٔ من المشرکین و رسولہ اور رسول کے لام پر زیر دیتا تھا - تو ابوالاسود نے زیاد سے کہا کہ آدمیوں کی اب یہ حالت ہو گئی ہے - آپ نے جو حکم دیا تھا اس کی تعمیل کرتا ہوں - اور سب سے اول باب تعجب کو ایجاد کیا - پھر دوسرے قواعد جو حضرت علی سے حاصل کئے تھے بنائے - مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین میں کہا ہے کہ نحو کی استناد حضرت علی مرتضی کیطرف ایک خیالی بات ہے اسکی نقل صحت کو نہیں پہونچی - اور تاریخ کامل میں عزیز الدین علی معروف بہ ابن اثیر جزری کہتے ہیں کہ حارث بن کلدہ ثقفی کی ایک کنیز سمیہ نامی کے بطن سے زیاد پیدا ہوا ہے جبکہ وہ عبید نام ایک رومی غلام کے نکاح میں تھی - ابوسفیان نے بھی زمانہ جاہلیت میں اس کنیز کے ساتھہ شراب کی مستی میں زنا کیا تھا - معاویہ نے سنہ ۴۴ھ میں زیاد کو اپنے خاندان میں ملا لیا یہ پہلا واقعہ ہے جو دین اسلام میں شرع کے خلاف کیا گیا کیونکہ زیاد شرعاً اسی غلام کا بیٹا ہے اسلئے آجتک ابن ابیہ کہلاتا ہے -

کرنے لگے اور حضرت عثمان کی خلافت کی بنیاد شیخین کی خلافت پر تھی اور منتخب کرنیوالے اُنکے عبدالرحمن بن عوف وغیرہ صحابہ تھے سب کو یہ لوگ بُرا کہنے لگے۔ یہ لوگ گویا ابن سبا کے متوسط قسم کے شاگرد و تعلیم یافتہ تھے۔ دوسرے **غلاۃ شیعہ** یہ ابن سبا کے شاگرد رشید اور اُسکے خاص اصحاب تھے کہ اُسکی تعلیم کی بدولت جناب امیر کی الوہیت کے قایل ہوگئے اور جب بعض نیک لوگوں نے اُنکو الزامات دئے کہ جناب امیر میں بشریت کے آثار موجود ہیں تو اسلئے بعض غلاۃ الوہیت کے قول کو چھوڑکر اسبات کے قائل ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب امیر میں حلول کیا ہے جب جناب امیر کو یہ خبر پہونچی تو اُنکا رد فرمایا اور ایک جماعت غلاۃ شیعہ کو آگ میں جلادیا۔ ابن سبا سے سارے اصناف غلاۃ شیعہ پیدا ہوئے ہیں اور جبکہ تبرائیہ و غلاۃ و زیدیہ و اسماعیلیہ وغیرہ نے اپنا لقب شیعہ اختیار کرلیا اور جب حضرت علی ابن ابی طالب اور بعض حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و بی بی عائشہ میں مع دیگر صحابہ کے بڑا غلو و مبالغہ کیا اور عمل و اعتقاد میں طرح طرح کے فسادات و بدعات پھیلا دئے تو شیعہ مخلصین و شیعہ تفضیلیہ نے اپنا لقب **اہلسنت و جماعت** رکھ لیا۔ اسی واسطے اگلے وقتوں کی کتب میں اُن لوگوں کے حق میں بھی شیعہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور شیعہ تبرائیہ وغیرہ بھی شیعہ مخلصین و شیعہ تفضیلیہ کو شیعہ حضرت علی سے نہیں شمار کرتے اسلئے کہ اُنکے نزدیک محبت حضرت علی منحصر ہے صحابہ و ازواج کے بُرا کہنے پر اور اُنکے نزدیک ایمان و اسلام میں فرق ہے اسلئے اپنی جماعتوں کو مومن کہا کرتے ہیں اور باقی اہل اسلام کو مسلمان بولتے ہیں۔ کہتے ہیں مومن وہ ہے جو شرایع کو اُسکے حقائق اور تاویل کے ساتھ جانتا ہو اور مسلمان وہ ہے جو شرایع کو بغیر علم تاویل اور تفسیر کے جانے اور شیعہ کو **روافض** بھی کہتے ہیں اُنکا نام رفضہ اس طرح پر ہوا کہ زید بن علی بن حسین بن حضرت علی ابن ابی طالب جب لعن حضرت ابوبکر سے باز رہے اور یہ کہا کہ وہ دونوں میرے جد محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے تو اُنھوں نے اُنکی لڑے کو رفض یعنے ترک کردیا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ رافض یعنے تارک رئے صحابہ کے تھے بابت بیعت حضرت ابوبکر و عمر کے مگر شیعہ میں باہم بھی بڑا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی

وجہ سے بہت سے فرقے بنگئے ہیں کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تکفیر کرتا ہے۔ اصول انہیں سے پانچ فرقے ہیں **غلاۃ** ۔ **کیسانیہ** ۔ **اسماعیلیہ** ۔ **زیدیہ** اور **امامیہ** ۔ اگرچہ کیسانیہ و اسماعیلیہ و امامیہ میں سے بہی بہت سے فرقے غلو رکھتے ہیں مگر ہم یہاں غلاۃ اُن فرقوں سے مراد رکھتے ہیں جن میں یہ اعتقاد مشترک ہے کہ انبیا و ائمہ خدا ہیں یا خدا نے انبیا و ائمہ میں حلول کیا ہے یا ان سے متحد ہوگیا ہے مگر تعیین امام کے باب میں بعضے ان میں سے کیسانیہ کے طور پر ہیں بعضے اسماعیلیہ کے اور بعضے امامیہ کے ۔ اور زیدیہ کے فرقوں میں سے کوئی ایسا نہیں سنا گیا جو ان غلاۃ کی طرح انبیا و ائمہ کی الوہیت یا انمیں حلول الوہیت یا اتحاد کا قائل ہو اور شیعہ کے ہر فرقے میں داعی لوگ ہوتے ہیں کہ اس مذہب کی طرف اشخاص کو علم یا مال یا زبان یا ہتھیار کے ذریعہ سے بلاتے ہیں انکو اصطلاح میں **دعاۃ** کہتے ہیں جو داعی کی جمع ہے۔ انہی دعاۃ کے نام سے فرقے منسوب ہوتے ہیں۔ غرض کہ **غلاۃ** کے کئی فرقے ہیں۔

۱۔ سبائیہ یہ عبداللہ بن وہب بن سبا معروف بہ ابن السودا کے متبع ہیں یہ شخص یہودی تہا۔ حجاز سے اہل اسلام کے شہروں میں جایا کرتا تہا ارادہ اسکا یہ تہا کہ مسلمانوں کو گمراہ کردے۔ جب یہ بات نہ بنی اور یہ کام نہ کرسکا تو اسلام اور مسلمین کے ساتھ مکر و فریب سے پیش آیا۔ ۳۳ھ ہجری میں بصرہ گیا وہاں ہو چکا کچھ مسائل لوگوں سے کہنے لگا لیکن صراحت نہ کرتا۔ ایک جماعت اُسکی طرف مایل ہوگئی اور اسکی باتوں میں آنے لگی۔ عبداللہ بن عامر حاکم بصرہ نے اسکو بصرہ سے نکلوا دیا وہاں سے کوفہ میں آیا۔ پہر کوفہ سے چلکر مصر پہونچا۔ وہاں آکر ٹہرا۔ لوگوں میں بیٹہکر یہ بات کہی بڑا تعجب ہے اُس شخص سے جو اسبات کی تصدیق کرتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پہر دُنیا میں آئینگے اور اسکی تکذیب کرتا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ آئینگے۔ رجعت کے بارے میں لوگوں سے بات چیت کرتا رہا۔ یہانتک کہ کچھ لوگوں نے اسبات کو قبول کیا اور یہ بدعت ۳۵ھ ہجری سے پہیلنے لگی۔ پس مذہب رجعت کا موجد وہی ہے۔ بعد اسکے اُس نے یہ بات کہی کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوا کرتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم امامت

حضرت علی کی وصیت کر گئے ہیں کہ وہ بعد حضرت کے اُنکے وصی ہیں اور خلیفہ امتبار
نص نبوی اور سن رکھو کہ عثمان نے خلافت ناحق لے لی۔ اب تم لوگ کربستہ ہو کر ان
امرا پر طعن کرو اور اظہار امر معروف ونہی منکر کرکے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرلو۔ پھر اس نے
اپنی طرف سے داعی جابجا بھیجے اور جن جن شہروں کے لوگ اُسکی طرف مائل تھے
اُن سے خط وکتابت جاری کی اُن لوگوں نے مخفی دعوت کرنا خلق کا اُسکی رائے کی
طرف شروع کیا اور ایک عام ناراضی حضرت عثمان کے عمال اور اُنکی خلافت کیطرف
سے لوگوں میں پھیل گئی اور ساری زمین اسلام ابن سبا کی رائے وعقیدہ سے بھر گئی۔
یہانتک کہ ملک مصر سے ایک ہزار یا سات سو یا پانسو آدمی اور ایک ایک جماعت بصرہ
وکوفہ سے مدینہ میں آئی بعد حضرت عثمان کے معزول کرنے کا ارادہ کیا اور غفا دبرپا کرکے
حضرت عثمان کے مکان کو گھیر لیا اور چالیس یا پچاس دن تک اُنکو محصور رکھا۔ پھر
حضرت علی حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مروان کو عہدہ
منشی گری سے موقوف کیجئے اور عبداللہ بن ابی سرح کو حکومت مصر سے معزول
کیجئے۔ حضرت عثمان نے قبول کیا۔ حضرت علی نے لوگوں کو سمجھا کر ہٹا دیا اور بات رفت
گذشت ہو گئی۔ حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کرکے اُدھر بھیجا رستے میں
انکو ایک خط مہری حضرت عثمان کا عبداللہ کے نام ملا جس میں یہ مضمون تہا کہ محمد ابن ابی بکر
رضی اللہ عنہ جو کچھ کہیں اُسکی تعمیل مت کرنا اور کسی حیلہ سے اُنکو مار ڈالنا۔ محمد اس خط کو
لے کر مدینہ کو لوٹ آئے۔ حضرت عثمان سے اسکا حال پوچھا تو قسم کہا کر کہا کہ یہ مُہر اگرچہ میری
ہے اور میرے ہی منشی کا خط ہے مگر میں نے نہیں لکھوایا۔ لوگوں نے کہا کہ مروان
کو ہمارے سپرد کرو۔ یہ بات حضرت عثمان نے نامنظور کی اسلئے لوگوں کے دل اُنکی جانب
سے پھر گئے۔ اور ذیحجہ ۳۵ھ ہجری میں عثمان رضی اللہ عنہ ان باغیوں کے ہاتھ سے
شہید ہوئے۔ ابن سبا نے وعید وعلی مرتضیٰ سے یہ بات کہی تہی اَنْتَ الْاِلٰہُ یعنے
تم خدا ہو۔ اور حضرت ممدوح نے اُسے مدائن کیطرف نکلوا دیا تہا اور یہ کہتا تہا کہ حضرت
علی بعد موت کے پھر دنیا میں آئینگے اور حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم بھی قدم بکج

فرمائیں گے۔ وہ قتل حضرت علی کا معتقد نہ تھا انکو زندہ بتاتا تھا۔ کہتا تھا شیطان حضرت علی کی صورت پر ہو گیا تھا اُسے ابن ملجم نے مارا ہے۔ اُنہیں ایک جز خدا کا ٹھراتا تھا۔ کہتا تھا وہ بادل میں آتے ہیں۔ رعد اُنکی آواز ہے۔ برق اُنکا چابک ہے۔ وہ ضرور زمین پر اُتر کر زمین کو عدل سے بھر دیں گے جس طرح کہ ظلم سے بھر گئی ہے۔

۲۔ کاملیہ ابو کامل کے متبع ہیں۔ یہ شخص سب صحابہ کو کافر بتاتا تھا۔ اسپر کہ اُنہوں نے حضرت علی سے بیعت نہ کی اور خود حضرت علی کو کافر کہتا تھا اسپر کہ صحابہ سے نہ لڑے۔ یہ قائل تھا تناسخ کا۔ اور کہتا تھا کہ امامت نور الٰہی ہے کہ ایک شخص سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ نور ایک آدمی میں امامت ہو اور دوسرے میں نبوت ہو جائے۔ اور کہتا تھا کہ روح الٰہی نے اول آدم میں بعد اسکے درجہ بدرجہ تمام انبیاء و آئمہ میں حلول کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسکے نزدیک کافر کا بھی امام ہوتا اور اُسمیں روح الٰہی کا حلول کرنا جائز ہے اسلئے کہ یہ حضرت علی مرتضیٰ کی تکفیر کرتا ہے اور پھر اُنہیں روح الٰہی کے حلول کا اور پھر اُنکی امامت کا قائل ہے۔

۳۔ مغیریہ مغیرہ بن سعید عجلی کے اصحاب ہیں جو خالد بن عبداللہ کا غلام تھا۔ اس نے خالد بن عبداللہ قسری پر کوفہ میں بیس آدمی لے کر خروج کیا اُنکو گھیر لیا۔ وہ منبر پہ تھے اُنہوں نے کہا مجھے پانی پلادو اس سبب سے وہ بدل گئے اُسکی شنایع میں سے ایک یہ قول ہے۔ اعضا معبود کی صورت پر حروف ہجا کے ہیں اور الف صورت قدمین پر ہے۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ اللہ ایک مرد ہے نور کا اُسکے سر پر ایک تاج ہے نور کا اور اُسکا دل حکمت کا منبع ہے۔ وہ اعتقاد رکھتا تھا کہ اللہ ہر مکان میں ہے۔ کوئی مکان اُس سے خالی نہیں ہے اور اللہ نے جب جہان کا پیدا کرنا چاہا تو اعمال عباد کو اپنی دو انگلیوں سے لکھا پھر اُنکے معاصی سے غضب میں آیا۔ تو اس سے اللہ کو پسینا چھوٹا۔ اُس پسینے سے دو دریا مجتمع ہو گئے۔ ایک شیریں ایک

تلخ۔ پس خدائے تعالےٰ نے دریائے شیریں میں دیکھا تو عکس اسکا اسمیں پڑا۔ سو خدا تعالےٰ نے تھوڑا سا عکس اُس دریا میں سے نکالکر اُس سے چاند اور سورج بنائے اور باقی کو فنا کر دیا اسواسطے کہ کوئی شریک اسکا باقی نہ رہے پھر دریائے شیریں سے مومن پیدا کئے دریائے تلخ سے کافر بنائے اور اس آیت کی انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا تفسیر یوں کرتا تھا کہ ہم نے پیش کی امانت آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے اور وہ امانت حضرت علی کی امامت تھی کہ تم میں سے کون ایسا ہے کہ اسکو لینا چاہتا ہے اور حضرت علی کو پہونچنا نہیں چاہتا تو کسی نے اس امانت کو قبول نہ کیا تاکہ یہ حق حضرت علی ہی کو پہونچ جائے۔ مگر انسانوں میں سے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے مشورے سے اسکو اختیار کر لیا جبکہ حضرت عمر نے یہ اقرار کر لیا کہ کار امامت میں مَیں حضرت ابوبکر کو مددگار ہونگا اور حضرت عمر نے یہ ذمہ داری اس شرط پر اختیار کی کہ حضرت ابوبکر اپنے بعد مجھے خلافت دیں۔ اور کہتا تھا کہ آیت کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بری منک انی اخاف اللہ رب العالمین۔ یعنے مثال شیطان کی ہے جس وقت کہا اُس نے آدمی کو تو کفر کر پس جب کفر کیا کہا تحقیق مَیں بیزار ہوں تجھ سے مَیں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب سارے جہان کا ہے حضرت ابوبکر و عمر کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اُسکے نزدیک مہدی ذکیا بن محمد بن علی بن حسین بن حضرت علی ابن ابی طالب ہیں اور وہ زندہ ہیں اور کوہ حاجر میں مقیم ہیں جب حکم ربی ہوگا تو اس سے برآمد ہوں گے۔ اور محمد بن علی کے بعد یہ شخص اپنے لئے امامت کا طالب ہوا تھا۔ اور دعوی نبوت کا رکھتا تھا۔ اُسکے زعم میں اُسکا معجزہ یہ تھا کہ وہ اسم اعظم جانتا ہے اور مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور جب مغیرہ مارا گیا تو اُسکے بعضے اتباع کہنے لگے کہ وہی امام منتظر ہے۔

۸۔ بنانیہ یہ متبع ہیں بنان بن سمعان تمیمی ہندی یمنی کے۔ یہ بجائے حلول کے اتحاد کا قائل تھا۔ یعنے اسکا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ حضرت علی کے ساتھ متحد ہوگیا ہے۔ پھر بعد حضرت علی کے محمد بن حنفیہ میں پھر اُنکے بیٹے ابوہاشم عبداللہ

بن محمد ہیں پہر بعد ابو ہاشم کے بنان بن سمعان ہیں یعنے خود اُسکی ذات ہیں اور اللہ تعالےٰ انسان کی صورت پر ہے۔ اور سب کچھ اُسکا ہالک ہے مگر مُنہہ بدلیل ظاہر آیۃ کل شیٔ ھالک الا وجھہ ۰

۵- جناحیہ

یہ عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ جعفر ذوالجناحین بن ابو طالب کے متبع ہیں۔ وہ تناسخ ارواح کا قائل تہا اور ایک عقیدہ اُسکا یہ بہی تہا کہ روح الٰہی انبیا میں دائر سائر ہے۔ پہر حضرت علی میں پہر امام حسن وحسین ومحمد بن حنفیہ اولاد حضرت علی میں دایر رہے پہر اُسکے اندر آئی۔ اسی لئے اُس نے دعویٰ کیا تہا کہ وہ اللہ ہے اور علم اُسکے دل میں یوں اُگتا ہے جیسے زمین سے پہول نیز کا اور امامت بہی اسی ترتیب سے ظہور میں آئی ہے۔ کیونکہ نبوت اور امامت کے معنے اُسکے نزدیک یہی تہے کہ روح الٰہی بدن انسانی میں حلول کرے اس فرقہ کا مذہب یہ ہے کہ شراب و مردار و نکاح محارم و زنا حلال ہے۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن میں جو تحریم مردار و خون و گوشت خوک کی آئی ہے۔ یہ کنایہ ہے ایک قوم سے جنکا بغض لازم ہے جیسے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ اور جس قدر فرائض ماموربہا قرآن میں آئے ہیں وہ کنایہ ہے اُن لوگوں سے جنکی دوستی لازم ہے جیسے حضرت علی وحسن وحسین اور اُن کی اولاد یہ قیامت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ عبد اللہ ملک اصفہان میں کسی پہاڑ کے اندر زندہ موجود ہے عنقریب نکلنے والا ہے۔

۶- منصوریہ

یہ ابو منصور عجلی کے پیرو ہیں۔ یہ شخص ابتدا میں امام جعفر صادق بن محمد باقر کا معتقد تہا جب اُنہوں نے اپنے پاس سے علیحدہ کر دیا تو اس نے یہ دعویٰ کیا کہ بعد امام محمد باقر کے امامت اُسکی طرف منتقل ہوئی ہے اور وہ بعد اس انتقال امامت کے آسمان پر گیا اور معبود نے اُسکے سر پر اپنا ہاتھ پہیرا اور کہا اے بیٹے پہونچا دے میری طرف سے یہ آیت

سلہ ملل و نحل میں بنان ہے بنون۔ اور صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان لفظ میں بائے موحدہ کے بعد نون ہے چنانچہ تعریفات میں یونہی ہے۔ ۱۲

وَاِنْ یَّرَوْا کِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْکُوْمٌ ؕ یعنے اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے گرتا تو کہیں یہ بدلی ہے گاڑہی۔ اُسکے زعم میں کسف ساقط من السماء سے مراد اُسکی ذات تہی۔ اور امامت کے دعوے سے قبل کہتا تہا کہ کسف مذکور سے مراد حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔ اور قایل تہا اسبات کا کہ رسول قیامت تک مبعوث ہوتے رہینگے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوئی ہے۔ اور ایک عقیدہ یہ تہا کہ جنت سے مراد وہ آدمی ہے جسکی دوستی واجب ہے اور وہ امام ہے جیسے حضرت علی ابن ابی طالب اور اُنکی اولاد۔ اور دوزخ سے مراد وہ آدمی ہے جسکی دشمنی واجب ہے جیسے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ۔ اسی طرح کہتا تہا کہ قرآن میں فرائض سے حضرت علی اور اُنکی اولاد مراد ہے اور محرمات سے حضرت ابوبکر وغیرہ مقصود ہیں اور اس تاویل سے مقصد اسکا یہ تہا کہ جو کوئی امام تک پہونچ جاتا ہے اُس سے ساری تکالیف شرعیہ اُٹھ جاتی ہیں بے قید ہو جاتا ہے۔

۷۔ خطابیہ

یہ لوگ ابوالخطاب محمد بن ابو زینب اسدی الاجدع کے تابعین میں سے ہیں۔ یہ شخص بہی ابتداءً امام جعفر کا معتقد تہا جب اُنکو معلوم ہوا کہ میرے حق میں اسکو غلو ہے تو اپنے ہاں سے نکالدیا اُسوقت اُس نے دعوے امامت کیا یہ شبہ بہی تہا۔ اسکے تابع پچاس فرقے ہیں سب کا اسبات پر اتفاق ہے کہ ائمہ جیسے حضرت علی اور اُنکی اولاد یہ سب انبیا ہیں۔ اور ہر امت کے لئے دو رسول ہونا ضرور ہے ایک ناطق دوسرا صامت سو محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی ناطق تھے اور حضرت علی نبی صامت ہیں اور امام جعفر صادق بن محمد باقر نبی تھے پھر انتقال نبوت کا ابوالخطاب کی طرف ہوگیا۔ بلکہ خطابیہ کو یہاں تک غلو ہے کہ انکے نزدیک ائمہ اللہ ہیں اور امام حسن و حسین ابن اللہ ہیں اور امام جعفر صادق بہی اللہ ہے اور وہ یہ نہیں جنہیں لوگ دیکھتے ہیں۔ بلکہ جب وہ اس عالم کیطرف نزول کرتے ہیں تو یہ انسانی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر ابوالخطاب جعفر صادق اور حضرت علی سے افضل ہے اور آلہیت ایک نور ہے نبوت اور امامت سے اور جہان ان

انوار سے کبھی خالی نہیں رہتا ہے۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ جانتے ہیں ان سب کاموں کو جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور انکا زعم یہ ہے کہ امام جعفر بن محمد صادق نے اُنکے پاس ایک کھال امانت رکھی ہے جس کو جعفر کہتے ہیں اُس میں ہر شئے محتاج الیہ کا علم غیب اور قرآن کی تفسیر ہے ان کے اعتقاد میں اس آیت میں ان اللہ یأمرکم ان تذبحوا بقرۃ یعنے اللہ فرماتا ہے تمکو کہ ذبح کرو ایک گائے۔ بقرہ سے مراد ام المؤمنین عائشہ ہیں۔ اور خمر (شراب) و میسر[1] سے مراد حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔ اور جبت[2] و طاغوت سے مراد معاویہ بن ابو سفیان و عمرو بن العاص ہیں۔ ابو الخطاب ہمیشہ اپنے پیرؤں کو سمجھایا کرتا تھا کہ جھوٹی گواہی دینا اپنے موافقین کے لئے جائز ہے۔ اسی لئے کتب فقہ میں لکھا ہے کہ خطابیہ کی گواہی نامقبول ہے۔ اور ابو الخطاب کے مقتول ہونیکے بعد اُسکے اصحاب کئی فرقے ہوگئے۔ ایک فریق نے معمر کی اتباع اختیار کی اور دوسرے نے بزیغ بن یونس کی۔ یہ شخص جلاہہ تھا اور تیسرے[3] نے عمرو بن بیان عجلی کی۔ اور بعض نے مفضل صرفی کی۔ اور بعض نے سریغ کی۔

معمریہ۔ کے زعم میں ابو الخطاب کے بعد معمر نبی ہے جو خاتم الانبیا ہے اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا فنا نہ ہوگی۔ جنت یہی بہتری بھلائی دنیا کی ہے جو انسان کو پہونچتی ہے۔ اور دوزخ اسکی ضد ہے۔ انکے نزدیک شراب پینا زنا کرنا اور تمام برے کام حلال و مباح ہیں۔ انکا مذہب ترک نماز ہے۔ یہ قائل ہیں تناسخ کے۔ کہتے ہیں کہ لوگ مرتے نہیں ہیں بلکہ انکی روحیں انکے غیر میں چلی جاتی ہیں۔

بزیغیہ کا یہ قول ہے امام جعفر بن محمد خدا ہیں اور جن کو یہ لوگ دیکھتے ہیں یہ وہ نہیں ہیں۔ لوگوں کو انکی شبیہہ معلوم ہوتی ہے۔ اور دوسرے آئمہ خدا نہیں مگر وحی اُنکیطرف ہوتی ہے اور معراج اُنکا ملائکہ تک پہونچانے کے لئے حاصل تھا بلکہ انکے عقیدے میں ہر مومن کو وحی آتی ہے کہتے ہیں کہ اصحاب

[1] میسر بفتح میم و کسر سین مہملہ قمار۔ جوا۔ جوا کھیلنا ۱۲ [2] جبت بت اور رمال گو اور جادو اور جادوگر اور معبود باطل اور اظہر یہ ہے کہ جبت شیطان ہے اور طاغوت بضم غین معجمہ گمراہیوں کا مقتدا اور بُت اور معبود باطل ۱۲ [3] دیکھو تاریخ ابو زید بلخی ۱۲

بزیغ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جبرئیل و میکائیل سے بہتر ہیں انکو زعم یہ ہے کہ بزیغ کے معتقد مرتے نہیں ہیں بلکہ انکو عالم ملکوت پر پہونچایا جاتا ہے اور تعلیقہ میں لکھا ہے کہ بزیغیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اپنے مردوں کو صبح و شام دیکھتے ہیں۔

عمریہ کے اقوال مثل اقوال بزیغیہ کے ہیں۔ اتنی بات میں باہم مخالف ہیں کہ انکا عقیدہ یہ ہے کہ لوگ مرتے ہیں اور یہ لوگ ایک خیمہ کناسہ[1] کوفہ پر کھڑا کرکے وہاں جمع ہو کر عبادت امام جعفر صادق کی کرتے تھے جب یہ خبر یزید بن عمیر کو پہونچی تو اس نے عمرو بن بیان کو سولی کناسہ کو فہ پر سولی دیدی اور تاریخ ابو زید بلخی میں مذکور ہے کہ انکو بیانیہ بھی کہتے ہیں اور یہ فرقہ بیان کی نبوت کا قائل ہے اور کہتے ہیں کہ قران میں جو آیا ہے ھذا بیان للناس یعنے یہ بیان ہے لوگوں کے لیئے اس سے ہمارے پیشوا کی ذات مراد ہے۔ اور چونکہ عمرو بن بیان تناسخ اور رجعت کا قائل تھا اسلئے خالد بن عبداللہ قسری نے اسکو قتل کردیا۔

مفضلیہ۔ کا عقیدہ یہ تھا کہ جناب امیر کو حق تعالے کے ساتھ وہ نسبت ہے جو مسیح کو حق تعالے کے ساتھ نسبت ہے۔ یعنے لاہوت ناسوت کے ساتھ ملکر ایک چیز ہو گئے اور رسالت منقطع نہیں ہوتی بلکہ جسکو عالم لاہوت کے ساتھ اتحاد حاصل ہو گیا وہ نبی ہے اور اگر ارشاد خلق اور ہدایت گمراہاں پیشہ کرلیا تو رسول ہے اسی وجہ سے ان لوگوں میں بہت سے آدمی نبوت و رسالت کے مدعی گذرے ہیں اور مفضلیہ کہتے تھے کہ امام جعفر بن محمد خدا ہیں اسپر جعفر نے انکو مطرود و ملعون کردیا۔

فائدہ۔ مرتبہ ذات آلہی کو عالم لاہوت کہتے ہیں اس مقام میں سالک کو فنا فی اللہ حاصل ہوجاتی ہے اور مرتبہ صفات آلہی کو جبروت کہتے ہیں اور مرتبہ اسما آلہی کو ملکوت کہا کرتے ہیں اور ناسوت نام ہے عالم اجسام یعنے دنیا اور اس جہان کا۔

سَرِیغیہ (بفتح سین مہملہ و کسر رائے مہملہ و غین معجمہ) انکا عقیدہ بھی مفضلیہ کیطرح ہے مگر فرق اسقدر ہے کہ یہ پانچ شخصوں کی نسبت قائل ہیں کہ لاہوت نے ناسوت میں حلول کیا ہے۔ ایک محمد صلے اللہ علیہ وسلم دوسرے عباس بن عبدالمطلب تیسرے حضرت علی بن ابی طالب چوتھے جعفر بن ابی طالب پانچویں عقیل بن ابی طالب۔

[1] کناسہ بضم کاف کوفہ میں ایک مقام کا نام ہے ۱۲ منتہی الارب۔

غرابیہ۔ غراب زبان عرب میں کوّے کو کہتے ہیں کہ حضرت علی کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے صورت میں بہت مشابہت ہے جو ایک کوّے کو دوسرے کوّے سے مشابہت ہوتی ہے۔ اُس سے بھی زیادہ یہ دونوں باہم مشابہ ہیں۔ اسی وجہ سے جبرئیل چوک گئے اللہ نے انکو پاس حضرت علی بن ابیطالب کے بھیجا تہا وہ امتیاز نہ کرسکے اور پاس محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے چلے گئے انکے شاعر کا قول ہے ع غلط الامین فجازها عن حیدر

ے جبریل کہ آمد ز بر خالق بیچوں ؛ در پیش محمد شد و مقصود علی بود ؛ پس یہ لوگ اپنی اصطلاح میں جبرئیل علیہ السلام کو صاحب الریش کہتے ہیں اور انپر لعنت کرتے ہیں۔

ذبابیہ ۔ انکا یہ اعتقاد ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اور حضرت علی خدا ہیں اور کہتے ہیں ان دونوں نبی اور خدا میں بہت مشابہت تہی اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم حضرت علی سے اسطرح مشابہ تہے جیسے مکہی سے مکہی مشابہ ہوتی ہے۔ عربی میں ذباب مکہی کو کہتے ہیں اسی لئے یہ لوگ ذبابیہ کہلاتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت میں غرابیہ کی ایک شاخ ہیں کہ اُس عقیدے سے اس عقیدے کی جانب متوجہ ہو گئے۔

ذمیہ (بفتح ذال معجمہ) انکا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب اللہ ہیں اور یہ لوگ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی مذمت کرتے تہے اس زعم پر کہ حضرت علی نے انکو اسلئے بہیجا تہا کہ حضرت علی کے مددگار سربراہ کار رہیں اور لوگوں کو حضرت علی کیطرف بلائیں لیکن محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے دعوٰے نبوت کا کیا اور لوگوں کو اپنی طرف بلانے لگے اور حضرت علی کو اسطرح پر راضی کر دیا کہ اپنی بیٹی انکو بیاہ دی اور یہ کئی فرقے ہو گئے ہیں۔ انہیں سے

علیائیہ ہیں۔ اتباع علیا بن ذراع الدوسی یا اسدی کے وہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل تہا اور حضرت علی کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل بتاتا تہا اور یہ عقیدہ رکہتا تہا کہ آنحضرت نے حضرت علی کے ساتھ بیعت کی تہی اور انکی متابعت اختیار کرلی تہی۔

بعض علیائیہ یہ بہی کہتے ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی دونوں خدا تہے لیکن انکے بہی دو فریق ہو گئے۔ بعضے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو اہلبیت میں مقدم رکھتے ہیں اور بعض حضرت علی کو۔ ان دونوں گروہ کا نام شنیہ ہے کیونکہ یہ آنحضرت کی مذمت نہیں کرتے جسطرح ذمیہ کرتے ہیں بلکہ حضرت علی و محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو خدائی میں شریک جانتے ہیں اور بعض انہیں سے پنجتن یعنے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی اور بی بی فاطمہ اور امام حسن اور امام حسین کو اللہ کہتے ہیں۔ یہ بھی انکا قول ہے کہ یہ پانچوں ایک شے ہیں۔ ان سب میں یکساں روح اُتری ہے ایک کو دوسرے پر کچھ فضل نہیں ہے انکا نام خمسہ اور مخمسہ ہے۔ یہ لوگ بی بی فاطمہ کو ہمیشہ فاطم کہا کرتے تھے۔ علامت تانیث سے احتراز کرتے تھے۔ انکے شاعر کا قول ہے ؎

توليت بعد الله في الدين خمسة نبيا وسبطيه وشيخا وفاطما

اور تعلیقہ میں لکھا ہے کہ مخمسہ کا عقیدہ یہ ہے کہ سلمان اور ابوذر اور مقداد اور عمار اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہم اللہ کیطرف سے مصالح عالم کے موکل ہیں اور توضیح المقال فی علم الرجال میں فرقہ علیائیہ کا نام علیاویہ لکھا ہے اور کہا ہے کہ رئیس انکا بشار شعیری ہے اور اختیار سے نقل کیا ہے کہ علیاویہ کا عقیدہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ رب ہیں جو خاندان علوی ہاشمی میں پیدا ہوئے اور ظاہر یہ کیا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اسکی طرف سے اسکا دوست ہوں اور اللہ کا رسول ہوں محمدیہ طریق میں اور بشار نے اصحاب ابو الخطاب کے ساتھ چار شخصوں میں موافقت کی ہے (۱) حضرت علی (۲) بی بی فاطمہ (۳) امام حسن (۴) امام حسین رضی اللہ عنہم اور اشخاص ثلثہ یعنے بی بی صاحبہ اور حسنین کے معنے تخلیط ہیں یعنے حقیقت انکی ایک ہی ہے چار جامے وعنوان میں ظہور کیا ہے اور وہ حقیقت صرف وجود حضرت علی ہے اسلئے کہ یہی ان سب شخص میں صاحب امامت ہیں۔ اور کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی مخصوص وجود نہیں ہے بلکہ وہ حضرت علی کے بندے ہیں اور حضرت علی رب ہیں اور اُنھوں نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پانچواں مانا ہے جیسا کہ فرقہ مخمسہ نے سلمان کو پانچواں قرار دیا ہے اور انکو رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا گردانا ہے۔ اور علیاویہ نے ان لوگوں کے ساتھ اباحت و تعطیل اور تناسخ میں موافقت کی ہے اور علیاویہ کا نام بعضوں نے علیائیہ رکھا ہے اسوجہ سے کہ انہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ جب بشار شعیری نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ربوبیت

انکار کیا اور حضرت علی کو رب قرار دیا اور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی کا بندہ مانا اور سلمان کی رسالت کا انکار کیا تو وہ مسخ ہو کر ایک پرند بنگیا جسے علیا کہتے ہیں! وہ ہوا میں رہتا ہے پس جو اسکے متبع ہیں انکو علیاویہ کہنے لگے اور عجب یہ ہے کہ منتہی المقال میں لکھا ہے کہ مخمسہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی رب ہیں اور توضیح المقال میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ خطابیہ اور مخمسہ اور علیاویہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے ہوں تو وہ مبطل ہے اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں یہود و نصاریٰ کا لفظ قرآن کی اس آیت میں آیا ہے۔ قالت الیھود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ واحباءہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق۔ یعنے کہتے ہیں یہود و نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اسکے پیارے۔ تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تمہارے گناہوں پر بلکہ تم بھی ایک انسان ہو اسکی پیدائش میں سے۔ کیونکہ خطابیہ و مخمسہ کے نزدیک محمد صلے اللہ علیہ وسلم رب ہیں اور علیاویہ کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ۔ اور خدا سے نہ اولاد پیدا ہوتی ہے اور نہ وہ خود کسی سے پیدا ہوتا ہے لم یلد ولم یولد اسکی شان ہے۔ اور یہ لوگ بشر ہیں تو پھر محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کی آل و اولاد کیسے بن سکتے ہیں اسلئے جو ایسا دعویٰ کرتے ہیں وہ کاذب ہیں یہود و نصاریٰ کی طرح جو اسبات کے مدعی ہیں کہ ہم خدا کی اولاد ہیں۔

اموّیہ۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ جناب امیر آنحضرت کی نبوت و رسالت میں شریک تھے۔

عمامیہ انکا نام ہنعیہ بھی ہے انکا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مکان اصلی آسمان ہے اور وہ موسم بہار میں پردہ ابر کے اندر ہو کر واسطے سیر گلزار اور باغ و بہار کے زمین کیطرف نزول کرتا ہے اور دنیا کا طواف کرتا ہے۔ پھر آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ پھل پھول میوہ غلہ اور سبزہ یہ سب اثر بہار رسی کی وجہ سے ہوتا ہے اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے لئے کوئی جہت نہیں کبھی اوپر کبھی تلے پھرتا رہتا ہے اس فرقہ کا ظہور ۱۲۵ھ ہجری میں ہوا تھا۔

۱۴۱۔ زرامیہ۔ یہ لوگ زرام بن سابق کے اصحاب ہیں انکا یہ عقیدہ تھا کہ امامت بعد حضرت علی ابن ابی طالب کے محمد بن حنفیہ کیطرف منتقل ہوئی پھر انکے بیٹے ابوہاشم عبداللہ کیطرف

پہر علی بن عبداللہ بن عباس کیطرف ابو ہاشم کی وصیت سے آئی پہر اُنکے بیٹے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کیطرف محمد نے اُسکی وصیت اپنے پسر ابو العباس کو کی جو سفاح کے لقب سے مشہور تہا۔ اور مروان بن محمد بن مروان بن حکم بن ابو العاص بن امیہ جس کو مروان حمار کہتے تہے اور خلفائے بنی امیہ میں سے اخیر خلیفہ تھا۔ فتح پاکیا بادشاہ ہوا۔ اور چار برس کچھ زیادہ سلطنت کرکے مرگیا۔ اُسکے بعد بہائی اُسکا ابو جعفر منصور جو بہ سبب بخل کے دوانیقی مشہور تہا سفاح کی وصیت سے امام ہوا۔ اور رزامیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ابو مسلم ساکن مرو میں جو عباسیہ کیطرف سے داعی تہا اللہ تعالی نے حلول کیا ہے اسی وجہ سے انکا غلاۃ میں شمار ہوتا ہے اور باوجودیکہ ابو جعفر نے ابو مسلم کو دغا سے قتل کیا تہا مگر رزامیہ کا یہ زعم ہے کہ وہ مارا نہیں گیا ہے اور یہ لوگ محرمات کو حلال جانتے تہے اور فرائض کو چہوڑ دیا تہا۔

۱۴۔ راوندیہ۔ یہ ایک قوم ہے اہل خراسان سے کہ ابو مسلم خراسانی کے مذہب میں ہیں جو عباسیہ کیطرف سے داعی اور انکی سلطنت کا بانی تہا۔ یہ لوگ حرب بن عبداللہ الراوندی ایک سپہ سالار منصور کیطرف منسوب ہیں اور تناسخ کے قائل ہیں۔ چنانچہ عقیدہ انکا یہ ہے کہ آدم کی روح عثمان بن نہیک میں داخل ہوئی تہی اور کہتے تہے کہ رب ہمارا جو کھانے پینے کو پہونچاتا ہے ابو جعفر منصور بن عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہے جو خلفائے عباسیہ میں سے دوسرا خلیفہ تہا۔ جبکہ یہ بات اُنہوں نے ظاہر کی اور منصور کے محل کے پاس آئے اور کہا کہ یہ قصر ہمارے رب کا ہے تو منصور نے انکے سرداروں کو جو دو سو تہے قید کردیا۔ اسپر اُنہوں نے منصور سے آزردہ ہوکر بغاوت کی اور منصور سے لڑے مگر آخر کار شکست پائی اور مارے گئے یہ واقعہ ۱۴۱ھ ہجری میں ہوا۔ اور منصور کا دار الخلافہ اُسوقت تک شہر ہاشمیہ تہا جو نواح کوفہ میں اُسکے بہائی نے آباد کیا تہا۔

۱۵۔ ابلمیہ۔ یہ منجملہ راوندیہ کے ہیں انکا اعتقاد یہ ہے کہ امامت بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی و امام حسن و حسین اور محمد بن حنفیہ میں آئی پہر ابو ہاشم عبداللہ بن حنفیہ

میں پھر اُن سے منتقل ہو کر علی بن عبداللہ بن عباس میں بطور وصیت کے آئی پھر ابو العباس سفاح میں پھر ابو مسلم صاحب دعوت بنی عباس میں۔

حکایت ناحیہ کش ضلع ماوراء النہر میں ایک شخص نے اہل مرو سے جو آنکھ سے کانا تھا اور اسکو ہاشم کہتے تھے یہ دعوی کیا کہ اللہ کی روح ابو مسلم میں منتقل ہو کر آئی ہے پھر ابو مسلم سے اُسکے اندر منتقل ہو گئی ہے۔ یہ دعوت اُس یک چشم کی اُس علاقہ میں پھیل گئی۔ وہ اپنے اصحاب سے پردہ کرتا تھا۔ اور اپنے لئے ایک مُنہ اُس نے سونے کا بنایا تھا اسلئے مقنع کہلانے لگا اُسکے یاروں نے چاہا کہ اسکو دیکھیں اُن سے وعدہ کیا کہ میں آپ کو نہیں دکھاؤنگا اگر تم چل نہ جاؤ اور اپنے سامنے ایک آتشی شیشہ جلانے والا رکھا جسپر سورج کی دھوپ پڑتی تھی۔ جب بعض معتقد اُسکے اندر آئے جل گئے باقی بھر گئے اور فتنے میں پڑ گئے۔ اور معتقد ہوگئے کہ وہ خدا ہے ہم اسکو آنکھیں نہیں دیکھ سکتی ہیں یا لیے جنگ و حرب میں اسکو اللہ کہکر پکارتے تھے۔

۱۶۔ **نصیریہ**۔ تعلیقہ میں مذکور ہے کہ یہ لوگ محمد بن نصیر نمیری کے متبع ہیں انکا قول ہے کہ رب علی بن محمد عسکری ہے اور محمد بن نصیر علی بن محمد کی طرف سے نبی ہے اُنھوں نے محارم کو حلال کر دیا تھا۔ اور جن عورات کے ساتھ نکاح ناجائز ہے اُنکے ساتھ نکاح جائز کر دیا تھا۔ اور کشی میں مذکور ہے کہ نصیریہ ایک فرقہ ہے جو محمد بن نصیر فہری نمیری کی نبوت کا قایل ہے۔ اور غضایری میں ہے کہ محمد بن نصیر کیطرف فرقہ نصیریہ منسوب ہے، اور خلاصہ میں بھی ہے کہ محمد بن نصیر فرقہ نصیریہ کا رئیس ہے اور اسی سے یہ فرقہ شروع ہوا ہے۔ اُسی طرف یہ لوگ منسوب ہیں۔ اور منتہی المقال اور توضیح المقال میں لکھا ہے کہ فی الحال شیعہ کے عوام بلکہ اکثر خواص خصوصاً شعرا میں یہ بات مشہور ہے کہ جو حضرت علی کی ربوبیت کا قایل ہے وہ نصیری ہے۔ اور کتب اہل سنت میں بھی یہی مشہور ہے کہ نصیریہ کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالے نے حضرت علی میں حلول کیا ہے یا اُنکے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ اور کہتے ہیں حضرت علی اور اُنکی اولاد چونکہ سب سے افضل ہیں اور مؤید ہیں ساتھ ایسی تائیدات کے کہ جو اسرار باطنی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسلئے

اللہ تعالے پر ضرور ہوا کہ وہ انکی صورتوں میں ظہور کرے۔ اور انکی زبان سے بات کہے۔ پس یہ لوگ ائمہ کو خدا اعتقاد کرتے ہیں اور دلیل اپنے قول پر یہ لاتے ہیں کہ نبی نے تو مشرکین کے ساتھ جنگ کی اور حضرت علی نے منافقین کے ساتھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر ظاہر حال پر حکم کرتے تھے اور اللہ تعالے باطن کو دیکھتا ہے۔

۱۷۔ اسحاقیہ۔ انکا یہ عقیدہ ہے کہ زمین پیغمبر سے کبھی خالی نہیں رہتی اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالے ائمہ کے ساتھ متحد ہو گیا ہے مگر انمیں باہم اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت علی کے بعد اللہ تعالے کس سے متحد ہوا۔

۱۸۔ مقنعیہ۔ یہ متبع ہیں حکم بن ہاشم کے جسکا لقب مقنع تہا اور ۱۶۳ھ ہجری میں ظہور کیا یہ آدمی نہایت عقیل فیلسوف وقت تہا اور ہر ایک صنعت سے واقف تہا خاصکر علم بلاغت و فن شعبدہ و حیل و طلسمات و سحر و نیرنجات اور اکثر علوم فلاسفہ میں ید طولے رکھتا تہا۔ اور عجیب و غریب چیزیں ایجاد کرتا تہا۔ یہانتک کہ شہر نخشب میں جو ملک ماوراء النہر میں سمرقند سے تین منزل پر واقع ہے اور اہل عرب اسکو معرب کرکے نسف کہا کرتے ہیں ایک کنواں تیار کیا تہا۔ شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر کوہ سیام کے دامن میں اور اس کنوئیں کے اندر ایک چاند سحر و شعبدہ کے ساتھ پارے اور اور چیزوں سے بنایا تہا۔ یہ چاند مغرب کے وقت اس کنوئیں سے نکلتا اور رات بہر روشن رہتا اور اسکی روشنی پندرہ میل تک پہونچتی تہی۔ طلوع فجر سے قبل غائب ہو جاتا تہا۔ دو مہینے تک برابر اسی طرح یہ چاند طلوع و غروب کرتا رہا۔ مقنع اپنے آپکو خدا بتاتا تہا۔ اور اسکے اصحاب اس دعوی میں اسکی تصدیق کرتے تہے جب اس نے بہت زور باندھا تو مہدی محمد بن منصور خلیفہ بغداد و امرائے خراسان و سرداران ماوراء النہر نے بڑا بہاری لشکر اسپر بہیجا مقنع کو شکست ہوئی۔ ایک قلعہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ متحصن ہو گیا۔ اور جب محاصرہ سے تنگ آگیا تو بہت سی آگ جلوائی اور اپنے معتقدوں کو خوب ہی شراب پلائی جب وہ نشہ میں مدہوش ہو گئے تو سب کو جلا کر جلا دیا اور راکھ سب کی اڑا دی۔ پہر آپ ایک برتن میں تیزاب بہر کر اس میں بیٹھ گیا۔ تیزاب کی تاثیر سے وہ بہی

پانی ہوگیا۔ محاصرین کو ابھی تک یہ خیال تہا کہ سب محصورین قلعہ میں موجود ہیں ایک عورت اُس قلعہ میں بیماری کی وجہ سے ایک کونے میں پڑی ہوئی تہی وہ بچ گئی تہی جب سے افاقہ ہوا تو قلعہ میں تنہائی کی وجہ سے گھبرائی اور دیوار پر چڑہکر پکاری کہ قلعہ میں سوائے میرے کوئی نہیں ہے۔ لوگ اوپر چڑھ گئے اور کواڑ کھولدئے لشکر داخل ہوا دیکھا تو واقعی قلعہ کو خالی پایا۔ مقنع کے بعض معتقد جو پہلی ہی لڑائیوں میں اُس سے علیحدہ ہوگئے تہے تاسف کرنے لگے کہ فی الحقیقت وہ خدا تہا۔ ہم ساتھ نہ ہوئے۔ ورنہ اُسکے ساتھ آسمان پر چڑھ جاتے۔ وہ عورت اگرچہ مرض میں بیہوش تھی مگر کبھی کبھی آواز و غل سنکر کچھ کچھ حالات سے مطلع ہوجاتی تہی۔ اُس نے یہ ساری کیفیت بیان کی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقنع کے معتقدوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امام حسن کے بعد وہ خدا ہے اور خدا چار بتاتے ہیں۔ چوتھا خدا مقنع کو کہتے ہیں مقنعیہ اگرچہ اسماعیلی تہے مگر اسوجہ سے کہ مقنع کی الوہیت کی تصدیق کی غلاۃ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور بعض زرامیہ بھی مقنع کی الوہیت کے قایل ہوگئے تہے مقنع اگر الوہیت کا مدعی نہ ہوتا تو اسکا شمار اسماعیلیہ میں ہوتا کیونکہ فی الحقیقت یہ اسماعیلی تہا اور برملا مذہب تشیع کا اظہار کرتا تہا۔

کیسانیہ

واضح ہو کہ کیسانیہ منسوب ہیں کیسان[1] کیطرف کہ حسب تحقیق صاحب صحاح و قاموس وغیرہ اہل لغت

[1] کیسان نام شخصے از چیلہائے سبط اکبر حسن مجتبےٰ بود (از تحفہ اثنا عشری) اور ملل ونحل میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غلام تہا منتہی المقال فی احوال الرجال میں کشی کتاب سے نقل کیا ہے کہ اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ ایکبار میں نے مختار کو کہ وہ بچہ تہا حضرت علی کی ران پر بیٹھے دیکھا اور آپ اُسکے سر پر ہاتھ پہیر پہیر کر فرماتے تہے یا کیس یا کیس اور تعلیقہ میں بھی اسیطرح ہے اور کیس حبیب کے وزن پر زیرک کے معنے میں ہے اور کشی نے مختار کے ذکر میں کہا ہے کہ اسکا لقب کیسان اسلئے مقرر ہوا کہ اُسکے کوتوال ابو عمرہ کا نام تہا مختار کو بھی اسکی وجہ سے کیسان کہنے لگے اور بعض کہتے ہیں کہ کیسان حضرت علی کے غلام کا نام تہا اُس نے مختار کو حضرت امام حسین کے خون کا بدلہ لینے کو آمادہ کیا تہا اسلئے مختار بھی کیسان مشہور ہوگیا۔

نام ہے مختار بن ابو عبید ثقفی کا جو واسطے بدلہ لینے حسین علیہ السلام کے کھڑا ہوا تھا۔ مگر ارباب تواریخ کی یہ رائے ہے کہ کیسان حضرت علی بن ابی طالب کا غلام تھا امام موصوف کی وفات کے بعد محمد بن حنفیہ کی رفاقت میں رہا۔ اور علوم غریبہ اُن سے حاصل کیئے اور یہ کل سات فرقے ہیں۔ انہیں قدر مشترک محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل ہونا ہے یہ محمد حضرت علی مرتضےٰ کے بیٹے ہیں۔ ابن حنفیہ اسلئے کہلاتے ہیں کہ انکی ماں ایک عورت شیعیا نام خولہ بنت جعفر نام قوم بنی حنیفہ سے تھیں ٦٩ سال کی عمر پائی سنہ ٨١ھ ہجری میں انتقال کیا۔

ایک کیسانیہ۔ جو منسوب ہیں کیسان مذکور کیطرف یہ شخص امام حسینؑ کی شہادت کے بعد بہت سے مسلمانوں کو موافق کرکے واسطے بدلہ لینے امام حسینؑ کے کھڑا ہوا مگر دشمنوں پر کامیاب نہ ہوا۔ آخرکار مارا گیا۔ یہ کیسان اور اسکے مرید امام حسن کی امامت کے منکر تھے۔ انکا یہ عقیدہ تھا کہ امام بعد جناب امیر کے محمد بن حنفیہ ہیں اسلئے کہ جناب امیر نے جنگ جمل وصفین میں نشان اُنہیں کے ہاتھ میں دیا تھا اور امام حسن نے معاویہ سے صلح کرلی تھی تو امامت کی لیاقت سے خارج ہوگئے تھے اور امام حسین نے صلح کے باب میں بھائی کی پیروی کی تو وہ بھی امامت کی لائق اسکے نزدیک نہ رہے تھے۔ اس فرقہ کا ظہور سنہ ٦٥ھ ہجری میں ہوا تھا۔

دوسرے مختاریہ۔ یہ لوگ مختار بن ابو عبید بن مسعود ثقفی کے اتباع ہیں جسکو بعد قتل کیسان کے اسکے پیرووں نے رئیس بنایا تھا۔ یہ سنہ ٦٦ھ ہجری میں واسطے بدلہ لینے حسین علیہ السلام کے کھڑا ہوا اور کوفہ پر غالب آیا اور رجم غفیر نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور طلب انتقام خون امام ہمام پر مختار کے ساتھ بیعت کی تھی اور اس نے شمر ذی الجوشن اور خولی اصبحی جس نے سر امام حسینؑ کا بدن سے جدا کیا تھا اور عمر بن سعد بن ابی وقاص کو کہ منجملہ مقاتلین امام ہمام کے تھا اور ابن عمر اور عبید اللہ بن زیاد حاکم عراق کو بھی بہت سے کشت وخون کے بعد قتل کیا اور مفتاح النجا میں مذکور ہے کہ واقعہ مختار میں ملک شام کے ستر ہزار آدمی کام آئے۔

اور اسی نے رسم ماتم عاشورا و نوحہ و شیون کی جاری کی ہے۔ تاکہ شیعہ میری جانبداری میں کوتاہی نہ کریں اور ایک کرسی کی تعظیم و تکریم کرانے لگا۔ کہتا تھا کہ یہ کرسی جناب امیرؑ کی ہے اور نام اسکا تابوت سکینہ رکھا۔ تواریخ میں لکھا ہے کہ یہ کرسی طفیل بن جعدہ ایک روغن فروش کی دوکان سے اٹھا لایا تھا امیر المومنین کی نہ تھی پھر کہنے لگا مجھے علم غیب ہے اور جبرئیل میرے پاس آتے ہیں ان بدعات کی وجہ سے ۶۷ھ ہجری میں مصعب برادر عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ سے جو امام حسینؑ کے داماد اور بی بی سکینہ دختر امام شہید کے شوہر تھے کوفہ میں شکست پاکر مارا گیا اور ترمذی نے عبداللہ بن عمر سے جو روایت کی ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فی ثقیف کذاب و مبیر یعنے قوم ثقیف میں ایک بڑا جھوٹا اور ایک مفسد و ہلاک کو ہوگا۔ اسی طرح ابو نوفل معاویہ مسلم تابعی سے مسلم نے جو روایت کی ہے کہ جب حجاج نے عبداللہ بن زبیر کو سولی دی تو اسماء انکی والدہ نے کہا کہ آنحضرت نے ہم سے بیان فرمایا تھا ان فی ثقیف کذابا و مبیرا سو علماء کذاب کو اسی مختار پر اور مبیر کو حجاج بن یوسف پر حمل کرتے ہیں مختار اگرچہ صاحب علم و فضل تھا مگر صحابی نہ تھا۔ ہاں اسکا باپ جلیل القدر صحابیوں میں سے تھا اور پہلے مختار اہلبیت رسالت سے نہایت دشمنی رکھتا تھا یہاں تک کہ انکی عداوت میں مشہور تھا اور بعد از شہادت امام حسینؑ اظہار محبت کیا۔ اور یہ سب واسطے طلب دنیا اور طلب امارت کے تھا چنانچہ ملل و نحل میں شہرستانی کہتا ہے کہ مختار پہلے خارجی تھا پھر زبیری بنا پھر شیعی اور کیسانی ہوگیا۔ قصہ مختصر مختار اور اسکے اتباع جناب امیر کے بعد بلا فاصلہ محمد بن حنفیہ کو امام جانتے تھے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ مختاریہ امام حسن اور امام حسین کی بھی امامت کے مقر تھے اور کہتے تھے کہ امام حسین کے بعد کار امامت محمد بن حنفیہ سے متعلق ہوگیا ہے۔ مختاریہ وہی لوگ تھے جنہیں کیسانیہ کہا کرتے تھے مختار نے انکا نام مختاریہ مقرر کر دیا تھا جبکہ مختار مارا گیا اور لوگ اسکے افعال و اقوال پر نکتہ چینی کرنے لگے تو مختاریہ نے دوبارہ اپنے آپ کو کیسانیہ مشہور کر دیا۔ جب محمد بن حنفیہ نے انتقال کیا تو کیسانیہ امامت میں مختلف ہوگئے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کار امامت کا بعد انکے اولاد امام حسن و حسین کی طرف ہوگیا۔ بعض نے کہا کہ امامت ابوہاشم عبداللہ بن

محمد بن حنفیہ کی طرف منتقل ہو گئی۔

تیسرے کربیہ۔ اصحاب ابو کریب ضریر یہ لوگ حضرت علی مرتضیٰ کے بعد محمد بن حنفیہ کو امام مانتے ہیں اسلیئے کہ اُنھوں نے نشان لشکر بصرہ میں انکو دیا تہا اس امر کو محمد بن حنفیہ کی امامت کو نص جانتے ہیں اور انکا زعم یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ زندہ ہیں مرے نہیں۔ مدینہ کے پاس کوہ رضوی کے ایک درے میں اپنے چالیس اصحاب کے ساتہہ مخفی ہیں اور اُنکے پاس دو چشمے قدرت سے شہد و پانی کے جاری ہو گئے ہیں۔ امام منتظر و مہدی موعود وہی ہیں وہ ظہور کرینگے تو سارا عالم عدل و انصاف سے بہر جائیگا کثیر شاعر کہ انکا ایک شیعہ ہے کہتا ہے

وسبط لا یذوق الموت حتی　　یقود الخیل یقدمہ اللواء

یغیب فلا یریٰ فیھم زمانا　　برضوی عندہ عسل و ماء

اور یہ لوگ اکثر جمعہ کی راتوں کو اس پہاڑ میں جمع ہو کر عبادت کیا کرتے تہے شیعوں میں سے پہلے جو شخص صاحب الزمان کے مخفی ہونے کا قایل ہوا ہے وہ یہی ابو کریب ہے کہ کہتا تہا کہ امام دشمنوں کے خوف سے چھپ گئے ہیں پہر ایک مدت کے بعد ظاہر ہونگے اور زمین کو عدل سے بہر دینگے۔ اور یہ بات پہر شیعوں میں رائج ہو گئی اور جو امام جن شیعوں کی مرضی کے موافق تہا وہ اُسی کو صاحب الزمان جانکر دشمنوں کے خوف سے اُسکے غائب ہو جانیکے معتقد ہو گئے۔

چوتھے اسحاقیہ۔ یہ لوگ اسحاق بن عمر کے معتقد ہیں عقیدہ انکا یہ ہے کہ امامت بعد محمد بن حنفیہ کے اُنکے بیٹے ابو ہاشم کی طرف انتقال کیا۔ ابو ہاشم کے بعد اُنکی اولاد میں امامت کو منتقل جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر ایک باپ اپنے بیٹے کے لئے وصیت کرتا گیا تہا۔

پانچویں حربیہ جو کندیہ کے لقب سے بہی ملقب ہیں۔ یہ لوگ عبداللہ بن حرب کندی کے پیرو ہیں جو اسحاقیہ میں سے ایک سرگروہ تہا اور ابو ہاشم بن محمد بن حنفیہ کے بعد عبداللہ بن حرب کو امام جانتے ہیں کہ اسکی امامت کے لئے ابو ہاشم نے وصیت کر دی تہی۔

چھٹے عباسیہ۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہاشم بن محمد حنفیہ کے بعد امامت حضرت علی بن ابی طالب کے گھرانے سے نکل گئی اور اولاد عباس عم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہو گئی چنانچہ علی ابن عبد اللہ بن عباس کو امام بنانے لگے۔ اور پھر انکی اولاد کو امام جاننے لگے۔ یہانتک کہ منصور دوانقی تک امامت اس خاندان میں قائم جانتے تھے اور خدا کی شان کہ جو خیالی پلاؤ اپنے ذہنوں میں یہ لوگ پکا رہے تھے۔ وہ خاندان عباسیہ میں وقوع میں آگیا اور مرتبہ امامت کو یہ پہنچ گئے مگر تعجب یہ ہے کہ یہ صرف منصور عباسی ہی تک امامت کے قائل ہیں۔

ساتویں طیاریہ۔ انکا عقیدہ یہ تہا کہ ابو ہاشم بن محمد حنفیہ نے عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابو طالب کے لئے امامت کی وصیت کر دی تہی۔ اسلئے بعد ابو ہاشم کے عبد اللہ امام ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ کیسانیہ جن لوگوں کو امام بتاتے تہے وہ اس دعوے سے انکار کرتے تہے اور کہتے تہے کہ یہ لوگ ہمارے اوپر افترا کرتے ہیں کیسانیہ اسکے جواب میں کہتے تہے کہ یہ انکار ہمارے ائمہ کا بوجہ خوف جان کے ہے دشمنوں کے ڈر سے تقیہ کرتے ہیں کیونکہ ابھی مروانیہ مدینہ کے حاکم ہیں انکی طرف سے اندیشہ ایذا کا ہے۔ بعد اسکے مذہب تشیع میں تقیہ نے بہت رواج پالیا۔

اسماعیلیہ

انکا اعتقاد یہ ہے کہ امامت بعد وفات جعفر صادق کے انکے پسر کلان اسماعیل پر موقوف ہے اسلئے کہ امام جعفر نے انکی امامت کے لئے کہدیا تہا اور سب اولاد جعفر میں وہ نجیب بھی ہیں اسلئے کہ انکی ماں جنکا نام فاطمہ ہے حسن بن امام حسن بن حضرت علی بن ابو طالب کی بیٹی ہیں حالانکہ اسماعیل جنکی کنیت ابو محمد ہے امام جعفر کے سامنے عریض میں کہ مدینہ میں ایک وادی ہے جہاں اہل مدینہ کے اونٹ چرتے ہیں[1] مر گئے تھے اور ۱۳۳ سنہ میں بقیع الغرقد

[1] دیکھو منتہی الارب فی لغات العرب۔

میں جو مدینہ کا ایک قبرستان ہے مدفون ہوئے تھے اور پھر والد انکے دس برس تک زندہ رہے تھے۔ یہ اسماعیلیہ بھی امام کے بعد فوت کے دنیا میں لوٹ آنے کے قائل ہیں یہ گویا قائل ہونا ہے ساتھ تناسخ ارواح کے۔ یہ کہتے ہیں کہ ایک جزو الٰہی نے ائمہ میں حلول کیا ہے بعد علی کرم اللہ وجہہ کے اس وجہ سے ائمہ بطریق وجوب مستحق امامت ہیں جس طرح کہ آدم علیہ السلام مستحق بسجود ملائکہ تھے۔ یہی رائے عقیدہ تھا فاطمیین کا بلاد مصر میں اور اسماعیلیہ کا ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر و مختار نہیں ہے۔ جب کسی چیز کو پیدا کرتا ہے وہ بے اختیار موجود ہو جاتی ہے جیسے سورج سے شعاع بے اختیار نکلتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ صاحب ارادہ ہے بلکہ جو کچھ اس سے صادر ہوتا ہے وہ اسکی ذات کو لازم ہے جیسے آگ کو گرمی اور آفتاب کو روشنی۔

واضح ہو کہ اسماعیلیہ کو بابکیہ بھی کہا کرتے ہیں اس وجہ سے کہ بابک نام ایک عجمی آدمی تھا اس نے جب زمانہ خلافت بنی عباس میں آذربائیجان میں خروج کیا تھا تو اس فرقہ کے بہت سے آدمی اسکے شریک و معاون ہوگئے تھے اور اسکو بابک خرم دین کہا کرتے تھے۔ معتصم نے [illegible] خروج کیا تھا خلیفہ نے افشین کو اس سے جنگ کرنیکے لئے مامور کیا جس کی کوشش سے بابک مقتول ہوگیا۔ اور محمرہ بھی انکا لقب ہے اور اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ خروج کے وقت [illegible] سرخ لباس پہننا اختیار کیا تھا۔ [illegible] انہیں حمیرا کہا کرتے تھے۔ ابتدا ظہور اسماعیلیہ کا [illegible] ہجری میں ہوا۔ اسماعیلیہ کے کئی فرقے ہیں جنمیں قدر مشترک یہ ہے کہ بعد جعفر صادق کے اسماعیل امام ہیں۔

۱۔ مبارکیہ یہ منسوب ہیں مبارک کے [illegible] محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کا غلام تھا اور خوش نویس [illegible] بعد انتقال اسماعیل اور محمد بن اسماعیل کے اس نے کوفہ میں جا شیعہ کوفہ کو مذہب اسماعیلیہ کی طرف ترغیب دی اور اپنے پیرووں کا نام مبارکیہ رکھا انکے نزدیک بعد اسماعیل کے محمد بن اسماعیل امام ہیں اور محمد کو یہ لوگ خاتم الائمہ جانتے۔

[illegible]

ہیں اور کہتے ہیں وہی قائم ومنتظر اور مہدی موعود ہیں۔ اس فرقہ کا ظہور ۲۵۹ھ ہجری میں ہوا اور بعضے اسکے فرقہ کو قرامطہ بھی کہتے ہیں اسلیے کہ مبارک کا لقب قرمط تھا۔ اور تحقیق اسکی میں آگے بیان کرتا ہوں۔

۲- میمونیہ یہ عبداللہ بن میمون قداح ہوازی کے پیرو ہیں جو فنون شعبدہ وسحر وطلسمات جانتا تھا۔ مبارک نام غلام محمد بن اسماعیل کی صحبت میں مدفون ہوا تھا۔ جب مبارک اسکی صلاح سے کوفہ میں جاکر داعی مذہب اسماعیلیہ کا ہوا تو یہ کوہستان عراق پھر شہر بصرہ میں گیا اور وہاں گیا اور وہاں کے لوگوں کو بزور طلسمات ونیرنجات اپنا معتقد بناکر میمونیہ انکا نام رکھا اور اپنے نائب جا بجا روانہ کیئے اسکا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن وحدیث کے ظاہری مضمون پر عمل کرنا حرام ہے اور حشر کا اور جزا وسزا کا بھی منکر تھا اور اسی نے اول طریقہ باطنی نکالا کہ کہتا تھا نصوص قرآن وحدیث کے باطن پر عمل کرنا فرض ہے نہ انکے ظواہر پر اسی واسطے اسکے فرقہ کو باطنیہ بھی کہا کرتے تھے یہ عبداللہ فوت ہوکر بصرہ میں مدفون ہوا۔

۳- خلفیہ یہ منسوب ہیں طرف خلف کے جسے عبداللہ بن میمون نے اپنا نائب کرکے خراسان اور قم اور کاشان اور طبرستان کی طرف بھیجا تھا یہ بھی قیامت اور بہشت ودوزخ کا منکر تھا اپنے معتقدوں سے کہا کرتا تھا کہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے مذہب تراش لئے ہیں تکلیفات اور تشریعات کی تنگی میں پھنس گئے ہیں اور لذتوں اور مزوں سے محروم ہو رہے ہیں اور اسکا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن وحدیث میں جو روزہ اور نماز اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر ہے یہ سب اپنے معانی لغوی پر محمول نہیں۔ انکے دوسرے معنے مراد ہیں۔ نیشاپور اور رے کی رعایا بھی اسکے داؤں میں آگئی اسکے انتقال کے بعد احمد نام اسکا بیٹا باپ کا جانشین ہوا۔ اس نے غیاث نامی ایک شخص کو جو نہایت فصیح وبلیغ اور شاعر اور مکار وغدار تھا اپنا نائب بنایا اور عراق کیطرف بھیجا اس شخص نے پہلے پہل ایک کتاب اصول مذہب باطنیہ میں تصنیف کرکے اسکا نام بیان رکھا۔ اور تشیع میں فلسفہ اور الحاد ملادیا۔

۴۔ قرامطہ رئیس اور پیشوا اس مذہب کا حمدان اشعث معروف بہ قرمط ہے پس اسکی طرف یہ لوگ منسوب ہیں اور حمدان کو قرمط اسلئے کہتے ہیں کہ وہ کوتاہ پا تہا۔ چلنے میں قریب قریب قدم رکہتا تہا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ قرمط ایک جگہ کا نام ہے واسط کے علاقہ میں جہاں یہ شخص رہا کرتا تہا۔ اس شخص نے اپنے اتباع کا نام قرامط رکہا تہا۔ اور یہ لقب اُسکے معتقدوں پر اتنا غالب و رائج ہوگیا کہ پہر کوئی آدمی مبارکیہ کو قرامطہ نہیں کہتا تہا۔ حرف اُسی کے پیروؤں کو قرامط کہا کرتے تہے واللقرامطہ لفظ سارے مبارکیہ کا ہے۔ اسلئے کہ مبارک کا یہ لقب تہا۔ اسکے اتباع اپنے قول کو علم باطن کہتے ہیں شرائع اسلامیہ کی تاویل کرتے ہیں۔ ظاہر سے طرف امور مزعومہ اپنے کے پہیرتے ہیں۔ آیات قران کو ماؤل بتاتے ہیں اور انکا دعوے اس باب میں ایک تاویل بعید ہے اور قرامطہ کے نزدیک اسمٰعیل بن جعفر خاتم الائمہ ہیں اور وہ زندہ ہیں۔ یہ لوگ حرام چیزوں کو مباح جانتے ہیں۔ ابتدا مذہب قرمط کی ۲۷۸ھ ہجری میں ہوئی۔ سیوطی نے تاریخ الخلفا میں خلیفہ مقتدر باللہ عباسی کے حالات میں لکہا ہے وفی سنۃ احدی وثلثمائۃ ادخل الحسین الحلاج مشہورا علی جمل الی بغداد فصلب حیا ونودی ہذا احد دعاۃ القرامطہ فاعرفوہ ثم حبس الی ان قتل فی سنۃ تسع اشیع عنہ انہ ادعی الالھیۃ یعنے مقتدر نے حسین بن منصور حلاج کو اونٹ پر سوار کرا کر تشہیر کیا پہر اُسکو سولی دی اور لاش کو جلوا دیا اور لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ وہ فرقہ قرامطہ کا داعی ہے اور یہ واقعہ ۳۰۹ھ ہجری میں ہوا اور یہ مشہور کیا گیا کہ یہ الوہیت کا مدعی تہا۔ اور ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں لکہا ہے کہ حسین حامد وزیر مقتدر کی وجہ سے مارا گیا کہ اسکو حسین کے قتل پر بڑا اصرار تہا۔ وزیر نے حسین کو پکڑ کر بہت بحث کی مگر کوئی بات اُسکے منہ سے ایسی نہ نکلی جو شرع اسلام کے خلاف سمجہی جاتی۔ آخرکار حسین کی تالیفات میں سے ایک کتاب ملی جس میں مرقوم تہا جب انسان حج کا ارادہ کرے اور اُس سے نہ بن پڑے تو اپنے مکان میں سے ایک کوٹہڑی پاک صاف سی منتخب کرکے اور اُسمیں کوئی آدمی نہ گہسے جب حج کے دن آئیں تو اسکا طواف کرے اور جو کچہ حجاج عمل کرتے ہیں وہ یہ بہی کرے پہر تیس یتیم اُس کوٹہڑی میں جمع کرکے

اچھا کھانا جو اُس سے ہو سکے اُنکو کھلا دے اور کپڑے پہنا دے اور ہر ایک کو سات درم دیدے پس یہ شخص پہنچ لے اُس شخص کے ہوگا جس نے حج بیت اللہ کا کیا ہے وزیر نے یہ کتاب قاضی ابو عمر کو سنوائی قاضی نے حسین سے دریافت کیا کہ یہ تو نے کہاں سے لکھا ہے اُس نے کہا حسن بصری کی کتاب اخلاص سے۔ قاضی کے منہ سے نکل گیا تُنے حلال الدم (کشتنی) ہی تو نے وہ کتاب مکہ میں پڑھی ہے اُس میں یہ کہاں ہے وزیر نے قاضی کا وہ لفظ پکڑ لیا اور اصرار کرکے حسین کے مباح الدم ہونے کا فتوی لکھا لیا اور اس فتوے پر اور فقہا سے بھی مہریں کرا لیں۔ جب حلاج کو خبر ہوئی کہ میرے قتل پر فتوے لیا گیا ہے تو کہا میرا خون تمکو حلال نہیں میرا دین اسلام ہے اور مذہب سنت ہے اور میری اپنا بیعت کتابیں موجود ہیں میرے خون سے درگذر کرو۔ اور خدا سے ڈرو۔ مگر وزیر نے حلاج کی ایک نہ سنی اور خلیفہ سے اجازت لے کر ایک ہزار کوڑے لگواکر اور ہاتھ پاؤں کٹواکر پھر قتل کراکر آگ میں جلواکر سر اُسکا بغداد میں لٹکوا دیا

حلاج زہد و تصوف ظاہر کیا کرتا تھا کرامات دکھایا کرتا تھا۔ گرمی کا میوہ سردی کے موسم میں اور سردی کا گرمی کے موسم میں لوگوں کے واسطے موجود کرتا۔ جو کچھ وہ گھروں میں کھاتے اور کرتے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا بتا دیتا تھا۔ اور ہاتھ ہوا میں پھیلا کر غیب سے درہم پیدا کر دیتا جن پر لکھا ہوتا قل ہو اللہ احد اور انکا نام دراہم قدرت رکھا تھا۔ آدمیوں کے خیالات اسکی نسبت مختلف ہو گئے تھے۔ بعضے کہتے تھے اسمیں جزو الہی نے حلول کیا ہے۔ بعضے اسے ولی جانتے تھے اور جو کچھ اس سے ظاہر ہوتا اُسے کرامت سمجھتے۔ بعضے کہتے تھے وہ شعبدہ باز ساحر کاہن جھوٹا آدمی ہے جیبرہ برس روز تک مکہ میں حجر اسود کے پاس رہا کبھی سایہ میں نہیں گیا۔ دن بھر روزہ رکھتا شام کو پانی سے افطار کرکے صرف تین لقمے خالی روٹی کے کھاتا اسکے سوا کچھ نہ کھاتا تھا بغداد میں آیا تو یہ نوبت پہونچی اور ابو الفدا نے اپنی تاریخ میں ایک اور مقام پر لکھا ہے قرامطہ کوفہ کے علاقہ کی طرف ۲۷۸ ہجری میں آئے تھے اور جس شخص نے انکو دعوت اپنے مذہب اور دین کیطرف کی تھی وہ کوفہ کے علاقہ میں ایک موضع میں بیمار ہو گیا پس ایک آدمی اُسے

اپنے مکان پر لے گیا جو بسبب سُرخی چشم کے کرمیتہ کہلاتا تھا کہ گنواروں کی بولی میں سرخی
چشم کو کہتے ہیں۔ جب شیخ مذکور کو الہام ہوا تو وہی اُس شخص کے نام کے ساتھ مشہور ہوگیا
اُس سے مبدل و مخفف کرکے قرمط کہنے لگے۔ اس شیخ نے جنگل کے رہنے والوں کو جو بے علم
وحشی بے عقل تھے اپنے دین کیطرف بلانا شروع کیا۔ وہ لوگ اسکی متابعت میں آگئے۔
اُس نے ظاہر کیا تھا کہ میں ایک کتاب لایا ہوں جس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا تھا۔
کہتا ہے فرج بن عثمان اور وہ رہنے والا قریہ نصرانہ کا ہے کہ وہ داعی ہے مسیح کا اور وہ مسیح عیسیٰ
ہے اور وہی عیسیٰ کلمہ ہے اور وہی مہدی ہے اور وہ مسیح احمد بن محمد بن حنفیہ ہے اور
وہی جبریل ہے۔ اور بتحقیق مسیح انسان کی صورت بن گیا ہے اور کہا بتحقیق تو ہی بلانیوالا ہے
اور تو ہی حجت ہے اور تو ہی ناقہ ہے اور تو ہی دابہ ہے اور تو ہی یحییٰ بن ذکریا ہے
اور تو ہی روح القدس ہے اور بتایا اسکو کہ نماز چار رکعت ہیں دو رکعت طلوع شمس کے
قبل اور دو رکعت غروب کے قبل اور اذان ہر نماز میں یوں دینا چاہیئے۔ اللہ اکبر
اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان آدم
رسول اللہ اشہد ان نوحا رسول اللہ اشہد ان ابراہیم رسول اللہ اشہد ان
عیسیٰ رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان احمد بن محمد ابن الحنفیۃ
رسول اللہ اور قبلہ بیت المقدس کیطرف ہے اور جمعہ پیر کا دن ہے۔ اس دن کوئی کام
نہ کرنا چاہیئے۔ اور ہر ایک رکعت میں استفتاح پڑھنا چاہیئے۔ جو احمد بن محمد بن حنفیہ پر نازل ہوئی
ہے بعد اسکے رکوع میں جانا چاہیئے اور استفتاح کی عبارت یہ ہے الحمد للہ بکلمتہ
وتعالی باسمه المتخذ لاولیائه باولیائه قل ان الاهلة مواقيت للناس ظاهرها ليعلم عدد
السنين والحساب والشهور والايام وباطنها اوليائي الذين عرفوا عبادي سبيلي
واتقوني يا اولي الالباب وانا الذي لا اسئل عما افعل وانا العليم الحكيم وانا الذي ابلوا
عبادي وامتحن خلقي فمن صبر على بلائي ومحنتي واختباري ادخلته في جنتي و
ادخلته في نعيمي ومن زال عن امري وكذب رسلي اخلدته مهانا في عذابي واتممت
اجلي واظهرت امري على السنة رسلي وانا الذي لم يعل جبار الا وضعته ولا عزيز

الاذلتہ وبئس الذی اصر علی امرہ ودام علی جہالتہ وقال لن نبرح علیہ عاکفین وبہ موقنین اولئک ہم الکافرون۔ یعنے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ثابت ہیں ساتھ کلمہ اسکے کے اور برتر ہے ساتھ نام اپنے کے اور قوت دینے والا ہے اپنے دوستوں کو ساتھ دوستوں اپنے کے تو کُہہ ہلال وقت ٹھہرے ہیں واسطے لوگوں کے ظاہر پر اُن سے معلوم ہوتی ہے تعداد برسوں اور حساب مہینوں اور دنوں کی اور باطن ہلالوں کا میرے دوستوں کے لئے ہے ایسے دوست جنہوں نے میرے بندوں کو میری راہ بتلائی ہے۔ اور ڈرو تم مجھہ سے اے صاحبان عقل اور میں وہ ہوں کہ نہ سوال کیا جاؤنگا اُس چیز سے جو میں کرونگا اور میں عالم ہوں بردبار ہوں اور میں وہ ہوں کہ مبتلا کرتا ہوں اپنے بندوں کو امتحان کرتا ہوں اپنی مخلوق کا جو صبر کریگا میری بلا اور میری محبت اور میرے اختیار پر داخل کرونگا میں اُسے جنت میں اور ہمیشہ رکھونگا اُسکو اپنی نعمت میں اور جس نے میرے حکم سے سرتابی کی اور میرے رسولوں کو جھٹلایا میں اُسکو ہمیشہ اپنے عذاب میں ذلیل رکھونگا۔ اور اپنی اجل کو میں تمام کرونگا اور میں اپنے ہر کو رسولونکی زبان سے ظاہر کرونگا اور میں وہ ہوں کہ نہیں تعلی کریگا کوئی سرکش مگر میں پست کرونگا اُسے اور نہ کوئی زبردست مگر ذلیل کرونگا اُسے اور وہ آدمی برا ہے جو اپنے کام پر اصرار کرے اور اپنی جہالت پر جما رہے اور یہ بات کہے کہ ہم اُس کام پر اڑے رہیں گے اور اسی کو حق جانیں گے۔ اور وہی لوگ کافر ہیں اور اسکی شرائع میں سے یہ بات تھی کہ نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال بتاتا تھا اور جنابت یعنے ناپاکی کے بعد غسل کرنا اُسکے نزدیک ضروری نہ تھا صرف وضو کرلینا کافی سمجھتا تھا اور اس نے حلال کیا تھا گوشت نیش والے درندہ کا جو شکار کرتا ہو اپنے نیش سے اور اُس طائر پنجہ گیر چنگل والے کا جو شکار کرتا ہو اپنے چنگل یعنے ناخن سے جو فی الحقیقۃ حرام ہیں اور پیاسیوں کے دو دنوں میں اُس نے روزہ رکھنا تجویز کیا تھا۔ ایک نوروز کے دن دوسرے مہرگان کے دن کہ وہ نام ہے ماہ مہر کی سولہویں تاریخ کا۔

میں خیال کرتا ہوں کہ یہ قرامطہ اور ہیں ورانکا شمار اسماعیلیہ میں نہیں ہونا چاہئے اسلئے کہ اسماعیلیہ کو محمد بن حنفیہ یا اُنکی اولاد کی امامت سے سروکار نہیں ہاں حمدان اشعث کہ منبع اسماعیلی ہیں۔

۵ مغیبطیہ یہ لوگ یحیی بن ابی الشمیط احمسی کے پیرو ہیں یہ شخص مختار کے لشکر کا ایک سردار تھا۔ مختار نے اسکو لشکر بصرہ پر امیر کردیا تھا وہ مصعب بن زبیر سے جنگ

کرتا رہا اور مقام مدار میں مارا گیا۔ اسکے نزدیک جعفر صادق کے بعد امامت اُنکے پانچوں بیٹوں کو پہونچی کہ اول اسماعیل امام ہوئے پھر محمد بن موسیٰ کاظم پھر عبداللہ افطح پھر اسحاق اور محمد بن اسماعیل کی امامت کا تو منکر نہ تھا مگر یہ کہتا تھا کہ وہ مرگئے ہیں اور پھر دنیا میں نہیں آئینگے۔

۶۔ برقعیہ یہ پیرو ہیں محمد بن علی برقعی کے جس نے ۲۵۵ھ ہجری میں اہواز میں خروج کیا تہا اور اپنے آپ کو علویہ کیطرف منسوب کرکے امامت کا دعوے کیا اور علوی عین اور لام کے فتح سے حضرت علی کی اُس اولاد کو کہتے ہیں کہ جو حضرت فاطمہؓ کے سوا اور کسی بی بی سے ہو۔ حالانکہ یہ شخص علوی نہ تہا بلکہ اسکی ماں کے ساتھ ایک علوی نے نکاح کرلیا تہا اور اپنی ماں کے ساتھ یہ بہی اس علوی کے یہاں آیا تہا اور یہیں پرورش پائی تہی۔ بصرہ اور اہواز کے بعض علاقوں پر غالب آگیا اور ہزاروں آدمیوں کو اپنی بیعت میں لے لیا اور آخر کار معتضد خلیفہ عباسی کے لشکر سے ۲۷۰ھ میں شکست کھاکر قید ہوا اور بغداد میں اُسکو معتضد نے سولی پر چڑہایا۔ اور تمام شیعوں کے فرقوں میں سے اول جس نے تقیہ ترک کیا وہ یہی محمد بن علی برقعی ہے کہ برملا مذہب تشیع کو ظاہر کرنے لگا۔ اور برقعی اور مقنع اور قرمطی کے درمیان میں خط کتابت بہی اپنے عقائد فاسدہ کے پھیلانے میں اور اہل سنت وجماعت کا مذہب مٹانے میں رہا کرتی تہی اسکے پیرو معاد اور احکام شرائع کے منکر ہیں اور نصوص کی تاویل کرتے ہیں اور بعض انبیا کی نبوت کا بہی انکار کرتے ہیں۔ اور انپر لعنت کرنے کو واجب جانتے ہیں (نعوذ باللہ)

۷۔ جنابیہ یہ لوگ ابوسعید بن حسن بن بہرام جنابی کے اتباع ہیں اس شخص نے معتضد عباسی کے عہد میں خروج کیا اور بحرین کے تمام علاقہ میں رفتہ رفتہ اپنے اس مذہب کو پہیلا دیا کہ حشر ونشر اور معاد کی ساری باتیں جھوٹے قصے ہیں۔ اور احکام شرع پر عمل کرنا نہ چاہئے بلکہ ایسے شخص کا قتل کرنا واجب ہے۔ چنانچہ تیسری صدی میں ابوسعید جنابی موسم حج میں مکہ میں بہت سی جمعیت لیکر چڑھ آیا۔ اور تین ہزار حاجیوں کو قتل کیا جب ۳۰۱ھ میں اپنے ایک خدمتگار کے ہاتھ سے حمام میں مارا گیا۔ تو اسکا بیٹا ابو طاہر سلیمان اُسکا قائم مقام ہوا اور ہجر اور احسا اور قطیف اور تمام ملک بحرین

پر قابض و متصرف ہوگیا اور سنہ ۳۱۵ میں کوفہ پر چڑہائی کی۔ اور مقتدر خلیفہ عباسی کے لشکر کو پسپا کر کے اُسے لوٹ لیا اور دریائے فرات کیطرف بہت سے شہر غارت کئے اور کام اسکا بڑہتا رہا اور اس نے مذہب باطنیہ کو رواج عظیم دیا۔ اور سنہ ۳۱۷ میں موسم حج میں مکہ معظمہ میں بہت سی جمعیت کے ساتھ آیا امیر مکہ ابن محلب اور اُسکے ساتھیوں کو قتل کیا اور مسجد الحرام میں گھوڑے پر سوار داخل ہوا اور شراب کا پیالہ ہاتھ میں تہا جسے وہاں پیا اور اپنے گھوڑے کو سیٹی دی تو اس نے مسجد کے بیچ میں پیشاب کر دیا اور حاجیوں کو بڑی بیدردی سے قتل کرا کر چاہ زمزم میں ڈلوا دیا اور باقی کو مسجد حرم میں دفن کرا دیا۔ اور خانہ کعبہ کا غلاف اتروا کر یاروں کو تقسیم کر دیا اور دروازہ کعبہ کو اُکھڑوا ڈالا اور میزاب کے اُکھیڑنے کو بھی ایک آدمی چڑہایا کہ وہ گر کر مر گیا۔ اور حجر اسود کو اُکھڑوا کر مقام ہجر کو لے گیا جو اسکا دار الحکومت تھا اور وہاں سنڈاسوں میں ڈلوا دیا اور پھر اُٹھوا کر رکھ لیا اور بائیس برس تک حجر اسود اُسکے پاس رہا یہانتک کہ سنہ ۳۳۹ میں خلیفہ عباسی مطیع اللہ ابو القاسم مفضل بن مقتدر بن معتضد نے تیس ہزار دینار کو اُس سے خرید کر کے بدستور خانہ کعبہ میں رکھوا دیا اور مطلب اُسکا حجر اسود اُکھیڑنے سے یہ تہا کہ آدمی بد اعتقاد ہو جاویں اور پھر کبھی یہاں طواف کو نہ آئیں۔ ابو طاہر قرمطی نے یہانتک زور پکڑ لیا تہا کہ سنہ ۳۲۲ میں تمام بحرین اور یمامہ کا مالک ہوگیا۔ اور تقیہ کو بالکل ترک کر دیا۔ یاد رہے کہ میمونیہ اور خلفیہ اور تمیطیہ اور برقعیہ اور جنابیہ ان پانچوں فرقوں کا شمار قرامطہ میں ہے اور ان تمام فرقوں کو **باطنیہ** بھی کہتے ہیں اِسلئے کہ انکا زعم یہ ہے کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور مراد باطن قرآن ہے اور اسی پہ یہ عمل کرتے ہیں اور ان کے زعم میں ظاہر قرآن جو لغت سے مفہوم ہوتا ہے عمل کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کار شرعی کا مقصود باطن ہے نہ ظاہر مثلاً روزہ کا باطن یہ ہے کہ مذہب کو مخفی رکھے اور حج کا باطن امام کے پاس پہونچنا ہے اور نماز کا باطن امام کی فرمانبرداری ہے۔ اسی واسطے امام مالک بن انس نے کہا ہے کہ فرقہ باطنیہ کی توبہ قبول نہیں اسلئے کہ شاید انکی توبہ کا بھی باطن ہو اور اصول عقائد میں یہ سارے باطنیہ مخالف نہیں البتہ بعضے فروع میں باہم مخالفت کرتے ہیں اور باطنیہ خاص اس باب میں کہ نصوص قرآن و حدیث ظاہر پر محمول نہیں مصوبہ اور خطابیہ کے

خوشہ چین ہیں جنکا ذکر غلاۃ شیعہ میں ہو چکا۔

۸- مہدویہ یہ لوگ قائل ہیں اس بات کے کہ عبید اللہ جس نے اپنا لقب مہدی رکھا تھا امام ہے اور یہ مہدی اپنے آپ کو اسمٰعیل بن جعفر کی اولاد سے بتاتا تھا اور اپنے تابعین کا مہدویہ نام مقرر کیا تھا اور امامت کا دعوے کرتا تھا اسیوجہ سے انکا خاندان اسماعیلیہ بھی کہلاتا ہے۔ فرقہ مہدویہ کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ عبید اللہ مہدی موعود ہے اور دلیل اس بات پر یہ حدیث پیغمبر بیان کرتے تھے وعلی رأس ثلثمائۃ تطلع الشمس من مغربھا۔ یعنے سنہ ۳۰۰ ہجری کے شروع میں آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا۔ اور کہتے تھے کہ اس حدیث میں آفتاب سے مراد مہدی ہے اور مغرب سے مراد ملک مغرب ہے۔ مگر یہ حدیث قطعًا موضوع ہے اور یہ تاویل بھی انکی مخترعات سے ہے۔ اسماعیلیہ تو دین اسلام کے منہدم کرنیوالے ہیں پھر انکی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ سلم ایسی پیشین گوئی کیونکر فرماتے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اتبک بہت لوگوں نے دعوی کیا ہے کہ ہم مہدی ہیں پس بعضوں نے تو اس لفظ سے معنے لغوی مراد رکھے ہیں۔ یعنے مقصود انکا یہ تھا کہ ہم ہدایت کرنیوالے ہیں انہیں تو کچھ گفتگو کی جگہ نہیں۔ اور بعضوں نے دعوی کیا کہ ہم وہی مہدی ہیں جنکی قیامت کے قریب آنیکی پیغمبر خدا نے خبر دی ہے۔ اور یہ دعوی انکا باطل تھا مگر انپر بھی جاہل لوگ جمع ہو گئے۔ ہندوستان میں بھی سید محمود جونپوری نے علانیہ مہدی ہونے کا دعوی کیا اور دکن اور راجپوتانہ میں بہت سے مسلمانوں نے انکے اتباع سے اپنا لقب مہدویہ رکھدیا بعض مسائل میں اہلسنت وجماعت سے خلاف کرنے لگے مثلاً نماز میں دعا کے وقت رفع یدین کرتے اور بعض احکام میراث میں بھی خلاف رکھا اور کہتے تھے کہ مہدی موعود ہمارا پیشوا تھا کہ ظاہر ہوا اور مر گیا اور انکا یہ اعتقاد تمام جمہور کے عقیدے برخلاف ہے کیونکہ مہدی موعود کا قرب ہے اور شیعہ اثنا عشری کا عقیدہ یہ ہے کہ مہدی موعود حسن عسکری کے فرزند محمد ہیں اور وہ مرے نہیں بلکہ لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو گئے ہیں اور وہ امام زمانہ ہیں اپنے وقت پر ظاہر ہونگے مگر یہ صحیح نہیں اسلیئے کہ ابو داؤد کی حدیث سے ثابت ہے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمنام ہونگے اور انکے بھی باپ کا نام عبداللہ ہوگا۔ دوسرے اسی حدیث

سے ثابت ہے کہ مہدی حضرت امام حسن کی اولاد سے ہونگے اور بعض حدیثوں میں جو انتساب اُنکا امام حسین کیطرف آیا ہے سو یہ اسوجہ سے ہے کہ ماں اُنکی امام حسین کی اولاد میں سے ہونگی یعنے باپ کی جانب سے حسنی ہونگے اور ماں کیجانب سے حسینی۔ اور محمد بن حسن عسکری باپ کی جانب سے حسینی ہیں۔ تیسرے شیعہ کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ اللہ تعالےٰ پر امام کا مقرر کرنا واجب ہے اور اللہ پر یہ بات جائز نہیں کہ زمانہ امام سے خالی رکھے اور اُنکے نزدیک امامت کا حصر اُنہی بارہ ائمہ میں ہے جنکے لئے عصمت کا واجب ہونا ثابت کرتے ہیں اس صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ اللہ تعالےٰ پر جو کچھ واجب تھا اُسے ترک کیا کہ حسن عسکری کی وفات کے بعد اُنکے بیٹے محمد کو امام نہ بنایا بلکہ کار امامت کو آخر زمانہ تک ڈھیل میں ڈالدیا اگر شیعہ جواب میں یہ کہیں کہ محمد بن حسن اسوقت بھی امام ہیں تو یہ کہا جائیگا کہ ایسے امام کے وجود سے کیا فائدہ ہے جو چھپا ہوا رہتا ہے۔ عاجز ہے ظلم کے دور کرنے پر قادر نہیں[۱]۔

تاریخ ابوالفدا میں لکھا ہے کہ آئمہ مہدویہ کی سلطنت کی ابتدا افریقہ میں ۲۹۶ھ سے ہوئی ہے اُنمیں سے پہلے جس شخص نے پہلے ملک گیری کی وہ ابو محمد عبید اللہ بن محمد بن عبد اللہ قداح بن میمون بن محمد بن اسمٰعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن حضرت علی بن ابی طالب ہے۔ اور بعض کتابوں نے اسکا سلسلہ یوں ملایا ہے عبید اللہ بن احمد بن اسمٰعیل ثانی بن محمد بن اسمٰعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن حضرت علی بن ابی طالب اور علما کو اسکی نسب کی صحت میں بڑا اختلاف ہے جو لوگ اسکی امامت کے مقر ہیں وہ کہتے ہیں کہ نسب اُسکا صحیح ہے اور وہ بلاشبہ سید علی فاطمی ہے اور بہت سے علمائے علوی بھی کہ نسب ناموں کے بڑے واقفکار تھے اثبات کی تصدیق کرتے ہیں مگر علمائے محققین کہتے ہیں کہ یہ نسب نامہ بالکل غلط ہے اسلئے کہ اسمٰعیل بن جعفر اپنے باپ کے سامنے مدینے میں مر گئے تھے اور اسمٰعیل کے بیٹے محمد جعفر کے ہمراہ بغداد میں آئے اور وہاں لاولد فوت ہوئے ملک مغرب کے منساب (نسب نامے جاننے والے) کہتے ہیں کہ وہ عبید اللہ بن سالم

---

[۱] دیکھو سبائک الذہب فی نسل قبائل العرب ۔

بصری کی اولاد سے ہے اور اسکا باپ بصرہ میں نانبائی کی دوکان کیا کرتا تھا۔ اور عراق کے
نسّاب (انساب نامے جاننے والے) کہتے ہیں کہ وہ یہودی کی نسل سے ہے اور اُسکا نام عبید اللہ
نہیں بلکہ سعید نام ہے اور وہ بیٹا تھا احمد بن عبد اللہ قداح ابن میمون بن دیصان کا اور
بعضوں نے عبید اللہ بن محمد بن عبد اللہ قداح بیان کیا ہے اور بعضوں نے سعید بن حسین
بن محمد بن احمد بن عبد اللہ قداح۔ یہ حسین بن احمد بن عبد اللہ قداح جب مقام سلمیہ علاقہ
حمص میں گیا تو ایک یہودن کے حسن و جمال کا ذکر اُسکے سامنے ہوا اور شوہر اسکا جو لوہار تھا
مر چکا تھا حسین نے اُس سے نکاح کر لیا تھا۔ اس عورت کے ایک لڑکا پہلے شوہر لوہار سے
ہی تھا حسین اُسے بہت چاہنے لگا۔ اور اُسکی تعلیم میں بڑی کوشش کی۔ چونکہ حسین لاولد
تھا تو اُسی کے لئے وصیت کی اور اُسے دعوت کی اسرار سکھائے اور سارا مال اور کل علاقات
اُسے دیدیں پھر اُس نے بڑی ترقی پکڑی اور عبید اللہ مہدی کے نام سے شہرت حاصل کی
اور حلی نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ عبد اللہ قداح بن میمون کے دادا کا نام اسود ہے یہ عبد اللہ
بنی مخزوم کے موالی میں سے تھا اور تیر بنایا کرتا تھا اسلیئے قداح کہلاتا ہے اُسکا باپ ابو جعفر
اور ابو عبد اللہؑ سے روایت کرتا ہے اور وہ ابو عبد اللہ سے راوی ہے۔ اور کتاب نجاشی
میں مذکور ہے کہ اُسکی تصنیف سے دو کتابیں ہیں کہ ایک میں جناب سرور کائنات کے مبعث
کے اخبار مذکور ہیں دوسری میں صفت جنت و دوزخ کا حال ہے۔ اور انساب سمعانی میں
آیا ہے کہ میمون جعفر کا غلام تھا اور عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن جعفر کے ساتھ مکتب میں رہتا تھا جب
اُنھوں نے وفات پائی تو اسماعیل کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اور جب اسماعیل نے بھی وفات
پائی تو اس نے دعویٰ کیا کہ میں اسماعیل کا بیٹا ہوں حالانکہ وہ میمون کا بیٹا تھا۔ مورخین عبد اللہ
قداح ابن میمون کے باب میں بڑی قیل و قال کرتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ میمون پدر عبد اللہ نے
میزان نام ایک کتاب زندیقوں کی تائید میں لکھی ہے اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کرتا تھا کہ
آل نبی کا خالص شیعہ ہوں میمون کے بیٹا پیدا ہوا۔ اُسکا نام عبد اللہ رکھا اور چونکہ وہ آنکھیں بنایا
کرتا تھا اسلیئے اُسے قداح کہا کہ۔ تنے تھے میمون نے عبد اللہ قداح کو پختہ کار کر دیا اور دعوت کے
طریقے اور اسرار سکھا دیئے۔ پھر عبد اللہ اصفہان کیطرف سے اہواز اور بصرہ اور سلمیہ میں آیا

لوگوں کو تشیع اور اہلبیت کی طرف بلانے لگا اُسکے انتقال کے بعد احمد یا محمد نامی اُسکا بیٹا
قائم ہوا اور اس نے رستم بن حسین بن حوشب بن زادان بخار کوفی کو یمن کیطرف بیجا کہ وہ
لوگوں کو اسکے مذہب کیطرف ہدایت کرے اور پہر ایک شخص ابو عبداللہ حسین بن احمد بن محمد بن ذکریا
کوفہ کیطرف کا رہنے والا اُسے ملگیا ابن حوشب نے اُسکو بہت سا مال و اسباب دیکر رعایائے
مغرب کو مذہب مہدی کیطرف دعوت کے لئے بیجا اور اس نے ایسے ہاتہ پانوں پہیلائے
کہ وہاں کا فرمانروا زیادۃ اللہ جو آخری بادشاہ بنی اغلب کا تہا رمضان ۲۹۶ھ میں افریقہ
سے بہاگ گیا اور ابو عبداللہ شیعی وہاں قابض ہوگیا۔ اور اگرچہ ابہی تک اس مذہب کا نام
مہدویہ نہیں ہوا تہا مگر درصل بنیاد اس مذہب کی اسی وقت سے سمجہنا چاہیے۔
اسلئے جب محمد نے سلمیہ میں انتقال کیا اور اپنے بیٹے عبیداللہ کے واسطے خلافت و
نیابت کی وصیت کردی اور دعاۃ کا حال دیتا بتا دیا تو عبیداللہ نے اپنا لقب مہدی باللہ
رکہا۔ جب مکتفی خلیفہ عباسی کو اسکا حال معلوم ہوا تو اپنے حضور میں طلب کیا اور ابو محمد
عبیداللہ مہدی اور اُسکا بیٹا ابوالقاسم جس نے بعد عبیداللہ کے اپنا لقب قائم بامر اللہ
رکہا تہا اور ۳۲۲ھ ہجری تک سارے افریقہ اور مغرب کا مالک ہوگیا تہا دونوں سوداگروں کے
بہیس میں مصر ہوتے ہوئے مغرب میں طرابلس کی طرف بہاگ گئے وہاں ایک مقام پر
دونوں قید ہوئے پہر ابو عبداللہ شیعی نے رہائی دی اور بڑے جلوس کے ساتہ مہدی
کو ابو عبداللہ شیعی افریقہ میں لیگیا اور ۲۹۷ھ میں مہدی سارے افریقہ کے شہروں کا
مالک ہوگیا اور خلفائے عباسیہ کی حکومت سے وہ ملک نکل گیا ۳۰۸ھ میں مہدی نے افریقہ
میں ساحل بحر پر ایک شہر آباد کرکے اُسکا نام مہدویہ رکہا اور اُسکو اپنا دارالسلطنت بنایا۔
خلفائے مصر کا مورث اعلیٰ یہی ہے۔ بلاد افریقہ و مغرب میں انکی حکومت نے بڑی قوت
پکڑی مذہب اسماعیلیہ کا اعلان کرنے لگے اُسکے داعی زمین مصر کی طرف پہیل گئے ایک
خلق کثیر نے اُنکی دعوت قبول کی پہر معزالدین اللہ ابو تمیم معد بن اسمٰعیل منصور بن قائم محمد ابن مہدی
عبیداللہ ۳۵۸ھ میں ابو حسین جوہر اپنے والد کے غلام کی کوشش سے بعد وفات کافور اخشیدی والی
مصر کے مصر کا مالک بن بیٹہا جہاں جوہر نے قاہرہ آباد کیا اور اپنا لشکر شام کیطرف روانہ کیا

تمام ملک مغرب و مصر و بلاد شام میں بھی یہ مذہب پھیل گیا۔ انکی سلطنت کو دولت عبیدیہ کہا کرتے ہیں اور جاہل لوگ انکے خاندان کو علوی فاطمی جانتے ہیں۔ سیوطی نے رسالہ زینبیہ میں لکھا ہے کہ صدر اول میں لفظ شریف کا اطلاق ہر ایک اُس آدمی پر ہوتا تھا جو اہل بیت میں سے تھا خواہ حسنی ہو یا حسینی یا علوی یا محمد بن حنفیہ کی اولاد میں سے یا حضرت علی کے دوسرے بیٹوں کی اولاد میں سے یا جعفری یا عقیلی یا عباسی جبکہ فاطمیوں کا مصر پر قبضہ ہوا تو انھوں نے فقط اولاد امام حسن و حسین پر استعمال اس لفظ کا متصور کر دیا۔ انتہی ملخصا۔ اور حافظ ابن حجر نے کتاب الالقاب میں لکھا ہے کہ بغداد میں ہر عباسی اور مصر میں ہر علوی لفظ شریف کے ساتھ ملقب تھا قاضی ابو بکر باقلانی کہتے ہیں کہ عبیداللہ الملقب بہ مہدی نہایت شریر خبیث اور مکار تھا یہ باطنیہ کا عقیدہ رکھتا تھا دین اسلام کی بربادی کے بڑا درپے تھا علما کو قتل کراتا تھا تاکہ بری مخالفت پر لوگوں کو وعظ و نصیحت نہ کریں اور اُسکی اولاد بھی اُسی وطیرے کی نکلی۔ زناکاری اور شراب کو مباح کر دیا تھا۔ عبیدیوں سے پیشتر اسماعیلیہ کے پاس سوائے کتاب البیان باطنیہ مولفہ غیاث کے اور کوئی کتاب نہ تھی جب مہدویہ نے مصر اور مغرب پر تسلط حاصل کیا تو ان کے خاندان میں بڑے بڑے علما صاحب تصانیف اور داعی پیدا ہوئے جیسے نعمان بن محمد بن منصور قاضی اور علی بن نعمان اور محمد بن نعمان اور عبدالعزیز اور محمد بن مسیب اور مقلد بن مسیب عقیلی اور ابو الفتوح رجوان اور محمد بن عمار کتابی الملقب بامام الدین وغیرہ خاصکر مستنصر کے عہد میں عامر بن عبداللہ رواحی یمنی اور علی ابن قاضی محمد بن علی صلیحی یمن کا قاضی زادہ یہ دو بڑے بڑے داعی تھے یہانتک کہ علی بن محمد نے ۴۲۹ھ سے یمن میں ایسا قدم جمایا اور مسمی نجاح رئیس تہامہ کو زہر دلوا کر ۴۵۲ھ سے دو برس کے عرصہ میں یعنے ۴۵۵ھ تک ساری قلمرو یمن کا بتدریج مالک ہوگیا اور اہل یمن کو مذہب مہدویہ میں کر لیا یمن میں قوم بنی یام اور قوم بنی ہمدان اسماعیلی المذہب ہیں اور بعد انکے اور بڑے بڑے داعی بھی گذرے ہیں جیسے صالح بن رزیک ارمنی وزیر فائز بن ظافر ہے اور فقیہ عمارہ یمنی صاحب تاریخ یمن بھی باطن میں شافعی تھا اور ظاہر میں مہدویہ کا داعی۔ اور حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا کو بھی اسماعیلی المذہب بتاتے ہیں اور

احمد بن عبد اللہ مولف رسالہائے اخوان الصفا کا بھی یہی مذہب تہا۔ اور فوائد المجموعہ میں لکھا ہے کہ رسائل اخوان الصفا کا واضع زید بن رفاعہ ہے۔ انکے اتباع جنکا لقب مہدویہ ہے جسطرح عبید اللہ مہدی بن محمد کے اسلاف کو امام جعفر صادق تک امام منصوص جانتے ہیں اسلئے کہ ہر ایک باپ اپنے بیٹے کی امامت کے لئے تنصیص کر دیتا تہا۔ اسی طرح عبید اللہ مہدی کے بعد اُسکے بیٹے ابو القاسم محمد الملقب قائم بامر اللہ کو پھر اُسکے بیٹے ابو طاہر اسمٰعیل الملقب منصور باللہ کو پہر اُسکے بیٹے ابو تمیم معد الملقب معز الدین اللہ کو پہر اُسکے بیٹے ابو منصور نزار الملقب عزیز باللہ کو پھر اُسکے بیٹے ابو علی منصور الملقب حاکم بامر اللہ کو پہر اُسکے بیٹے ابو الحسن علی الملقب ظاہر لاعزاز دین اللہ کو پہر اُسکے بیٹے ابو تمیم معد الملقب مستنصر باللہ کو امام منصوص مانتے ہیں مستنصر کے بعد سے مہدویہ میں اختلاف واقع ہوگیا۔ اور دو فرقے بنگئے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ مستنصر نے اول اپنے بہائی نزار کی امامت کے لئے اپنے بعد نص کی پہر اپنے بعد ابو القاسم احمد الملقب مستعلی باللہ اپنے بیٹے کی امامت کے لئے بہی نص کر دی سو ایک جماعت نے نص ثانی کو نص اول کا ناسخ قرار دیا اور مستعلی کو امام برحق جانا چنانچہ انکو **مستعلویہ** کہا کرتے ہیں۔ بعد مستعلی کے اُسکا بیٹا ابو علی منصور الملقب آمر باحکام اللہ پہر منصور کا چچا زاد بھائی ابو میمون عبد المجید الملقب حافظ الدین اللہ ابن امیر ابو القاسم محمد بن مستنصر پہر عبد المجید کا بیٹا ابو منصور اسمٰعیل ثانی الملقب ظافر باللہ پہر اسکا بیٹا ابو القاسم الملقب فائز بنصر اللہ پہر اُسکے بعد ابو محمد عبد اللہ الملقب عاضد لدین اللہ امام ہوا اور عاضد فائز کا بیٹا نہ تہا جیسا کہ صاحب تحفہ اثنا عشری نے جانا ہے بلکہ عاضد یوسف کا بیٹا ہے اور یوسف بیٹا ہے عبد المجید حافظ الدین اللہ کا اور اس خاندان میں سوائے حافظ اور عاضد کے کوئی اور ایسا آدمی خلیفہ نہیں ہوا جسکا باپ خلیفہ نہ ہو اور امیر یوسف خلیفہ نہ تہا جیسا کہ تاریخ ابو الفداء و تاریخ الخلفاء مؤلفہ سیوطی وغیرہ میں لکھا ہے اور شاہ عبد العزیز صاحب نے جو عبد المجید کو احمد کا بیٹا بیان کیا ہے یہ بہی درست نہیں۔ وہ احمد کا بیٹا نہیں محمد کا بیٹا ہے۔ مستنصر کے دو بیٹے تہے احمد و محمد احمد کو امامت ملی جسکا لقب مستعلی ہوا اور محمد کو امامت نہ ملی۔ احمد منصور کا باپ تہا۔ اُسکے بعد منصور ہی امام ہوا۔ جب منصور مرا تو محمد کا بیٹا عبد المجید

ابو میمون امام ہوا۔ اور تحفہ میں ان خلفا کے ناموں کی نسبت اور بہی کئی غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ اور مجالس المؤمنین میں غلطی سے ابو تمیم معد مستنصر کو قاہر کا بیٹا لکھا ہے حالانکہ ان خلفا میں قاہر کسی کا لقب نہ تہا۔ اور معد مستنصر علی بن منصور کا بیٹا ہے اور علی کا لقب ظاہر لاعزاز دین اللہ ہے۔

مہدویہ میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ امام حکومت و ولایت کے وقت گناہوں سے معصوم ہوتا ہے نہ قبل اسکے اور بعض کہتے ہیں کہ قبل اس سے بہی معصوم ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ امام کا حکم ہر ایا مذار مرد و عورت پر لازم الاتباع ہے۔ اگرچہ مرضی کے برخلاف ہو پس اگر امام کسی عورت کا عقد کسی مرد کے ساتہہ کر دے تو یہ عقد دونوں پر لازم ہو جاتا ہے اور فسخ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اور تمام معاملات بیع اور اجارہ وغیرہ میں امام کا حکم نافذ ہے اور یہ بہی عقیدہ ہے کہ امام کو خدائے تعالےٰ کے ساتہہ مانند حضرت موسیٰ کی ہمکلام ہونا چاہیئے۔ اور حاکم عبیدی کو اس باب میں بڑے بڑے دعوے تھے اور اکثر کوہ طور پر جاتا اور لوگوں پر ظاہر کرتا کہ مجہہ سے خدا نے کلام کیا ہے۔ اور مہدویہ کے نزدیک امام کے لئے علم غیب کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ شیعہ اثنا عشری کا زعم ہے اور انکا اعتقاد یہ ہے کہ لفظ علی جو برادر اوپر کا ترجمہ ہے درود میں آل پر داخل کرنا یعنے یوں کہنا حرام ہے اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد بلکہ یوں کہنا چاہیئے اللھم صل علی محمد وآل محمد اور اس حرمت کے استدلال میں یہ حدیث موضوع بیان کرتے ہیں من فصل بینی وبین آلی بعلی لم ینل شفاعتی یعنے جس نے مجہہ میں اور میری آل میں لفظ علی کے ساتہہ فاصلہ دیا وہ میری شفاعت سے محروم ہے اور کہتے ہیں کہ ایک مرد کو اٹھارہ عورتوں کے ساتھ نکاح کر لینا جائز ہے اور تمسک اس آیت کے ساتہہ کرتے ہیں فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورباع یعنے نکاح کرو جو خوش لگے تم کو عورتوں سے دو دو اور تین تین اور چار چار۔ پس انکے نزدیک سب اعداد کا مجموعہ یعنے اٹھارہ عورتوں کا ایک شخص کے نکاح میں ہونا جائز ہے اور اماما ن مہدویہ اگرچہ باطنیہ تھے مگر تالیف قلوب عایا کے لئے بظاہر احکام شرع کی پابندی کرتے تہے اور در پردہ اپنے عقاید فاسدہ کے

جاری کرنے میں برابر مصروف تھے اور اپنے سچے دوستوں کو بطور باطنیہ کے بھی تعلیم دیا کرتے تھے۔ انکے عہد میں تمام مصر میں رواج مذہب اسماعیلیہ کا ہوگیا تھا قاضی ومفتی شیعہ ہوتے تھے جو کوئی انکے خلاف کرتا اسکو سزا دیتے یہانتک کہ سوا اس عقیدے کے کوئی عقیدہ اُس سرزمین میں باقی نہ رہا۔ اگرچہ مذہب شیعہ پہلے سے بھی ملک مصر میں معروف تھا یزید بن ابی حبیب نے کہا ہے نشأت بمصر وھی علویۃ فقلبتھا عثمانیۃ یعنے جب میں نے مصر میں ہوش سنبھالا تو مصر میں شیعہ مذہب تھا میں نے اُسکو عثمانی مذہب یعنے حنفی کرڈالا بسنہ ۵۶۷ھ سے خاندان عبیدیہ مصر میں امامت کرتے رہے۔ جب عاضد ابو محمد بن امیر یوسف کی امامت کی نوبت پہونچی تو نور الدین محمود بن عماد الدین آتابک زنگی سلطان موصل و دمشق نے چڑھائی کی اور لشکر کے ساتھ صلاح الدین یوسف بن ایوب اور اُسکا چچا شیرکوہ بھی تھے۔ لشکر عاضد کو یہانتک اُنھوں نے شکستیں دیں کہ آخرکار اُس نے زچ ہو کر ۵۶۴ھ میں حکومت انکے سپرد کردی۔ سلطان موصوف اور قاضی صدر الدین مارانی مذہب اشاعرہ پر تھے۔ ان دونوں نے ابتدائی خدمت سلطان نور الدین سے دمشق میں اسی طریقے پر نشو ونما پایا تھا۔ بلکہ صلاح الدین نے بچپن میں عقیدہ مولفہ قطب الدین مسعود نیشاپوری کو حفظ کرلیا تھا اور اپنے چھوٹے بچوں کو یاد کرا دیا تھا۔ اسوجہ سے وہ اسی عقیدۂ اشعری پر جمے ہوئے تھے۔ جب یہ مصر کے بادشاہ ہوئے تو سارے لوگوں کو التزام عقاید اشاعرہ پر آمادہ کیا۔ اور تغیر مذہب اسماعیلیہ و مہدویہ و ازالہ تشیع میں کوشش کرنی شروع کی اور مصر میں واسطے فقہائے شافعیہ و مالکیہ کے مدارس بنائے اور سارے قضاۃ شیعہ کو مصر سے نکالدیا اور صدر الدین عبد الملک بن درباس مارانی شافعی کو قاضی القضاۃ مقرر کیا تب سے اقلیم مصر میں جو کوئی قاضی مقرر ہوتا وہ شافعی المذہب ہوتا۔ لوگ کھلم کھلا

لہ سلطان صلاح الدین نور الدین کے بعد مصر کا بادشاہ ہوگیا۔ سیریا عرب اور فارس میں بہت لڑائیاں کیں۔ ۱۱۸۷ء میں عیسائیوں کو یروشلم یعنے بیت المقدس کی لڑائی میں بڑی شکست دی۔ نہایت دلیر و بہادر تھا۔ ۱۱۳۷ء میں پیدا ہوا اور ۱۱۹۳ء میں بمقام دمشق مرگیا ۱۲

مذہب شافعی و مالک پر چلنے لگے اور مذہب شیعہ اسماعیلیہ و امامیہ مختفی ہوگیا یہانتک کہ زمین مصر سے بالکل جاتا رہا۔

اکثر مروم اسماعیلیہ اپنے داعی کے ساتھ ملک مصر اور مغرب سے نکلکر جنیدے یمن میں رہے جو کہ وہاں شہر حرا زمیں قدیم سے انکا داعی موجود تہا۔ اسلئے ہندوستان کو چلے آئے۔ اب گجرات۔ دکن۔ مالوہ۔ کوکن راجپوتانہ میں بوہرے کے نام سے مشہور ہیں۔ ابجد العلوم میں لکھا ہے کہ بیوہار ہندوستانی زبان میں تجارت کو کہتے ہیں اور بوہرہ کے معنے تاجر ہیں۔ اور بوہرے[1] تجار کے معنے میں اس لفظ کی جمع ہے۔ چونکہ ساری قوم تجارت پیشہ ہیں اسلئے بوہرے کہتے ہیں اور اس وجہ سے یہ لوگ مرفہ حالی کے ساتھ رہتے ہیں اور انکے داعی[2] سابق احمد آباد گجرات اور برہانپور اور خاندیس اور اوجین مالوہ میں رہتے تہے اب کئی پشت سے بندر سورت میں رہتے ہیں اور دس لاکھ روپیہ کے قریب سالانہ قوم بوہرہ سے اُنہیں پہونچتا ہے۔ امیرانہ ٹھاٹ سے بسر کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں بڑے بڑے ادیب زبان عربی کے ہوتے ہیں نظم و نثر فصاحت و بلاغت کے ساتھ لکھتے ہیں۔ ہمیشہ کتب عربی دیکھتے ہیں زبان فارسی۔ اردو وغیرہ کی کتابیں شغل میں نہیں رکھتے۔ علما آپسمیں خط و کتابت بہی عربی زبان میں کرتے ہیں اور جو بے علم ہیں وہ گجراتی اور اردو میں لکھتے ہیں۔ اور سارا فرقہ نماز اور روزہ کا پابند ہے اور اپنے مرشد کی اطاعت میں سرگرم ہیں۔ کوئی ڈاڑہی نہیں منڈاتا۔ اور سر پر بال نہیں رکھتا۔ نہ حقہ پیتا ہے نہ تنباکو کھاتا یا سونگھتا ہے۔ مسکرات کے قریب بہی نہیں بہٹکتے۔ بوہروں کے علما کسی سے مناظرہ نہیں کرتے خاصکر مذہبی مناظرہ سے بالکل بچتے ہیں اور نہ اپنے مذہب کے اصول و فقہ و حدیث و تفسیر و عقائد کی کتابیں غیر مذہب والے کو دکھاتے ہیں اس باب میں انکا عہد ہے اور جس قصبہ یا شہر میں

---

[1] دیکھو جلد ثالث ابجد العلوم موسوم بہ رحیق المختوم حالات محمد طاہر فتنی ۱۲
[2] نواب صدیق حسن خان کے داعی اور امام میں نہ فرق معلوم ہوا۔ اور انکو یہ بہی خبر نہ تہی کہ یہ داعی ہیں یا امام۔ اسی لئے انکو امام سمجہتے ہیں۔ ۱۲

رہتے ہیں وہاں انکی تمام جماعت ایک محلہ میں سکونت رکھتی ہیں دوسرے مذہب والے کو اسمیں جگہ نہیں دیتے اور اپنی مسجد اور جماعت خانہ اور قبرستان بھی سب سے علیحدہ رکھتے ہیں اور اپنی شادی غمی میں سوائے اپنی برادری کے دوسرے کو دخل نہیں دیتے اپنی ہی قوم میں بیاہ شادی کرتے ہیں ناچ رنگ اور باجا وغیرہ نہیں کرتے۔ کسی غیر مذہب والے کی بیٹی نہ لیتے ہیں نہ اُسے دیتے ہیں۔ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہیں۔ اور نماز کا اتنا سامان تہ بند۔ کرتہ۔ ٹوپی۔ مصلا جدا رکھتے ہیں۔ نماز کے وقت ملبوس مستعمل کو اُتار کر نماز کے کپڑے پہن لیتے ہیں مگر یہ بات مسجد میں ہوتی ہے کسی اور جگہ مستعمل کپڑے سے بھی نماز کر لیتے ہیں مسجد میں عورتوں کے واسطے بھی ایک حصہ علیحدہ رکھتی ہیں۔ نماز تین وقت پڑھتے ہیں۔ ظہر اور عصر کو ملا لیتے ہیں اور مغرب عشا کو اور فجر کو پڑھتے ہیں۔ پیش نماز بطور عامل اور قاضی کے داعی کیطرف سے ہر بستی میں بوہروں کے لئے مقرر ہوتا ہے اُسی کی معرفت سالانہ نذرانہ اپنے مقدور کے موافق داعی کو پہونچتا ہے۔ انکے ہاں عورات کے پردہ کا رواج نہیں۔ باہر پھرتی ہیں لہنگے پہنتی ہیں یہ لوگ سود علانیہ دیتے لیتے ہیں۔ اور اس فرقہ کی یہ خصوصیات میں سے ہے کہ ماہ رمضان میں ایک روز قبل روزہ رکھتے ہیں اور جب ایک روز باقی رہتا ہے عید کر لیتے ہیں اور پورے تیس روزے رکھتے ہیں[1]۔

اور نور اللہ شوستری مجالس المومنین کی جلد اول میں کہتے ہیں کہ اس زمانہ سے تخمیناً تین سو برس قبل ایک فاضل ملا علی نامی کی ہدایت سے یہ لوگ مسلمان ہوئے ہیں جنکی قبر کھنبایت میں ہے[2]

[1] منتخب التواریخ میں ملا عبد القادر نے لکھا ہے کہ نور اللہ شوستری اکبر بادشاہ کے حکم سے لاہور کے قاضی مقرر ہوئے تھے اور علی خان والا نے تذکرہ ریاض الشعرا میں کہا ہے کہ وہ ستر برس کی عمر میں عہد جہانگیر بن اکبر بادشاہ میں بوجہ تصنیف کتاب مجالس المومنین کے دُرہ خار دار سے بحکم بادشاہ اتنے پٹوائے گئے کہ آخر دم نکل گیا اکبر آباد میں اُنپر حد جاری ہوئی تھی وہیں قبر ہے اور یہ حال جلد اول نجوم السما میں بھی نقل کیا ہے۔ اور حسین قلی کا عاشقی نے اپنے تذکرہ شعرائے فارسی میں جسکا نام نشتر عشق ہے لکھا ہے کہ قاضی نور اللہ ۱۰۱۹ھ ہجری میں شہید ہوئے تھے ۱۲

[2] دیکھو قلائد الجواہر فی احوال الجواہر ۱۲

اور سلطان ظفر نے جو سلطان فیروز شاہ والی دہلی کا امیر اعظم تھا گجرات پر تسلط پایا۔ تو بہت سے بوہرے اسکی وجہ سے سنت و جماعت بھی ہوگئے۔ سبحۃ الرجال اور ابجد العلوم میں لکھا ہے کہ ملا محمد طاہر صاحب مجمع البحار نے مہدویہ بوہروں کی جو اسکی قوم تھے بدعت سے بیزار ہو کر انکے خراب و تباہ کرنے کی مصمم نیت کر لی اور یہانتک اصرار کیا کہ جبتک یہ بدعت نہ مٹ جائے گی سر پر عمامہ نہ رکھونگا۔ جب اکبر شہنشاہ ہندوستان نے ۹۸۰ہجری میں گجرات فتح کی تو ملا شہنشاہ کے حضور میں مدد کے واسطے حاضر ہوا۔ شہنشاہ نے اپنے ہاتھ سے ملا کے سر پر عمامہ رکھا اور فرمایا کہ میں اس کام میں تمہاری مرضی کے موافق کوشش کرونگا۔ اور شہنشاہ نے اسی غرض سے گجرات کی حکومت پر خان اعظم مرزا عزیز کوکہ کو مقرر کیا۔ خان اعظم نے اس قوم کی بدعت و رفع کرنے میں کوشش کی یہانتک کہ اکثر اس قوم کے مشاہیر تقیہ کرنے اور جابجا چھپنے لگے۔ ابھی یہ بدعت خاطر خواہ رفع نہ ہوئی تھی کہ خان اعظم کی جگہ عبدالرحیم خان۔ خان خانان مقرر ہو گئے۔ یہ شیعہ مذہب تھے۔ انکی وجہ سے بوہرے پھر کھلم کھلا اپنی بدعات پر چلنے لگے۔ ملا نے یہ حالت دیکھکر پھر عمامہ سر سے اُتار ڈالا اور تدارک کے لئے درگاہ اکبری کیطرف رجوع کی۔ شہنشاہ اُن دنوں اکبر آباد میں تھے بوہروں نے ملا کا پیچھا کیا یہانتک کہ اوجین میں ۹۸۶ھ میں ملا کو مار ڈالا اور دوسری جماعت مستنصر کی نص اول کے موجب نزار کو امام جاننے لگی اور کہنے لگی کہ نص ثانی لغو ہے اسلئے کہ نص اول اپنا کام پورا کر چکی تھی۔ اس فرقہ کو:۔

نزاریہ کہا کرتے ہیں اور یہ لوگ نزار کے بعد اسکے بیٹے ہادی کو اور اُسکے بعد اسکے بیٹے حسن کو امام جانتے ہیں اور یہ حسن اور اسکی اولاد نہایت غلو رکھتے تھے اور علانیہ اپنے بدعات پھیلانے تھے تقیہ چھوڑ دیا تھا۔ اور نزاریہ کو صباحیہ اور حمیریہ بھی کہا کرتے ہیں اور یہ منسوب ہیں طرف حسن بن صباح حمیری اسماعیلی کے جس نے مستنصر کو خراسان اور بلاد عجم میں حکومت اور دعوت قائم کرنیکی ترغیب دی تھی۔ اور بعد مستنصر کے ہادی کا سربر اہ کار رہا تھا اور اُسی نے کوشش کر کے کوہستان طبرستان و جبل و قلعہ الموت وغیرہ پر ۴۸۳ھ ہجری میں قبضہ کر کے مذہب نزاریہ کو رونق دی اور فتوحات عظیم حاصل کیں

اور اس مذہب میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور بادشاہت ہادی کی ذریات میں ایک سو اکہتر برس تک رہی آخر چنگیز خان اور اُسکی اولاد کے ہاتھ سے برباد ہوئے۔

اور نزاریہ کا **مستفطیہ** اور **سفطیہ** بھی نام ہے اسلئے کہ انکا مذہب یہ ہے کہ امام فروع کے ساتھ مکلف نہیں ہے بلکہ اُسکو یہ بھی اختیار ہے کہ بعض تکالیف یا تمام تکالیف کو آدمیوں سے دور کردے۔

نزاریہ کی رائے یہ ہے کہ امام ایکبار کسی بات کی وصیت کردے اور پھر اُسکے خلاف پر نص کردے تو نص اول ہی پر عمل کرنا چاہیئے۔ اور ثانی لغو ہے بخلاف مہدویہ کے کہ اُنکے نزدیک نص دوم ناسخ ہے نص اول کی۔

فرقہ اسماعلیہ کا **سبعیہ** بھی نام ہے اور یہ نام انکا اسوجہ سے مقرر ہوا ہے کہ کہتے ہیں کہ انبیا شریعت کے پہونچانے والے یعنے رسول صرف یہ سات تن ہیں۔ آدم اور نوح اور ابراہیم اور موسٰے اور عیسٰے اور محمد اور مہدی اور درمیان دو رسولوں کے سات ائمہ ہوتے ہیں جو ایک رسول کی شرایع کو تمام کرتے ہیں اور احکام اجرا فرماتے ہیں۔ جب تک دوسرا رسول مبعوث ہو امام اول حضرت علی۔ دوم حسن۔ سوم حسین چہارم علی زین العابدین پنجم محمد بن علی زین العابدین ششم جعفر بن محمد ہفتم اسماعیل بن جعفر ہیں۔ جو درمیان محمد علیہ السلام اور مہدی کے شریعت قایم رکھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر عصر میں لوگوں کی ہدایت کے لئے سات آدمیوں کا ہونا ضرور ہے اول امام کہ جانب غیب سے اسکو علم اور احکام بے واسطہ پہونچتے ہیں اور سلسلہ علم کے حصول کی انتہا اُسی کی ذات پر ہوتی ہے۔ دوسرا **حجت** کہ امام سے حاصل کرکے دوسرے آدمیوں تک پہونچائے۔ تیسرا **ذومصہ** یہ حجت سے علم حاصل کرتا ہے چوتھا **داعی اکبر** یہ امام اور حجت کے نزدیک مومنوں کے درجات کو بڑہاتا ہے اور اُنہیں ترقی دیتا ہے پانچواں **داعی مازون** یہ طالبین سے عہد و پیمان لے کر امام کی بیعت میں داخل کرتا ہے اور لوگوں کو علم و معرفت سکہاتا ہے۔ چھٹا **مکلب** یہ شخص اگرچہ بڑے درجہ کا آدمی ہوتا ہے لیکن اسکو دعوت کا اذن نہیں ہوتا۔ اسکا صرف

یہی کام ہے کہ غیر مذہب والے کے عقائد میں حجت اور دلیل کے ساتھ شبہات ڈالدے
اور اُسکے احتمالات کا جواب دے اور جب وہ متحیر ہوکر طلب حق کی درخواست کرے تو
یہ داعی ماذون کو بتا دیتا ہے کہ اُس آدمی کے پاس جاؤ اُس سے یہ مقصد بخوبی حاصل
ہو جائیگا۔ پھر داعی ماذون اُس سے عہد و پیمان لیکر ذومصہ کے حوالہ کر دیتا ہے اگر
استعداد طالب کی ذومصہ کے مبلغ علم سے بڑھکر ہوتی ہے تو وہ حجت کے پاس پہونچا
دیتا ہے۔ اسی طرح حجت امام کے پاس اگر موجود ہو۔ **ساتواں مومن** جو مکالب
اور داعی کی کوشش سے امام کی تصدیق کرتا ہے اور اسکے حلقہ عہد میں داخل ہوتا ہے
اور کتب اسماعیلیہ کی سیر سے معلوم ہوا کہ دعاۃ اسماعیلیہ خصوصاً دعاۃ فاطمیین نو دعوتیں
ارشاد کرتے ہیں۔ مگر داعی جس مدعو میں جس قدر شوق اور قابلیت پاتا ہے اُسیقدر
دعوتیں اُسکو کرتا ہے۔

دعوت اول۔ داعی نہایت وقار سے مسند ارشاد پر بیٹھا ہوتا ہے جس کو دعوت
کرتا ہے اول اُس سے تاویل آیات اور معانی امور شریعت کی مشکل باتوں کے اور
تھوڑے علم طبعیات وغیرہ کے مشکل مسئلوں کے بھی سوالات کر کے کہتا ہے کہ
اے شخص اسرار دین پوشیدہ ہے اور اکثر آدمی اُس سے منکر اور جاہل ہیں۔ اگر
امت محمدی کے لوگ اُن باتوں کو جان لیتے جو اللہ تعالےٰ نے ایمہ اہلبیت سے
مختص کی ہیں تو آدمیوں میں اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ جب مدعو یہ بات سنتا ہے تو داعی کے
پاس جو کچھ معلومات ہوتی ہیں اُسکے سننے کا مشتاق ہوتا ہے پھر داعی اُسکی رغبت پاکر
بیان کرنا شروع کرتا ہے اور بڑی عمدگی سے آیات قران اور شرائع دین کے مطالب
بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ اختلاف لوگوں میں آیا ہے اور گمراہی میں پڑے
ہیں یہ سب اسوجہ سے ہے کہ آئمہ دین اور حافظان دین نبی سے روگردانی کی ہے
اور غیروں کے اتباع کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ایمہ ہدیٰ شرع رسول کے حافظ ہیں۔
اُسکی حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں معانی ظاہری و باطنی اور تاویل تفسیر قران سے آگاہ
ہیں جب مسلمانوں نے دوسروں کی اتباع کی اور اپنے عقل سے دلایل نکالنے لگے

تو گمراہی میں پڑ گئے۔ اللہ تعالےٰ نے علم دین کو پردہ میں مخفی رکھا ہے تاکہ اسرار الٰہی مبتذل نہ ہو جائیں۔ پس اللہ کے بھید سوائے فرشتہ مقرب اور نبی مرسل یا بندۂ مومن کے جسکا دل خدا نے تقوے میں امتحان کر لیا ہو کوئی نہیں جان سکتا ہے جب مدعو کا دل داعی کی باتوں سے خوب مربوط ہو جاتا ہے اُسوقت داعی دوسری باتیں شروع کرتا ہے کہتا ہے کہ رمی جمار[ف۱] اور سعی صفا[ف۲] کیا ہے اور کس لئے حائضہ[ف۳] کو روزے کی قضا کا حکم ہے اور قضائے نماز کی ممانعت ہے۔ اور کیا سبب ہے کہ جنابت[ف۴] کیلئے غسل کا حکم ہوا ہے اور بول وبراز کے واسطے غسل کا حکم نہ ہوا۔ اور کیا سبب ہے کہ خدا نے مخلوقات کو

ف۱ رمی جمار یعنے کنکریاں مارنا جمار جمع ہے جمرہ کی اور جمار چھوٹی چھوٹی پتھریوں کو کہتے ہیں اور منا میں جمار اُن تین مکانوں کا نام ہے جنپر کنکریاں اور پتھریاں پھینکتے ہیں۔ ایک کو جمرہ اولی کہتے ہیں جو مسجد الخیف کے پاس ہے اور دوسرا جمرۂ وسطے اور تیسرا جمرۃ العقبے۔ صحیح ابن خزیمہ میں عبد بن عباس سے روایت ہے کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابراہیم خلیل اللہ مناسک کے ادا کرنے کو آئے تو شیطان ان تینوں مقاموں میں سامنے آیا اور اُنھوں نے ہر بار اسکو سات کنکریاں ماریں۔ تو زمین میں دھنس گیا۔ ابن عباس نے کہا تم شیطان کو مارتے ہو اور اپنے باپ ابراہیم کے دین پر چلتے ہو۔ کذا فی الترغیب والترہیب لابن حجر ۱۲

ف۲ صفا اور منا نام دو پہاڑیاں ہیں مکہ معظمہ میں۔ ان دونوں مقاموں کے درمیان تخمیناً دوسو قدم کا فاصلہ ہے ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان میں حاجی سات بار دوڑتے ہیں اور یہ ارکان حج میں سے ہے۔ حدیث جابر میں مسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا والسعی بین الصفا والمروۃ توٌ یعنے دوڑنا درمیان صفا اور مروہ کے طاق ہے یعنے سات بار ۱۲

ف۳ واضح ہو کہ حیض مانع ہے روزہ اور نماز اور جماع کو پھر عورت روزے کو قضا کرے نہ نماز کو کیونکہ نماز ہر سال ہر روز فرض ہے اور روزہ سال بھر میں ایک مہینہ تو قضائے صوم میں حرج نہیں اور نماز کی قضا میں دقت ومشقت ہے۔

ف۴ جنابت ثابت ہوتی ہے دو سبب سے ایک نکلنے منی کے شہوت سے۔ دوسرے تمام حشفہ یعنے سپاری کے داخل کرنے سے آدمی کی شرمگاہ میں۔ کذا فی الخانیہ ۱۲

چھ دن[1] میں پیدا کیا ہے۔ کیا ایک گھڑی میں پیدا کرنے سے عاجز تھا۔ اور کراماً کاتبین کیا ہیں اور ہم جو انہیں نہیں دیکھتے اسکا کیا سبب ہے کیا وہ ہم سے مکابرہ کے سبب سے خائف ہیں اور ہم سے اس سبب سے چھپکر گواہ بنے ہیں اور ہمارے اعمال لکھتے رہتے ہیں اور زمین کا بدل دینا قیامت کو۔ اور عذاب جحیم کیا ہے اور یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ عاصی کی جس جلد نے گناہ کیا ہے وہ ایک اور جلد سے بدل دیجائیگی جو گناہ میں شامل نہیں تاکہ اسکو عذاب دیا جائے اور اس آیت کے کیا معنے ہیں ویحمل[2] عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية۔ اور شیطان اور اسکی صفت کیا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے۔ اور یاجوج و ماجوج اور ہاروت وماروت کیا ہیں اور کہاں رہتے ہیں اور سات دوزخیں اور آٹھ بہشتیں کس وجہ سے ہیں اور کیا ہیں۔ اور زقوم کا درخت[3] اور دابۃ الارض اور رؤس الشیاطین[4]

[1] قرآن میں ہے ولقد خلقنا السموات والارض وما بینهما فی ستة ایام تحقیق پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور اس چیز کو کہ درمیان انکے ہے چھ دن میں۔ اور مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑکر فرمایا کہ اللہ تعالے نے مٹی ہفتے کے دن پیدا کی اور اسمیں پہاڑ اتوار کے دن پیدا کئے اور درخت پیر کے دن اور اشیا مکروہ کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور زمین میں جانورجمعرات کو پھیلائے اور آدم کو جمعہ کے دن پیدا کیا عصر کی نماز کے بعد انتہی۔ اسلئے آیت مذکور منافی نہیں اسلئے کہ ہفتے سے مراد آخر دن ہفتے کا ہے کہ جسکو عشیۃ الاحد کہتے ہیں پس وہ اتوار ہی کے حکم میں ہے فلا تنافی کہ حدیث میں بھی موافق آیت کے پیدائش عالم چھ دن میں مقصود ہے۔ ۱۲

[2] اور اٹھائینگے عرش رب تیرے کا اپنے اوپر اس دن آٹھ شخص اب چار اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس دن چار اور زیادہ ہو جائینگے۔

[3] اللہ تعالے سورہ دخان میں فرماتا ہے ان شجرة الزقوم طعام الاثیم کالمهل یغلی فی البطون كغلی الحمیم مقرر درخت سینڈ کا کھانا ہے گنہگار کا مانند پگھلے ہوئے تانبے کی کھولتا ہے پیٹوں میں جیسے کھولتا ہے پانی ۱۲

[4] اذالك خير نزلا ام شجرة الزقوم انا جعلناها فتنة للظالمين انها شجرة تخرج فی اصل الجحيم طلعها كانه رؤس الشياطين بھلا یہ بہتر ہے مہمانی یا درخت سینڈھ کا ہم نے اسکو کیا ہے

اور شجر ملعونہ[1] اور تین[2] اور زیتون کیا ہیں اور اس آیت کے کیا معنے ہیں فلا اُقسم[3] بالخنس الجوار الکنس اور حروف مقطعات کے کیا معنے ہیں اور سات آسمان اور سات زمین اور سبع المثانی[4] اور بارہ مہینے کس وجہ سے ہیں اور قرآن و سنت پر عمل کرنا تمہارے حق میں کیا کریگا۔ اور فرائض لازمی کے کیا معنے ہیں اور امل اپنے نفس میں فکر کرنا چاہئے کہ کہاں سے ہے اور تمہاری روح اور اُسکی صورت کس طرح کی ہے اور وہ جسم میں کس جگہ

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۲۹

خراب کرنا ظالموں کا۔ وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے دوزخ کی جڑھ میں سے اُسکا شگوفہ جیسے سر شیطانوں کا یعنے بدنما یا شیطان سے مراد سانپ ہے اور واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے سانپ ہیں کیونکہ سینڈ کی ایک قسم ہے جسکے پتے مشابہ سانپ کی پھن کے ہوتے ہیں اور اُنپر کانٹے مثل ببول کے ہوتے ہیں اور پھول زرد اور پھل سرخ رنگ گول ہوتا ہے اور پک کر شیریں ہوجاتا ہے اور اون اُسپر ہوتا ہے اسلئے ہاتھ لگانے سے ہاتھ میں لگجاتا ہے اور خارشت ہوتی ہے پہاڑی ملک میں۔ یہ درخت کثرت سے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اُسے ناگ پھنی کہاکرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ آیت مذکور میں زقوم کی یہ قسم مراد ہے اور اسکو سانپ کے سر کے ساتھ استعارہ بیان کیا ہے"۔

---

۱ سورہ بنی اسرائیل میں ہے والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن مطلب اس مقام کا یہ ہے کہ نہیں کیا ہم نے اُس درخت کو جسپر پھٹکار ہے قرآن میں مگر واسطے جانچنے لوگوں کے"

۲ والتین والزیتون۔ قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی"۔

۳ قسم کھاتا ہوں میں پھر جانیوالوں سیدھے چلنے والوں تھم رہنے والوں کی واضح ہو کہ سبعہ سیارہ آسمان میں علحدہ چال چلتے ہیں۔ اُن میں سے پانچ جو سورج اور چاند کے سوا ہیں یعنے زحل مشتری۔ مریخ زہرہ عطارد انکی چال الٹی سب کی ہے کبھی مغرب سے مشرق تک جاتے ہیں سو سیدھی راہ اسی سے مراد ہے کبھی راہ میں الٹے پھر جاتے ہیں کبھی سورج کے پاس آکر دنوں تک غائب ہو جاتے ہیں۔"

۴ سبع المثانی۔ بفتح السین و میم سورہ فاتحہ کو کہتے ہیں۔ اسلئے کہ بسم اللہ کے سوا سات آیتیں ہیں۔ اور یہ اسوجہ سے کہتے ہیں کہ دوبار نازل ہوئی ایک بار مکہ میں اور دوبارہ مدینہ میں یا یہ وجہ ہے کہ ہر دوگانہ میں دوبار پڑھی جاتی ہے۔ بخلاف دوسری سورتوں کے۔ اور بعض کے نزدیک سارا قرآن سبع المثانی ہے"۔

رہتی ہے۔ اور روح کا حال کیا ہے اور انسان کیا ہے اور کیا ہے تفاوت انسان اور جانور اور بہائم اور حشرات کی زندگی اور حیات میں اور کیا فائدہ ہے حیات کے پیدا ہونے اور نباتات کے اُگنے میں اور اسکے کیا معنے ہیں کہ حوا آدم کی پسلی میں سے پیدا ہوئی ہے۔ اور فلاسفہ کے اس قول کے کیا معنے ہیں کہ انسان عالم صغیر ہے اور عالم انسان کبیر ہے اور انسان کا قامت کیوں کھڑا پیدا ہوا اور حیوان کا خلاف اسکے رہا اور کس واسطے پانوں اور ہاتھوں کی دس دس انگلیاں ہوئیں اور کیا وجہ ہے کہ ہر ہر انگلی میں تین تین ٹکڑے ہیں اور انگوٹھے میں دو۔ اور چہرہ میں سات سوراخ کیوں مقرر ہوئے اور باقی بدن میں صرف دو ہی سوراخ کیوں رکھے گئے۔ اور کیا وجہ ہے اسبات کی کہ پشت کی ہڈی میں بارہ گرہ ہیں اور گردن میں سات اور کیوں آدمی کی گردن کی شکل میم کی سی ہے اور دونوں ہاتھوں کی حائے حطی کی سی اور شکم کی شکل میم کی سی اور پانوں کی شکل دال کی صورت پر کیوں ہے۔ جس سے آدمی کی قامت میں اُن حروف کا مجموعہ ثابت ہوتا ہے جو لفظ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں جمع ہیں اور کس واسطے آدمی کا قامت بشکل الف راست ہے۔ اور رکوع میں لام کی صورت پر ہو جاتا ہے اور سجدہ میں ہا بنجاتا ہے کہ مجموعہ ان تین حروف کا وہ ہے جو لفظ اللہ میں موجود ہے اور کس لئے انسان کی ہڈیاں اسقدر ہیں اور دانت کیوں اتنے واقع ہوئے اور اسکے اعضائے رئیسہ اور رگوں کی اتنی مقدار کیوں ہے۔ اسی طرح داعی تمام تشریح اعضا کا ذکر کرتا ہے پھر داعی کہتا ہے کہ تم اپنے نفس پر غور و خیال کیوں نہیں کرتے ہو کہ ہمارا پیدا کرنے والا حکیم اور علیم ہے اور اُسکے سب کام حکمت سے لبالب ہیں۔

حالانکہ اس نے قرآن میں جا بجا غور کرنے کے لئے تاکید فرمائی ہے فی الارض آیات للموقنین و فی انفسکم افلا تبصرون یعنے زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانیوالوں کے لئے اور خود تمہارے اندر کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اب ہم دکھا دینگے انکو اپنے نمونے دنیا میں اور آپ انکی جان میں جبتک کہ کھلجاوے انپر کہ یہ ٹھیک ہے اس قسم کی آیات سراسر

دلالت کرتی ہیں کہ خدا کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو اسرار مخفی دکھلائے اگر تم متنبہ ہو جاؤ اور جان جاؤ
تو تم سے سب حیرت زائل ہو جائے اور شبہ اور شک مٹ جائے اور معارف سینہ تم پر ظاہر
ہو جاویں کیا یہ نہیں خیال کرتے کہ تم اپنے نفوس سے بھی بے خبر ہو حالانکہ خدا نے فرمایا ہے
من کان فی ھذہٖ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو
پچھلے جہان میں اندھا ہے اور بہت بھٹکا ہوا ہے راہ یعنے ہدایت سے اندھا ہو ویسا ہی
آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے اور دور پڑا ہے۔ جب داعی دیکھتا ہے کہ مدعو کو
میری باتوں کیطرف بخوبی رغبت ہے تو اس سے کہتا ہے کہ اے شخص جلدی مت کر
خدا کا دین اعلیٰ ہے اس سے کہ نااہل آگاہ ہوں۔ بدوں معاہدہ کئے آگاہ کرنا مناسب
نہیں کیونکہ اللہ کی یہی عادت ہے کہ جسکو ہدایت کرتا ہے اُس سے اول عہد وپیمان
کر لیتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے واخذ نا من النبین میثاقھم ومنك ومن نوح و
ابراھیم وموسی وعیسے ابن مریم واخذنا منھم میثاقا غلیظا جب لیا ہم نے نبیوں سے
اُنکا عہد اور تجھ سے اور نوح اور ابراہیم سے اور موسےٰ سے اور عیسے پسر مریم سے اور
لیا ہم نے اُن سے گاڑھا عہد۔ اور فرمایا ہے ومن المؤمنین رجال صدقوا ما
عاھدوا اللہ علیہ بعضے ایمان والوں میں سے وہ مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا انھوں نے
اُس چیز کو کہ عہد کیا تھا اللہ سے اور فرمایا ہے یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود
اے ایمان والو پورا کرو اقرار۔ اور فرمایا ہے ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا۔
مت توڑو قسموں کو پیچھے اُنکی مضبوطی کے۔ اسی قسم کی آیات پڑھکر کہتا ہے کہ بیعت کا
ہاتھ دو اور ہم سے عہد پختہ کر لو کہ ہرگز بیعت کو نہ توڑو گے اور راز کسی پر فاش نہ کرو گے
اور ہمارے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن سمجھو گے۔ جب مدعو نے بیعت کر لی تو
اُس وقت داعی اُسکے مال میں سے بقدر حیثیت کچھ مال امام کی نذر میں مانگتا
ہے۔ اگر مدعو دیدیتا ہے تو داعی کی مجلس میں بار دیگر حاضر ہو سکتا ہے اور نصیحت
وغیرہ سننے کا مجاز ہوتا ہے۔ ورنہ اُسکو بار نہیں ملتا۔

دعوت دوم۔ جب کہ مدعو سب باتیں پہلی دعوت کی تسلیم کر لیتا ہے اور مال بھی

نذر کر دیتا ہے تو دوسری مجلس میں داعی اُسکو بار دیگر کہتا ہے کہ اللہ راضی نہیں ہوتا اپنی طاعت سے اور جو کچھ بندوں پر مقرر کیا ہے اُسکی بجا آوری سے جب تک ائمہ حق کی متابعت نہ کرے جن کو اللہ تعالے نے آدمیوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا ہے اور انکو شریعت کا محافظ بنایا ہے۔ پھر ان امور کی تشریح کرتا ہے اور اپنے کلام پر دلایل لاتا ہے جو اس فرقہ کی کتب میں مفصل مذکور ہیں جب داعی کو معلوم ہوا کہ مدعو کے دل میں ائمہ کی طرف سے اعتقاد راسخ ہو گیا تو تیسری دعوت ارشاد کرتا ہے۔

دعوت سوم۔ جب تیسری دعوت کی مجلس میں مدعو حاضر ہوتا ہے تو داعی کہتا ہے کہ ائمہ حق سات ہیں۔ حضرت علی۔ حسن۔ حسین۔ زین العابدین۔ محمد باقر۔ جعفر صادق۔ ساتویں قایم صاحب الزمان اور جاننا رہو کہ قایم میں اختلاف ہے بعض محمد مکتوم بن اسماعیل بن جعفر صادق کو امام جانتے ہیں اور بعض اسماعیل بن جعفر کو۔ جب دلایل اور توجیہات سے مدعو کے دل میں ثابت ہو جاتا ہے کہ امام سات ہیں تو شیعہ اثنا عشری سے برخلاف ہو جاتا ہے جو دوازدہ امام کے قایل ہیں اور داعی بیان کرتا ہے کہ صاحب الزمان کو علم باطنی اور مخفی وہ کچھ حاصل ہے کہ اُس سے زیادہ اور بہتر خدا کے پاس بھی علم نہیں ہے اور وہی تاویل تفسیر قرآن اور تاویل تاویلات کے ماہر ہیں اور انہی کو تمام اسرار الٰہی کا علم ہے اور دعاۃ انکے وارث ہیں اور کوئی دعاۃ کی ہمسری نہیں کر سکتا اور داعی اپنے ان مطالب پر بڑی بڑی دلیلیں لاتا ہے جو اس فرقے کی کتب میں مذکور ہیں۔ جب داعی نے خیال کیا کہ میری تقریر نے اسکے دل میں اثر کیا تو دعوت چہارم شروع کرتا ہے۔

دعوت چہارم۔ اس دعوت میں داعی بیان کرتا ہے کہ مجددین شرائع کے سات ہیں اور ہر ایک کو ناطق کہتے ہیں۔ ادیان ناطق کے رواج دینے والے اور وصی بھی سات آدمی ہوتے ہیں جنکو صامت کہا کرتے ہیں۔ پہلے ناطق اول آدم علیہ السلام ہیں جنکے صامت اول شیث تھے۔ جب ان سب

صامتوں کا زمانہ گذر چکا تو دوسرے ناطق نوح علیہ السلام ہوئے جنہوں نے ناطق اول کی شرع کو یک قلم موقوف کر دیا۔ انکے صامت اول سام تھے۔ تیسرے ناطق ابراہیم علیہ السلام ہیں اور انکے جانشین یعنے صامت اول اسماعیل ذبیح اللہ تھے۔ انکے بعد ناطق چہارم موسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ اُنکے وصی اول ہارون علیہ السلام تھے اُنکے بعد یوشع علیہ السلام پانچویں ناطق عیسےٰ علیہ السلام تھے اور اُنکے وصی اول شمعون علیہ السلام تھے۔ اور ناطق ششم محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اُنکے وصی اول حضرت علی پھر حسن پھر حسین پھر علی بن حسین پھر محمد باقر پھر جعفر صادق پھر اسماعیل بن جعفر آخر خموشان صامت ہفتم ہیں۔ ساتویں ناطق صاحب الزمان محمد بن اسماعیل ہیں کہ اُنہی پر جملہ علوم اولین و آخرین تمام ہوئے ہیں اور اُنکی اطاعت میں ہدایت و نجات منحصر ہے جب اس ترتیب کو عمدہ عمدہ تقریروں کے ساتھہ جو انکی کتب میں مذکور ہیں ولنشین کر دیتا ہے تو پانچویں دعوت آغاز کرتا ہے۔

دعوت پنجم۔ داعی اسمیں کہتا ہے کہ ہر امام صامت کے ساتھہ بارہ آدمی مطابق عدد مہینوں اور برجوں کے ہوتے ہیں کہ ہر ایک حجت کہلاتا ہے۔ خدائے انسان کے جسم کو زمین کی طرح پیدا کیا ہے اور چاروں انگلیوں کو جزایر کیطرح بنایا ہے ہر انگلی میں تین تین ٹکڑے رکھے ہیں جو کل بارہ ٹکڑے ہوئے۔ اور یہ بارہ ٹکڑے انھی حجتوں کی طرف اشارہ ہیں اور انگوٹھا کہ کف دست کو اس سے استحکام اور قوام ہے اس میں دو ٹکڑے ہیں۔ سو اس میں اشارہ ہے کہ رسول اور امام یا وصی جدا جدا نہیں ہیں۔ اور خداے تعالیٰ نے پشت میں جو بارہ گرہیاں پیدا کی ہیں وہ بھی انہی بارہ حجتوں کیطرف اشارہ ہیں اور گردن باوجودیکہ پشت سے افضل اور اعلیٰ ہے مگر اس میں سات گرہیاں بنائی ہیں سو وجہ اسکی یہ ہے کہ اسمیں سات ناطقوں کی ذات کی طرف اشارہ منظور ہے اور اُنکے ائمہ جانشین کی طرف بھی یہ اشارہ ہے اور اسی اشارے کی وجہ سے آسمان اور زمین اور دریا اور ہفتہ کے دن

اور کواکب سیارہ بھی سات ہی سات ہیں جو تمام عالم کے مدبر ہیں اور اسی سبب سے چہرہ میں بھی سات سوراخ رکھے ہیں۔ جب داعی تقریر طویل کے ساتھ اس مطلب کو بھی مدعو کے ذہن نشین کر دیتا ہے تو دعوت ششم شروع کرتا ہے۔

دعوت ششم۔ اس میں آیات قرآن کی تفسیر کرتا ہے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور خمس اور حج اور جہاد اور طہارت وغیرہ امور مختلفہ شرعی کے قاعدے اور طریقے بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب رموز ہیں کہ واسطے مصلحت اور سیاست عام کے جاری کئے گئے ہیں تاکہ ان میں مشغول ہو کر آپس میں فتنہ و فساد نہ پھیلائیں اور حاکم وقت کی حکومت اور تابعداری سے انحراف نہ کریں ورنہ فی الحقیقۃ وضو سے مراد دوستی امام ہے اور تیمم سے مراد یہ ہے کہ امام کی غیبت میں مجتہد سے ضروریات کا اخذ کرنا اور احتلام عبارت ہے راز کے ظاہر کر دینے سے اور غسل سے مقصود تجدید عہد و پیمان ہے اور زکوٰۃ سے مراد تزکیہ نفس ہے امورات دینی کی معرفت کے ساتھ اور کعبہ سے مراد نبی علیہ السلام ہیں اور باب سے حضرت علی اور صفا سے نبی علیہ السلام اور مروہ سے حضرت علی اور خانہ کعبہ کا سات بار طواف کرنے سے مراد یہ ہے کہ ائمہ سبعہ سے دوستی رکھو اور جنت سے مراد بدن کو تکلیف سے بچانا ہے اور دوزخ سے مراد بدن کو مشقت اور تکالیف میں ڈالنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب مدعو کے دل میں یہ باتیں بیٹھ جاتی ہیں تو داعی فلسفہ کی باتیں شروع کرتا ہے اور اقوال افلاطون و ارسطو و فیثاغورس وغیرہ کو دلائل عقلی کے ساتھ سمجھاتا ہے اور جب یہ مطالب بھی ذہن نشین ہو جاتے ہیں تو ایک عرصہ دراز کے بعد ساتویں دعوت شروع کرتا ہے۔

دعوت ہفتم۔ اس میں کہتا ہے کہ صاحب ولایت اور ناصر شریعت کے لئے ایک مددگار اور مصاحب کی ضرورت ہے تاکہ جو کچھ ارشاد کرے یہ اسکو دوسروں کی خاطر نشین کر دے اور انہیں ایک بجائے اصل کے ہے اور دوسرا نائب کی مثل ہوتا ہے اور نظیر اسکی یہ ہے کہ مدبر عالم اصل ترتیب اور نظام عالم میں ایک ہی ہے پس اول موجود نے

کہ اس سے بلا واسطہ و بلا سبب صدور پایا ہے وہ بھی ایک ہے جس کو عقل کامل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور صادر اول بھی کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ مرتبہ اول میں بھی صادر ہوا ہے۔ اس مطلب کی طرف قرآن و حدیث میں کئی جگہ اشارہ ہوا ہے انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون یعنے سوا اسکے نہیں کہ حکم اسکا جب چاہے پیدا کرنا کسی چیز کا یہ کہ کہتا ہے واسطے اُسکے کہ ہو پس ہو جاتی ہے اس آیت سے اول فی الرتبہ کی جانب اشارہ ہے اور دوم فی الرتبہ کی جانب اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے انا کل شئ خلقناہ بقدر یعنے ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے پہلے اُسکو اندازہ کر کے اور اس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی عقل کی جانب جس نے ابتدائً اللہ تعالےٰ سے صدور پایا ہے اشارہ کیا ہے۔ اول ما خلق اللہ القلم فقال لہ اکتب قال ما اکتب قال اکتب القدر فکتب ما کان وما ھو کائن الی الابد یعنے سب سے پہلے جو چیز اللہ نے پیدا کی وہ قلم ہے پس کہا اُس سے لکھ اُس نے عرض کی کہ کیا لکھوں فرمایا لکھ تو تقدیریں پس لکھی اُس نے جو چیز کہ ہو چکی تھی اور وہ چیز کہ ہونیوالی ہے اور اس قسم کی بہت باتیں ہیں۔ جو ان لوگوں کی کتب میں مندرج ہیں۔ اور در اصل یہ قول فلاسفہ کے قول سے ماخوذ ہے جنکی رائے یہ ہے الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد یعنے ایک سے صادر نہیں ہوتا مگر ایک ہی۔ جب یہ دعوت تمام ہو جاتی ہے تو داعی دعوت ہشتم شروع کرتا ہے۔

دعوت ہشتم۔ اس دعوت میں داعی کہتا ہے کہ اُن دونوں ذاتوں میں کہ ایک مدبر الوجود ہے اور دوسری اُس سے صادر ہوئی ہے اس طور کا تقدم و تاخر ہوتا ہے جیسے کہ علت[1] کو معلول پر تقدم ہے خلاصہ یہ ہے کہ سابق علت ہے اور

[1] واضح ہو کہ حدیث میں جسطرح یہ آیا ہے اول ما خلق اللہ القلم یعنے اول چیز کا کہ اللہ نے پیدا کیا قلم ہے۔ اسی طرح یوں بھی آیا ہے اول ما خلق اللہ نوری یعنے جو چیز کہ اللہ نے اول پیدا کی وہ میرا نور ہے اور حکما کا یہ مذہب ہے کہ اول ما خلق اللہ العقل یعنے اول جو چیز کہ پیدا کی اللہ نے وہ عقل ہے

لاحق معلول اور مدبر الوجود نے جس ذات کو اول پیدا کیا ہے اسی سے عالم کے تمام اعیان و اشخاص پیدا ہوئے ہیں اسطرح کہ مدبر الوجود یعنے اللہ تعالےٰ نے عالم علوی میں اول اپنے امر کے ساتھہ عقل کامل کو جسکو عقل کلی اور عقل اول اور اول موجود

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۳۴

پس یہ تین چیزیں ہوئیں جنمیں سے ہر ایک کا اول مخلوق ہونا لازم آتا ہے اسلیئے بعضوں نے ان اقوال میں توفیق دی ہے اور دونوں حدیثوں اور حکما کے قول میں اتفاق ثابت کر کے اختلاف اُٹھایا ہے اسطرح کہ جو چیز کہ اول پیدا ہوئی وہ اس حیثیت سے کہ مجرد ہے اپنی ذات کو اور اپنے مبدا کو جانتی ہے عقل کہلاتی ہے اور اس وجہ سے کہ وہ تمام عالم کے پیدا ہونے اور علوم کے نقوش اور حروف بننے میں واسطہ ہے قلم کہلاتا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ انوار نبوت کے حاصل ہونیکے لئے وسیلہ واقع ہوتی ہے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نور ہے ۱۲

۵؎ جب دو شی کو اس وضع سے پایا کریں کہ اُن میں کسی قسم کا اتحاد خاص درمیان ہے تو اُن میں سے جب ایک شے کو دیکھیں تو دوسری شے کے بھی وجود کا اُن کا یقین حاصل رہتا ہے یہ یقین بار بار کے تجربہ سے پیدا ہوتا ہے یہانتک کہ دونوں شے لازم و ملزوم سمجھی جاتی ہیں اور اُنکی نسبت یہ عقیدہ استحکام پاتا ہے کہ صرف زمانہ ماضی میں ایک ربط خاص درمیان اُن کے نہیں موجود رہا ہے بلکہ بزمانہ استقبال بھی وہی ربط خاص قایم رہیگا۔ مثلاً اگر آگ سے بارود کو مشتعل ہوتے دیکھا کئے ہوں تو بالیقین یہ سمجھیں گے کہ اگر کبھی آیندہ بھی بارود میں آگ لگا دیجائیگی تو وہی کیفیت پیدا ہوگی۔ جیسا زمانہ ماضی میں پیدا ہوتی آئی ہے۔ شے لازم کو علت اور ملزوم کو معلول کہتے ہیں۔ علت کی دو قسمیں ہیں ایک علت تامہ دوسری علت ناقصہ۔ علت تامہ وہ ہے کہ معلول کا وجود اُس علت کے سوا اور کسی علت پر موقوف نہ رہے علت تامہ اور اُسکے معلول کے درمیان از روے وجود کے تلازم پایا جاتا ہے۔ علت ناقصہ وہ ہے کہ معلول کا وجود اُس علت کے سوا اور کسی علت پر بھی موقوف رہے یعنے معلول کے لئے اُس علت کے سوا دوسری علت بھی ہو۔ علت ناقصہ یا داخل معلول ہوا کرتی ہے یا خارج از معلول ہوا کرتی ہے جو علت ناقصہ کہ داخل معلول ہوا کرتی ہے وہ یا ایسی ہوتی ہے کہ اُس سے معلول کے قوام بالفعل کو تعلق رہتا ہے مثلاً صورت آبخورے کے لئے اور اس علت کو علت صوریہ کہتے ہیں یا ایسی ہوتی ہے

اور صادر اول بھی کہتے ہیں پیدا کیا اور پھر اُسکے ذریعہ سے نفس ناقص جسے نفس کلی اور نفس اولی بھی کہتے ہیں پیدا کیا۔ پھر نفس کو عقل سے کمال حاصل کرنے کا ذوق وشوق پیدا ہوا۔ پس نقصان سے کمال کی جانب نفس نے حرکت کی مگر بدوں آلہ کے حرکت پوری نہیں ہوسکتی تھی اسلئے اجرام فلکی پیدا ہوئے۔ ان کو نفس نے حرکت دوری کرائی۔ اور اجرام فلکی کی حرکات کے سبب سے اربعہ عناصر کی طبیعتیں پیدا ہوئیں اور اربعہ عناصر کے ذریعہ سے مرکبات یعنے نباتات اور جمادات اور حیوانات پیدا ہوئے اور اُن سب مرکبات میں افضل اور اشرف انسان ہے اسلئے کہ اسمیں انوار قدسی کے حاصل کرنیکی استعداد ہے اور عالم علوی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور جبکہ عالم علوی میں عقل کامل کلی اور نفس ناقص کلی موجود ہیں جنہوں نے کائنات کو ایجاد کیا ہے۔

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۳۶

کہ معلول کا قوام بالفعل متعلق نہیں رہتا ہے بلکہ بالقوۃ متعلق رہتا ہے۔ مثلاً مٹی آبخورے کے لئے۔ اور اس علت کو علت مادیہ کہتے ہیں۔ وہ علت ناقصہ جو معلول سے خارج ہوا کرتی ہے یا وجود معلول میں مؤثر ہوا کرتی ہے اور باعث ایجاد معلول ہوتی ہے۔ مثلاً صانع آبخورے کے لئے اور اس علت کو علت فاعلیہ کہتے ہیں یا بعد وجود معلول کے حاصل ہوا کرتی ہے اور فعل فاعل کے اقدام کا باعث ہوا کرتی ہے اور اس علت کو علت غائیہ کہتے ہیں۔ مثلاً آبخورے کی ساخت سے غرض پانی وغیرہ کا پینا ہے۔ الحاصل تقدم بالعلیۃ وہ تقدم ہے جو علت تام کو معلول پر ہوتا ہے جیسے چھلے کو اپنی حرکت پر تقدم ہے۔ اور خاصیت اس متقدم کی یہ ہے کہ متاخر کو وجود بغیر اسکے حاصل نہیں ہوتا بلکہ متقدم کے ساتھ وجود حاصل ہوتا ہے۔ یعنے اول اُس علت کو کہ متقدم ہے وجود حاصل ہوتا ہے پھر معلول اُسکی وجہ سے وجود میں آتا ہے مگر تقدم علت کا معلول پر زمانی اور مکانی نہیں ہوتا بلکہ جب متقدم کو تقدم علیت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے وہ بے متاخر کے کسی زمانہ ومکان میں موجود نہیں ہوسکتا۔ صرف اسقدر ہوتا ہے کہ جب متقدم کی ذات کی طرف خیال کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے معلول سے اسوجہ سے پیشتر ہے کہ اُسکی علت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مبدا الوجود قدیم ہے تو صادر بھی قدیم ہے۔ فرق اسقدر ہے کہ مبدا الوجود قدیم بالذات ہے اور صادر قدیم بالغیر مگر قدیم دونوں ہیں ۱۲

تو عالم سفلی میں بھی ایسی عقل کامل کا موجود ہونا ضرور ہے جو نجات کا وسیلہ ہو۔ اور اصطلاح شرع میں اسی عقل کامل سفلی کو رسول کہتے ہیں۔ اور رسول کی نیابت میں ایک نفس ناقص نجات کے طریقے بیان کرنیکے لئے ہوتا ہے جسکو اس معاملہ میں رسول کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو نفس کلیہ کو عقل کلی کے ساتھ کائنات کے ایجاد کرنیکے معاملہ میں نسبت ہوا کرتی ہے۔ اسی نفس ناقص رسول کے نائب کو امام اللہ رسول کا وصی کہتے ہیں۔ اور جس طرح افلاک کو عقل اول اور نفس اول حرکت دیتے ہیں اسی طرح رسول اور امام انسانوں کے نفوس کو نجات کی طرف حرکت دیتے رہتے ہیں۔

مگر ان لوگوں کے ان مدبر الوجود یعنی اللہ تعالےٰ کے لئے نہ کوئی نام ہے نہ نشان نہ بیان نہ صفت اور نہ اسکو الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ پس انکے زعم میں خدا نہ موجود نہ معدوم نہ عالم نہ جاہل نہ قادر نہ عاجز وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ان کا زعم یہ ہے کہ ان اوصاف کے اثبات سے خدا کی مشارکت موجودات کے ساتھ لازم آجائے گی اور نفی اقتضائے تعطیل کرتی ہے اسلئے یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ قدیم ہے وہ خدا کا امر اور کلمہ ہے اور جو کچھ محدث ہے وہ خلق ہے اور اسکی فطرت۔

بعد اسکے داعی مدعو سے کہتا ہے کہ یہ دوسرا یعنے صادر جسکو عقل کامل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اعمال ذات میں مدبر الوجود کے اتباع اختیار کرتا ہے یہانتک کہ یہ مدبر الوجود کے مرتبہ کو پہونچ جاتا ہے۔ اسی طرح امام جسے صامت اور وصی بھی کہتے ہیں اپنے اعمال میں رسول کی پیروی کرکے رسول کے حکم میں ہوجاتا ہے جس کو ناطق بھی کہا کرتے ہیں اور دونوں میں ذرا بھی تفاوت نہیں رہتا۔ اسی طرح داعی وصی کے مرتبہ کو پہونچ جاتا ہے۔ غرضکہ عالم کے کاروبار اسی طریق پر جاری ہیں۔ اسکے بعد داعی کہتا ہے کہ رسول کا معجزہ یہی چیزیں ہیں جس سے انسانوں کی سیاست کا کام متعلق ہے سوا اسکے کچھ بھی نہیں اور انتظام عالم کی غرض یہی تھی۔ زمین وآسمان جواہر واعراض کی حقیقتیں بیان کرتا ہے کبھی ایسی وضاحت

سلہ حکمائے یونان کا بھی یہی مذہب ہے کہ جواہر عالم عقل علت ہے جواہر عالم اجسام کی۔ ۱۲

کے ساتھ کہ لوگ اُسے سمجھ لیتے ہیں کبھی ایسی رمز کے ساتھ کہ علما بھی اُسکے ادراک سے عاجز آتے ہیں اور ایسی تدبیر کے ساتھ رسول کی شریعت کو انتظام حاصل رہتا ہے اور آدمی اُسے مانتے ہیں۔ اور داعی کہتا ہے کہ قیامت اور ثواب وعذاب کے معانی کچھ اور ہی ہیں جو عام طور پر ہر ایک کی سمجھ میں آنا دشوار ہیں اور وہ نہیں مگر حادث ہونا کواکب کے دوروں کا وقت پورا ہونے سے پہلے دوروں کے اور سیارات اور ثوابت میں کسی طرح کون وفساد نہیں آسکتا۔ انکی طبائع اس سے پاک صاف ہیں پس قیامت کے یہ معنے اصل میں درست نہیں ہیں کہ اجرام علوی فنا ہوجائینگے اسکے بعد داعی دعوت ہفتم شروع کیا کرتا ہے۔

دعوت ہفتم۔ یہ دعوت سب دعوات کا نتیجہ ہے جب داعی مدعو کی طرف سے مطمئن ہوجاتا ہے تو اُسے ہدایت کرتا ہے کہ فلاسفہ کی کتب دیکھا کر۔ اور علوم آلہی اور طبعی کا مطالعہ کرتا رہ۔ جب داعی سمجھ لیتا ہے کہ مدعو کو فلاسفہ کے اقوال پر خوب واقفیت حاصل ہوچکی تو اب داعی اپنے رازوں کو کھولنا شروع کرتا ہے کہ جو کچھ میں نے تجھے اصول وحدوث سے ابتک اطلاع دی ہے یہ سب رموز اور اشارات ہیں صرف معانی اور مبادی اور انقلاب جواہر کے اور وحی صرف نفس کی صفائی کا نام ہے۔ اور رسول یا نبی کا کام یہ ہے کہ جو بات اُسکے دل میں آتی ہے اور اُسے بہتر معلوم ہوتی ہے وہ اور لوگوں کو بتادیا کرتا ہے۔ اور اسکا نام کلام آلہی رکھ دیتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ قول اثر کرجائے۔ اور اسے مان لیں تاکہ سیاست اور مصلحت عام میں انتظام رہے۔ اور جبکہ نبی کی حقیقت یہ ٹھری تو اسکے تمام اقوال پر عمل کرنا کیا ضرور اور اُسی قدر پر عمل کرنا چاہیئے۔ جو اپنی مصلحت اور حاجت کے مناسب ہو۔ بلکہ عارف کے واسطے تو نبی کے کسی قول پر عملدرآمد اور پابندی ضرور نہیں اُسکے لئے صرف معرفت ہی کافی ہے کیونکہ معرفت ہی اصل الاصول ہے۔ اور سب کمالات کی انتہا اسی کیطرف ہے۔ اور جو کچھ قیدیں اور اعمال کی پابندیاں مقرر ہیں وہ کافروں کے واسطے واجب

ہوئے ہیں جو معرفت سے آگاہ نہیں ہوتے۔ اور عارف کے حق میں یہ باتیں
بالکل عبث اور بارِ گراں ہیں اور اقسام معرفت میں سے ان لوگوں کے نزدیک
ایک یہ ہے کہ انبیائے ناطق صاحب شرائع واسطے سیاست عام کے مقرر ہیں
اور جن انبیا کے پاس حکمت خاصہ ہے وہ فلاسفہ کی جماعت ہے اور عالم کا وجود
روحانی ہے اور جو کچھ ریاضت کتب معارف کے مطالعہ میں کیجاتی ہے یہی ناظر کو
امام تک پہونچا دیتی ہے۔ اور امام کے ظہور کے معنے یہ ہیں کہ دعاۃ کے ذریعہ سے
اُسکے احکام امر و نہی جاری ہوں یعنے یہی امر و نہی کا ظہور بعینہ امام کا ظہور ہے۔
مقتدایان اسماعیلیہ طالبین اور اپنے معتقدین کو غیر مذہب والوں کی
اہل اسلام میں سے کتب دیکھنے سے منع کرتے ہیں بلکہ جسقدر بیانات متقدمین
اسماعیلیہ نے اپنی کتب میں مندرج کئے ہیں اُنکے سیر و مطالعہ سے بھی علمائے
متاخرین اسماعیلیہ روکتے ہیں اور اُن میں خوض و فکر کرنے سے منع کرتے ہیں
تاکہ ذکی الطبع ہمارے فضایح و قبایح پر مطلع نہ ہو جائے۔

زیدیہ

اتباع زید بن علی زین العابدین بن حسین بن حضرت علی بن ابی طالب
ہیں۔ یہ لوگ زید کو امام اعتقاد کرتے ہیں۔ ۱۲۱ ہجری اور بقولے ۱۲۲ھ
میں جب زید بن علی نے ہشام بن عبدالملک مروانی پر خروج کیا اور لوگوں کو
دعوت بیعت کی تو بہت سے لوگ ان کے شریک ہوگئے اور انکی امامت کے
قائل ہوئے اور اُن سے بیعت کی اور بارہ ہزار آدمی یا تئیس ہزار شیعہ تبرائیہ
میں سے کہ اکثر اُن میں کے کیسانیہ و مختاریہ اور تھوڑے سے وہ لوگ ہیں جو
زین العابدین کی امامت کے قائل تھے اُنکے ہمراہ ہوئے۔ اُن دنوں کوفہ
اور عراقین کا گورنر ہشام کی طرف سے یوسف بن عمر ثقفی تھا۔ یہ سب جماعت اُس
سے لڑنے کو بڑھی۔ جب زید کو معلوم ہوا کہ غلاۃ شیعہ تبرا اور ہجو صحابہ کی کرتے ہیں

تو انہیں منع کیا۔ یوسف اپنا لشکر آراستہ کرکے مقابلہ کو آیا تو غلاۃ گہبرائے کیونکہ جان جانے اور محبت کے امتحان کا وقت قریب آگیا تہا اور یہ لوگ بہانے کرکے گہروں کو چلدئے۔ کہ زید ہمکو کیوں صحابہ کے تبرا سے منع کرتے تہے۔ مگر خالص مخلص ہمراہ رہ گئے۔ جنگ میں اتفاقاً ایک تیر زید کی پیشانی پر لگا جسکے صدمہ سے طایر روح قفس بدن سے اُڑ گیا۔ جو لوگ زید شہید کے ساتہہ تھے وہ اپنے آپ کو شیعہ خالص کہنے لگے اور کہا کہ امام برحق بہی تہے کہ اپنے اسلاف کی طرح ظالم دشمنوں سے لڑکر مارے گئے۔ اور اپنی جان امامت کی راہ میں دیدی اور امام کو یہی چاہئے کہ راہ خدا میں کسی سے نہ ڈرے اور تلوار کے ساتہہ نکلے اور کسی کی پشتی ورفاقت یا ترک مدد کی پروا نہ کرے اور جو لوگ اُن سے جدا ہوکر کوفہ کو چلے گئے تہے اُنہیں روافض کہنے لگے بلکہ جب اُن جہوٹے شیعوں نے ترک رفاقت کی تہی تو خود زید شہید نے کہا تہا رفضونا فهم الروافض مگر حدیث مرفوع میں ہے یکون فی اخر الزمان قوم یسمون الرافضة یرفضون الاسلام فاقتلوهم فانهم مشرکون یعنے ہوگی آخر زمانہ میں ایک قوم کہ نام رکہے جاوینگے رافضی۔ چہوڑ دینگے اسلام کو پس قتل کرنا تم انکو اسلئے کہ مشرک ہونگے اور ایک روایت میں ہے وینتحلون حب اهل البیت ولیسوا کذالک وآیۃ ذالک انهم یسبون ابابکر وعمر یعنے دعوی کرینگے محبت اہل بیت کا اور نہیں ہونگے وہ ایسے اور علامت اسکی یہ ہے کہ وہ برا کہیں گے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو۔ یہ روایت صواعق محرقہ میں ہے اور مشکوٰۃ میں بہی مذکور ہے اور دارقطنی نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ آوے گی بعد میرے ایک قوم کہ کہا جاوے گا اُن کو رافضی۔ پس اگر پاوے تو اُن کو قتل کریو انکو اسلئے کہ وہ مشرک ہیں۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا علامت ہے اُن میں۔ فرمایا بڑہا وینگے تجھکو ساتہہ اُس چیز کے کہ نہیں تجھ میں اور طعن کرینگے صحابہ پر۔ اور دارقطنی کی ایک روایت میں اس طرح ہے۔ اور یہ اس سبب سے ہے کہ

وہ برا کہیں گے ابوبکر و عمر کو اور جو کوئی برا کہے میرے اصحاب کو پس اُس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی اور عبداللہ بن احمد نے زوائد میں روایت کی کہ حضرت نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جنکا نام رافضہ ہے کہ وہ رفض یعنے ترک کرینگے اسلام کو۔

بعد اسکے واضح ہو کہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی بھی زید بن علی کی صحت امامت کے قائل تھے۔ اور اس خروج کو انکا اچھا جانتے تھے اور لوگوں کو انکی رفاقت کے لئے آمادہ کرتے تھے۔ جس قدر مخلصین زید کے ساتھ رہے تھے اُنھوں نے اپنی جانوں کو زید کی طرف منسوب کر دیا۔ اور مذہب جداگانہ نکال لیا۔ ان میں سے عمدہ داعی یہ لوگ ہیں۔ یحییٰ بن زید بن علی بن حسین اور یحییٰ بن حسین بن ہاشم حسنی کہ حسن بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہٗ کی نسل سے تھا۔ اس نے اپنا لقب ہادی رکھا اور ۲۸۰ھ میں خروج کیا اور یمن اور حجاز کے شہروں پر قبضہ کر لیا اور احکام نام ایک کتاب فقہ زیدیہ میں تصنیف کی اور اس کا بیٹا مرتضیٰ بھی زیدیہ کے مذہب کا داعی تھا اور حسن بن احمد بن یحییٰ بن حسین اور یحییٰ بن احمد بن یحییٰ بن حسین یہ بھی زیدیہ کے دعاۃ میں سے تھے۔ اور یہانتک زیدیہ کا مذہب خالص رہا کہ اصحاب کبار پر تبرا نہیں کرتے اور زید سے بہت سے نصوص اس مدعا پر نقل کرتے ہیں اور سب کو نیکی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگرچہ امامت جناب امیر کا حق تھا مگر انہوں نے خود خلفائے ثلثہ کو دیدی اور کہتے تھے کہ بیعت خلفا کی خطا نہ تھی اسلئے کہ جناب امیر اُس سے راضی تھے اور معصوم خطا اور باطل بات سے راضی نہیں ہوتا ہے۔ انکا سارا مذہب امامت کے باب میں اہل سنت وجماعت کے مذہب کے موافق تھا۔ مگر فرق اسقدر ہے کہ ان کے نزدیک امام کا فاطمی ہونا شرط ہے اور جب وہ فاطمی کسی غیر فاطمی کو امامت سپرد کر دے تو اس کی امامت منعقد ہو جاتی ہے لیکن یہ حال ان لوگوں کا تھا جو خاص زید شہید کے متبع تھے۔ پھر بعضے علمائے زیدیہ نے بعض باتیں

اسماعیلیہ و امامیہ کے مذہب میں سے لے کر مذہب زیدیہ میں داخل کرکے آپ داعی اس مذہب کے بنے اور ہر ایک کے متبعین سے ایک فرقہ مقرر ہو گیا جیسے ابو الجارود کہ کنیت اسکی ابو النجم ہے اور سلیمان بن جریر اور ابتر ثومی اور حسین بن صالح اور نعیم بن یمان اور یعقوب وغیرہ مگر یہ سب زیدیہ میں شمار پاتے ہیں اور زید بن علی بن امام حسین بن امیر المؤمنین علی شاگرد واصل بن عطا رئیس معتزلہ تھے۔ اصول کو اسی سے لیا تہا۔ اسی وجہ سے سارے زیدیہ اصول میں معتزلی ہیں مگر مسئلہ امامت میں معتزلہ سے مخالف ہیں اور کہتے ہیں امام وہ ہوتا ہے جس میں چھ خصلتیں ہوں۔ علم۔ زہد۔ شجاعت اور اولاد فاطمہ زہرا سے ہو حسنی ہو یا حسینی۔ اور بعض نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ صحیح الوجہ بہی ہو اور کسی طرح کی آفت اس میں نہ ہو۔ اور زیدیہ فروع میں حنفی ہیں مگر چند مسائل میں خلاف رکھتے ہیں۔ سارے زیدیہ کا مثل امامیہ کے یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کا ارادہ حادث ہے اور اسکا ارادہ ساری موجودات کو عام و محیط نہیں بلکہ بہت سی موجودات اسکے بلا ارادہ پیدا ہو گئی ہیں۔ جیسے شر اور آفت اور کفر اور معصیت۔ اور یہ بہی کہتے ہیں کہ اللہ کی بعض مرادیں واقع نہیں ہو سکتیں اور شیطان اور کافروں کی واقع ہو جاتی ہیں۔ اور کیسانیہ کا بہی یہی عقیدہ ہے۔ اور زیدیہ یہ بہی کہتے ہیں کہ اللہ بعض بندوں کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے مگر شیطان و مغویان بنی آدم اسے گمراہ کر دیتے ہیں اور اللہ تعالے کا ارادہ انکے سامنے نہیں چل سکتا یہی عقیدہ امامیہ کا ہے اور یہ آٹھ فرقے ہیں جنمیں قدر مشترک زید بن علی کی امامت ہے اور انمیں سے اکثر کے نزدیک ائمہ کا ایک وقت بلکہ ایک ملک میں متعدد ہونا جائز ہے۔

ایک فرقہ جارودیہ[۱] ہے۔ مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ یہ فرقہ اپنے رئیس کی طرف منسوب ہے جو خراسان کا باشندہ تہا۔ اور اسے ابو جارود زیاد بن منذر

[۱] صاحب کشاف اصطلاحات الفنون نے صفحہ ۹۵ میں کہا ہے جارودیہ زیدیہ کا ایک فرقہ انکا ذکر وہاں باب زائے معجمہ کی فصل دال مہملہ میں آئیگا اور صفحہ مذکور میں جارودیہ کا لفظ ہے

عبدی کہتے ہیں اس شخص کا امام محمد باقر نے سرحوب نام رکھا تھا اور کہا تھا کہ سرحوب ایک شیطان ہے کہ سمندر میں مقیم ہے۔ اسی لئے اس فرقہ کو سرحوبیہ بھی کہتے ہیں۔ اسکا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نص کی تھی امامت حضرت علی پر ساتھ وصف کے۔ نہ ساتھ نام کے۔ اور لوگ ترک کرنے سے بیعت حضرت علی اور حسن اور حسین اور انکی اولاد کے کافر ہوگئے اور کہتا تھا امامت حسن اور حسین کے بعد انکی اولاد میں ہے جو کوئی انمیں سے تلوار کے ساتھ خروج کرے گا اور عالم اور شجاع ہوگا وہی امام ہے اور جارودیہ میں امام منتظر کی بابت اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ امام منتظر محمد بن عبداللہ بن حسین بن علی ہیں جو منصور کے عہد میں دعوت امامت کی وجہ سے مقتول ہوئے اور یہ انکے مقتول ہونے کے منکر ہیں۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم بن علی بن حسین صاحب طالقان امام منتظر ہیں جنہوں نے معتصم کے زمانہ میں خروج کیا اور گرفتار ہوئے معتصم نے انہیں قید میں رکھا۔ قید خانہ ہی میں انتقال کیا۔ پس یہ لوگ انکی موت کے منکر ہیں۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ امام منتظر یحییٰ بن عمر ہے جو زید بن علی زین العابدین کے اصحاب میں سے تھا اور صاحب کوفہ اسے کہا کرتے ہیں اور یہ بوجہ دعوت امامت کے مستعین باللہ کے وقت میں مارا گیا سو یہ لوگ اسکی موت کے منکر ہیں۔

دوسرا فرقہ دکینیہ۔ یہ فضل بن دکین کے پیرو ہیں اور تمام باتوں میں جارودیہ کے

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۴۳

علیحدہ اور دال مہملہ کے ساتھ لکھا ہوا ہے مگر یہاں حلیہ نہیں لکھا ہے اور صفحہ ۲۶۱ میں زیدیہ کی ذیل میں بھی جارودیہ کے عقاید کا حال لکھا ہے اور سرحوب کا بھی ذکر کیا ہے اور صفحہ ۲۲۲ میں یوں لکھا ہے۔ جارودیہ ابی الجارود کے اصحاب ہیں اور یہاں حلیہ اگرچہ نہیں لکھا ہے مگر صاف طور پر انہیں حروف کے ساتھ ہے اور یہاں سند النہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اس فرقہ کا قول یہ ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نص کی تھی امامت حضرت علی پر ساتھ وصف کے نہ ساتھ نام کے صحابہ نے جو بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی سے مخالفت کی انکو اپنا امام نہ مانا سو وہ کافر ہوگئے۔ تعجب اس بات کا ہے کہ صفحہ ۱۹۵ میں تو جارودیہ لکھکر وہ کہا اور صفحہ ۲۲۲ میں جارودیہ لکھکر یہ کہا اور زیدیہ میں بھی موافق صفحہ ۲۲۲ کے بیان کیا ہے زیدیہ میں بیان کرنے تو تعجب نہیں تعجب اس بات کا ہے کہ جارودیہ اور جارودیہ کو علیحدہ علیحدہ جیم کے حرف میں لکھا ہے۔ ۱۲

موافق ہیں۔ مگر طلحہ اور زبیر اور ام المومنین عائشہ کو کافر بتاتے ہیں باقی صحابہ کو برا نہیں کہتے۔

تیسرا فرقہ سلیمانیہ ہے جسے جریریہ بھی کہا کرتے ہیں۔ یہ سلیمان بن جریر یہ کی طرف منسوب ہیں۔ اسکا اعتقاد یہ ہے کہ امامت نام ہے شورے کا درمیان خلق کے اور دو مسلمانوں کے مقرر کرنے سے بھی منعقد ہو جاتی ہے اور امامت مفضول کی فاضل کے موجود ہوتے صحیح ہے اور یہ کہتا تھا کہ لوگ ترک بیعت حضرت علی سے کافر نہیں ہوئے بلکہ خطاوار ہوئے کہ افضل کو چھوڑ دیا۔ یہ جارودیہ کی تکفیر کرتے ہیں اسلئے کہ وہ صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ مگر سلیمانیہ طلحہ اور بی بی عائیشہ کے مکفر ہیں اور حضرت عثمان بن عفان کو بھی کافر بتاتے ہیں بسبب اُن خلاف امورات کے جاری کرنیکے جو اُنہوں نے اپنی خلافت میں نکالے تھے۔ حالانکہ وہ سارے فتور اُنکے اقارب بنی امیہ کے تھے نہ حضرت عثمان کے اُن لوگوں نے مخلوق پر دست درازی کرنا شروع کی تھی۔ جبر کرنے لگے تھے وہ جبر اُنپر آپڑا اختلاف کثیر و پیدا ہو گئے عثمان رضی اللہ عنہ پر مواخذات کیے گئے۔ اور سلیمانیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے کسی کی امامت پر نص نہیں کی بلکہ بعد اُن کے امر شوریٰ ہو گیا۔

چوتھا فرقہ تبریہ کہ **لوثیبہ**[له] بھی کہلاتے ہیں یہ مغیرہ بن سعد کے اصحاب ہیں جو ابتر کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ موافق ہیں سلیمانیہ کے مگر کہتے ہیں کہ حضرت علی افضل والے بامامت ہیں گو حضرت ابو بکر بھی امام تھے اور اُنکی امامت خطا نہ تھی نہ کفر بلکہ خود حضرت

له بتریہ و لوثیبہ نیز لقب آنہا ست۔ یاران مغیرہ بن سعد کہ ملقب بہ ابتر بود از تحفہ و شرح مواقف میں ہے التبریۃ ہو بتیر الثومی اور تعریفات سید شریف میں بھی لکھا ہے کہ تبریۃ بتیر ثومی کیطرف منسوب، بعد بتر میں بائے موحدہ کے بعد تائے فوقانی اور اُسکے بعد یائے تحتانی ہے اور ملل و نحل شہرستانی میں ہے التبریۃ اصحاب کثیر النوی الابتر اور کشف الغمہ میں ہے بتریہ اتباع ہیں حسن بن صالح بن کثیر ابتر کے اور ترجمہ ملل و نحل میں ہے تبریہ اصحاب کثیر بن تبری اور تعلیقہ میں بہبانی نے کہا ہے البتریۃ بضم الباء و قیل بکسرہا منسوبون الی کثیر النوی الابتر لانہ کان ابتر الیہ و قیل الی المغیرۃ ابن سعد یعنے تبریہ میں بائے موحدہ مضموم یا مکسور ہے یعنے فرقہ کثیر کیطرف منسوب ہے چونکہ اسکا ہاتھ کٹا ہوا تھا اسلئے اسکے فرقہ کو تبریہ کہنے لگے کیونکہ عربی میں ابتر مقطوع اعضا تمام کو کہتے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ فرقہ مغیرہ بن سعد کیطرف منسوب ہے ۱۲

علی نے انکو امامت دیدی اور حضرت عثمان کی تکفیر نہیں کرتے اُنہیں متوقف ہیں اسواسطے کہ ان کے حق میں جناب امیر کا سکوت اور رضا مندی انکی خاطر خواہ ثابت نہ ہوئی اور کہتے ہیں کہ جناب امیر اپنی بیعت کے بعد سے امام ہوئے اور توضیح المقال میں لکھا ہے کہ بعض فضلا کہتے ہیں کہ تبریہ کے نزدیک تقدیم مفضول کی فاضل پر جائز ہے۔

پانچواں فرقہ نعیمیہ ہے۔ یہ نعیم بن یمان کے مقلد ہیں یہ سارے عقاید میں تبریہ کے موافق ہیں مگر حضرت عثمان کو کافر جانتے ہیں باقی صحابہ کو نیکی کے ساتھہ یاد کرتے ہیں۔

چھٹا فرقہ یعقوبیہ ہے۔ اتباع یعقوب کے۔ یہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی امامت کے منکر ہیں۔ بلکہ بعضے انہیں سے تبرا کرتے ہیں ان دونوں سے اور قائل ہیں رجعت اموات کی طرف دنیا کے قیامت سے پہلے۔

ساتواں فرقہ خشبیہ ہے۔ یہ خلف بن عبدالصمد کے تبع ہیں خشبیہ انکا اس وجہ سے نام ہے کہ جب سلطان وقت پر انہوں نے خروج کیا تھا تو ان کے پاس اسباب جنگ اور ہتھیار نہ تھے۔ صرف لکڑیاں اور لاٹھیاں لے کر اُٹھے تھے اور خشب زبان عربی میں لکڑی کو کہتے ہیں انکا عقیدہ یہ ہے۔ امامت نام ہے شوریٰ کا۔ اولاد بی بی فاطمہ میں اگر کوئی اور شخص امام بنجائے تو اس پر خروج کرنا واجب ہے۔

آٹھواں فرقہ صالحیہ ہے۔ یہ حسن بن صالح بن حی کے اتباع ہیں انکا عقیدہ یہ ہے کہ امامت شوریٰ ہے درمیان اولاد بی بی فاطمہ کے جو کوئی فاطمی صفت شجاعت وسخاوت وعلم کے ساتھہ متصف ہو اور تلوار لیکر خروج کرے وہ امام ہے اور باقی قول امامت میں تبریہ کے موافق ہیں اور حضرت عثمان کے معاملہ میں متوقف ہیں نہ اُنہیں مومن جانتے ہیں نہ کافر۔

امامیہ

اب غور سے سنو کہ امام کا مقرر کرنا بعد ختم زمانہ نبوت کے واجب ہے یانہیں۔ اور واجب ہے تو کیا خداے تعالےٰ پر واجب ہے یا خلق پر اور پھر واجب ہے تو ثبوت

اس وجوب کا دلیل شرعی کے ساتھ ہے یا عقلی کے۔ پس خوارج یہ کہتے ہیں کہ کسی طرح امام کا مقرر کرنا واجب نہیں اور اسماعیلیہ اور امامیہ کہتے ہیں کہ اللہ پر امام کا مقرر کرنا عقلاً واجب ہے۔ تا قانون شرع کی محافظت کے ساتھ تاکہ یہ قانون تقریرئیہ خدا کی طرف واجب ہونیکی علامت اور معرف ہے کیونکہ اس بات کے سمجھنے کے واسطے ایک جتانے والے کی ضرورت ہے۔ سو جتانے والا یہ قانون شرع رہیگا۔ اور اہل سنت اور معتزلہ کی یہ رائے ہے کہ مخلوق پر امام کا مقرر کرنا واجب ہے۔ مگر معتزلہ کے نزدیک عقلاً واجب ہے۔ اور زیدیہ کا بھی یہی مشرب ہے۔ مگر ہشام بن عمر غوطی معتزلی اور اُسکے اتباع کے نزدیک امن وامان کی حالت میں امام کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ شعائر اسلام کو ظاہر کرے اور فتنہ وفساد کی حالت میں ضرور نہیں اسلئے کہ سرکش لوگ اُسکی اطاعت نہ کرینگے تو خونریزی ہوگی۔ اور ابو بکر اصم معتزلی اور اُسکے اصحاب کی یہ رائے ہے کہ فتنہ وفساد کے وقت میں امام کا مقرر کرنا واجب ہے اور امن واطمینان کی حالت میں ضرور نہیں۔ کیونکہ اس وقت میں امام کی کیا حاجت ہے۔ اور بعضے معتزلہ جیسے جاحظ اور کعبی اور ابو الحسین یہ کہتے ہیں کہ عقلاً وسمعاً دونوں طرح واجب ہے اور اہل سنت وجماعت کے نزدیک بدلیل سمعی[1]۔ اور امامیہ کہتے ہیں کہ خلافت جامع وشامل ہے امامت وسلطنت کو خواہ حقیقت کے ساتھ ہو جیسے حضرت علی کی خلافت کہ وہ امامت وسلطنت وحقیقت تینوں باتوں کو جامع تھی صرف غلبہ وتسلط کے ساتھ ہو جیسے خلافت خلفائے ثلثہ کی کہ وہ حقیقت کے ساتھ نہ تھی اور نہ وہ امامت کو جامع تھی۔ اور امامت خاص ہے۔ یعنے صرف نبی کی نیابت بدون سلطنت وامارت وحکومت اسی لئے شیعہ خلفائے ثلثہ کو امام نہیں جانتے اور ائمہ اثنا عشر کو امام مانتے ہیں۔ اور محققین اہل سنت خلافت عامہ اور امامت دونوں کو مترادف جانتے ہیں اور دونوں کے معنے بادشاہی لیتے ہیں جو کہ واسطے انتظام دین اسلام کے پیغمبر علیہ السلام کی نیابت میں ہو اور کہتے ہیں کہ جب خلیفہ میں دین اسلام کا انتظام

---

[1] دیکھو شرح تجرید کا مقصد خاص ۱۲

کرنے کی صفات ہوں اور حکم اُسکا جاری ہو تو یہ بادشاہی اُسکے لئے موجب گناہ نہیں
افضل امت ہو یا نہ ہو۔ اور امامیہ کہتے ہیں کہ افضل امت ہو کر حکم آلہی میں اُسکی اطاعت
تمام امت پر واجب ہے۔ بادشاہ اور عزل اسکا ہو یا نہ ہو۔ اور امامت اس معنے میں
ایک ایسی بات ہے کہ کسی گروہ نے اُسکو ثبوت کو نہیں پہونچایا ہے۔ اور نہ قرآن و
حدیث اسکے موید ہیں۔ اور نہ حضرت علی کی اولاد نے اس معنے پر کسی عہد میں
اتفاق کیا ہے۔ ال اہل سنت و جماعت خلافت کو ضمیمہ امامت جانتے ہیں۔
یعنے جبکہ امام موجود ہو تو خلافت اُسکا حق ہے۔ کسی دوسرے کو نہ لینا چاہئے۔ پس
اصل مسئلہ یہ ہوا کہ امام کی اطاعت فرض ہے۔ پھر اگر کوئی معصوم کسی کو اپنی طرف
سے بادشاہ بنادے تو اسکی بادشاہت صحیح متصور ہوگی۔ اور خود وہ معصوم امام
رہے گا۔ اور یہ شخص خلیفہ جسطرح حضرت شمویل علیہ السلام نے طالوت کو خلیفہ
کردیا تھا۔[۱]

مسئلہ امامت میں بہت سے اختلاف اور شعب پیدا ہو گئے ہیں اور یہ مسئلہ
بڑا خلافی مسئلہ ٹہرا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ امام بعد رسول خدا کے فلاں شخص ہے
بنص۔ کوئی کہتا ہے فلاں شخص ہے باجماع۔ ایک کچھ کہتا ہے۔ اور دوسرا کچھ کہتا ہے
پھر اس پر ترتیب تکفیر و تضلیل و تبدیع و تشنیع کی جاتی ہے۔ پھر اس کارروائی سے
طرح طرح کی عداوتیں باہم پیدا ہوتی ہیں۔ جس سے نوبت خونریزی اور التفرق فی الدین
کی پہونچتی ہے۔ اللہ نے ہمکو اپنا بندہ واسطے ادائے واجبات شرعیہ کے بنایا ہے
جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ۔ پر ہمپر واجب نہیں ہے کہ ہم یہ امر پہچانیں کہ فلاں
شخص فلاں وقت میں خلیفہ تھا اور فلاں شخص اُس وقت میں خلیفہ نہ تھا۔ اسلئے
کہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ قلم اُس سے سوکھ چکا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا حکم اُسکے
سامنے بندوں کے درمیان اجرا پا چکا ہے۔ وہ سب روز قیامت کو اللہ پاک کے سامنے
کھڑے ہونگے وہاں محق مبطل سے مصیب مخطی سے ممتاز و ممیز ہوجائیگا ہمکو کیا پڑا ہے

---

[۱] دیکھو ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ۱۲

کہ ہم ایسی قوم سے مشتغل ہوں جنکو گذرے ہوئے ایک زمانہ دراز گذر گیا ہے نہ
انکے محسن نے ہمارے ساتھ کوئی احسان کیاہے اور نہ انکے ہستی نے ہمارے
ساتھ کوئی برائی کی ہے۔ اور جب کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ کے کسی بندہ پر معرفت
اس امام کی واجب ہے جس کا زمانہ اس نے نہیں پایا ہے تو یہ دعویٰ اسکا بغیر برہان
شرعی کے قبول نہ ہوگا کیونکہ اس شریعت کے واجبات محض دعوے سے ثابت نہیں
ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ٹھہرے تو پھر معرفت نبوت انبیا علیہم السلام کی بھی آدم
علیہ السلام سے تا خاتم النبوت واجب بلکہ اوجب ہوگی۔ کیونکہ امامت رسالت کی
فرع ہے۔ اور جمہور اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ امامت کا سارا مبحث حقیقۃً مسائل
فقہیہ میں سے ہے۔ اسلئے کہ امام کا مقرر کرنا امت پر بدلیل سماعی واجب ہے۔
پس یہ حکم مکلف سے متعلق ہے جو فقہ کا موضوع ہے۔ گروہ ناجی اور فرقہائے
ناری کا اختلاف کھولدینے کی غرض سے علم کلام میں لے آتے ہیں لیکن اس باب
میں تحقیق وہ ہے جو صاحب مسامرہ شرح مسایرہ ابن ہمام نے اختیار کیا ہے
کہ امامت کے سارے مباحث ایسے نہیں ہیں جو صرف فعل مکلف سے متعلق
ہوں اسلئے ان میں سے بعض اعتقادی بھی ہیں۔ مثلاً اس بات کا اعتقاد کرنا کہ
امام اول حضرت ابو بکر ہیں پھر حضرت عمر اور خلفا کی تفضیل علی الترتیب بھی اسی قبیل
سے ہے۔ پس اس مسئلہ کے عقائد سے ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر باوجود اسکے
جمہور اہل سنت اسکو ظنی جانتے ہیں قطعیت پر کوئی دلیل کافی قائم نہیں ہے۔ اور
اہل سنت کے نزدیک مسئلہ افضلیت مستقل ہے ترتیب خلافت پر متفرع نہیں اور
نہ ترتیب خلافت پر موقوف ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ خلافت اس ترتیب پر نہ ہوتی
تب بھی ترتیب افضلیت اس نہج پر ہوتی کہ سب اصحاب رسول اللہ میں سے افضل ابو بکر صدیق ہیں پھر عمر
پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم۔ تمام اہل سنت و جماعت اور اکثر قدمائے معتزلہ اسی مذہب پر ہیں
اور خوارج و نواصب کے نزدیک بھی صرف حق شیخین میں یہی ترتیب ہے۔ اور خطابیہ
کے نزدیک سب سے افضل حضرت عمر ہیں۔ اور فرقہ عباسیہ جو امامت

سلہ دیکھو دیل التمام حاشیہ شفاء الاوام مولفہ شوکانی؎

حضرت عباس کا قائل ہے۔ اُسکی رائے میں افضل اصحاب عباس بن عبدالمطلب ہیں
اور شیعہ تمام علی الاتفاق حضرت علی کو سب سے افضل جانتے ہیں۔ اور لفظ قطعی خلیفہ
یا امام کرنے پر کسی جانب میں نہیں ہے۔ خلافت اور امامت کا وجود ان چار طور سے
متقرر ہوتا ہے ایک اہل حل وعقد کی بیعت سے اور وہ علماء و قضاۃ و امراء و مشاہیر قوم
ہیں کہ اُنکے سامنے بیعت کی جائے مگر تمام ممالک اسلام کے اہل حل وعقد کا بیعت کے وقت
موجود ہونا شرط نہیں کیونکہ یہ محال ہے اور نہ ایسے ایک ایک دو دو آدمی کا ہونا مفید
ہیں خلافت حضرت صدیق اور حضرت علی کی ایسے طور پر منعقد ہوئی ہے دوسرا طور
استخلاف ہے کہ خلیفہ عادل اُن آدمیوں میں سے جو ایسے منصب کی لیاقت رکھتے ہوں
اُن میں سے ایک شخص منتخب کرکے مسلمانوں کی دلسوزی وہمدردی کی وجہ سے وصیت
کردے کہ میرے بعد اس شخص کی متابعت کرنا چاہیئے۔ حضرت فاروق کی خلافت اسی
طور سے واقع ہوئی تیسرا طور شوریٰ ہے کہ خلیفہ چند ایسے آدمیوں کو جن میں شرائط
خلافت جمع ہوں خلافت کے لئے نامزد کرکے مسلمانوں کو یہ وصیت کردے کہ تم جسکو
چاہو ان میں سے خلافت کے لئے اختیار کر لینا حضرت عثمان کی خلافت اسی طور پر
منعقد ہوئی تھی چوتھا طور یہ ہے کہ جب خلیفہ کا انتقال ہو جائے تو کوئی شخص
منصب امامت کو بغیر بیعت اور استخلاف اور شوریٰ کے حاصل کرکے تمام آدمیوں کو
اپنے حلقہ اطاعت میں کھینچ لے اور خواہ وہ تالیف قلوب کے ساتھ یا زور و خونریزی
کرکے خلیفہ و امام ہو جائے۔ پھر یہ طور دو قسم پر ہے (۱) ایسے خلیفہ میں شرائط خلافت
موجود ہوں اور اپنے مخالفوں کو صلح اور تدبیر کے ساتھ اپنی مخالفت سے روکدے اور کسی
امر حرام اور ناجائز بات کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ یہ قسم جائز ہے۔ اور معاویہ بن ابی سفیان
کی امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات اور امام حسن سے صلح کے بعد اسی قسم کی
تھی (۲) اُس میں ساری شرائط امامت مجتمع نہ ہوں۔ اور حرام اور ناجائز باتوں
کا ارتکاب کرکے مخالفین سے اپنی حکومت تسلیم کرائے۔ ایسا شخص اگرچہ گنہگار
ہے مگر ضرورت کی وجہ سے اُسکی اطاعت اُن احکام میں جو شرع کے موافق ہوں جائز ہے

عبد الملک بن مروان وراول خلفائے بنی عباس کی خلافت وامامت کا انعقاد اسی طرح ہوا ہے جب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا تو صحابہ نے امر امامت و مبایعت اہلم کو ہر شے پر مقدم کیا۔ یہانتک کہ حضرت کی تکفین وتجہیز سے پہلے یہی کام کیا۔ پھر حضرت ابوبکر مرگئے تو وہ حضرت عمر کو ولیعہد کرگئے۔ پہر حضرت عمر نے چھ شخصوں کے شورے پر چھوڑا۔ جب حضرت عثمان شہید ہوئے تو علی مرتضیٰ سے بیعت کی بعد انکے امام حسن سے مگر یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ انکے لئے کوئی نص ہو۔ بلکہ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں نے کوئی نص یا اشارہ شارع سے پایا ہوگا۔ جب ہی یہ کام کیا۔ اور لوگوں میں انکی نسبت یہ کام مشہور ہوگئے۔ جسطرح کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ یا شافعیؒ نے یہ کام واجب کئے ہیں۔ پہر مسلمان اسی دستور پر چلا کئے کہ سلطان ایک ہی ہو اور امامت مجتمع رہے۔ پھر جبکہ اقطار اسلام وسیع ہوگئے اور لوگوں میں اختلاف پڑا اور ہر قطر پر اقطار سے ایک سلطان مستولی ہوگیا تو سب لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ جب کوئی بادشاہ مرتا تو دوسرے کو اسکی جگہ منصوب کرنے میں جلدی کرتے اور یہ جو بعض معاندین و مخالفین کہتے ہیں کہ حضرت علی کی خلافت مطلقاً منعقد نہ تھی اسلئے کہ انعقاد خلافت کے چار طور ہیں۔ نص اور بیعت۔ اور وصیت اور تسلط۔ اور یہ چاروں باتیں یہاں موجود نہیں۔ جواب اسکا یہ ہے کہ انکی خلافت مہاجرین و انصار میں سے اہل حل وعقد کی بیعت سے منعقد ہوئی تھی اور طلحہ اور زبیر نے بھی بیعت بخوشی ظاہر کی تہی اور انہوں نے خروج حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کے انکار سے نہیں کیا تہا بلکہ قصاص حضرت عثمان کی طلب میں جلدی کرتے تھے اور اتنا تامل نہیں کیا کہ حضرت علی کی مرضی معلوم ہوجاتی۔ اس وجہ سے مخالفت انکی طرف سے وقوع میں آئی اور یہ انکی خطائے اجتہادی[1] سمجھنا چاہئے اور معاویہ نے جو اس جماع میں شرکت کی تو اسکا مضائقہ نہیں کیونکہ ان کو اسوقت اجتہاد کی قدرت نہ تھی کہ وہ آنحضرت کے سامنے سے اجتہاد کا پایہ رکھتے تھے اور آنکو فتوے اور تعلیم کی اجازت دے دی تھی۔

[1] دیکہو سیل جرار مولفہ شوکانی ۱۲ سلہ دیکہو شرح عقائد نسفی مولفہ علامہ تفتازانی ۱۲

جیسے حضرت عمر و علی و عبداللہ بن مسعود و معاذ بن جبل و زید بن ثابت وغیرہ۔ معاویہ نے صحابہ سے بہت سی احادیث کو سنتے سنتے آخر بعض مسائل فقہ میں دخل پا لیا تھا یہی مطلب ہے ابن عباس کے اُس قول کا جو معاویہ کی شان میں ہے انہ فقیہ اور امامیہ مسئلہ امامت کو اصول عقاید سے جانتے ہیں اسلئے اپنے تئیں امامیہ کہتے ہیں۔ اور انکا اعتقاد یہ ہے کہ زمان تکلیف امام فاطمی سے خالی نہیں ہوتا اور امامت اولاد بی بی فاطمہ میں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نص جلی یا خفی کی وجہ سے اور یہ قدر مشترک انکی سارے فرقوں میں یہی عقیدہ ہے اور سب سے پہلے جس نے مذہب امامیہ میں کلام کیا علی بن اسمٰعیل میثم[1] تمار ہے جو اصحاب حضرت علی بن ابی طالب میں سے تھا۔ کتاب خرائج الجرائح میں ہے کہ میثم تمار ایک عورت کا اہل کوفہ میں سے غلام تھا۔ جناب امیر نے اُسے آزاد کر کے آزاد کیا۔ اور حلی نے اُسی کتاب خلاصہ میں متقدمین پر ذکر کیا ہے۔ اور کشی میں مذکور ہے کہ اسکا خاندان بیت التمارین کے نام سے مشہور تھا اور اُسکے متبعوں کو میثمیہ کہا کرتے ہیں۔ اور ہشام ابن الحکم احول و ہشام ابن سالم جوالیقی و محمد بن علی بن نعمان کرنی و زرارہ بن اعین کوفی بھی انہیں سے ہیں جنہوں نے اول مذہب امامیہ میں گفتگو کی کہ بعد قتل زید شہید کے ان لوگوں نے شیعہ کیسانیہ و مختاریہ کو امام محمد باقر و امام جعفر صادق کی امامت کیطرف دعوت کرنا شروع کی اور انکے گروہ بڑہ گئے اور اپنے واسطے خاص امامیہ کا لقب اختیار کر لیا اور زید شہید کے اتباع کو زیدیہ کہنے لگے۔ اور ان دعاۃ امامیہ نے اپنے نفسوں کو امام زین العابدین اور انکی اولاد کیطرف منسوب کیا اور محمد بن حنفیہ اور انکی اولاد کی امامت سے انکار کرنے لگے جس قدر مختاریہ رہگئے تھے وہ اور جماعت تفضیلیہ انہیں ملگئی اور مذہب امامیہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ یہی لوگ مذہب امامیہ کے پیشوا اور اسلاف ہیں اور انکے مذہب کے بادی بھی یہی ہیں۔ انہی سے امامیہ نے اپنے دین و مذہب کو لیا ہے اور انکے قول و فعل پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اور زرارہ بن اعین و بکیر بن اعین و سلیمان جعفری و محمد بن مسلم وغیرہ کو

[1] اس لفظ میں یائے تحتانی ساکن کے بعد ثائے مثلثہ ہے۔ کذا فی منتہی المقال ۱۲

عیون الطائف و وجوہ الطائفہ کہتے ہیں حالانکہ یہ نہایت بدتر اور مجسمہ ہیں کہ اپنے واسطے معبود موہوم ذہنی تراش کرکے ہزاروں قبائح اُس آدمی کے اوپر چپکاتے ہیں اور اُسکے واسطے جسم اور صورت اور جہت ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ علی بن اسماعیل میثم اور ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم اور محمد بن علی بن نعمان کوفی متفقاً یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالے آسمان دنیا پر نزول کرتا ہے تو ملائکہ آسمانہائے بالا اور حاملان عرش وکرسی اور ساکنان جنت اُسکے اوپر ہو جاتے ہیں پس اُنکے مقابلہ میں اللہ تعالے جہت تحت میں ہوتا ہے اور جن ائمہ کے یہ داعی بننے کے مدعی تھے وہ ان باتوں سے متنفر تھے۔ اور ان لوگوں پر لعن کرتے اور گمراہ جانتے اور امامیہ اکثر صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں کہ اُنہوں نے حق حضرت علی کو چھین لیا۔ اور چھپایا اور ان سب کا طریقہ امامت میں جعفر صادق تک اتفاق ہے پھر بعد انکے اختلاف کرتے ہیں۔ انیں سے بعضے فرقے نہایت بدتر ہیں اور غلاۃ میں داخل ہیں جو امام جعفر تک امامت کے معاملہ میں مشترک ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ حکمیہ اصحاب ہشام بن حکم کندی شیبانی کوفی۔ انکو ہشامیہ بھی کہتے ہیں۔ انکا قول یہ ہے کہ اللہ تعالے چاندی کے ٹکڑے کی طرح سفید صاف اور ستھرا ہے اور ہر طرف سے چمکتا اور روشن ہے اور صورت انسان پر طویل عریض عمیق ہے۔ طول اسکا مثل عرض کے اور عرض اسکا مثل عمق کے ہے اور اپنی بالشت سے سات بالشت ہے۔ لون وطعم ورائحہ دار ہے اور یہ تمام صفات اُسکی ذات کے مغایر نہیں ہیں اور وہ کھڑا ہوتا اور بیٹھتا اور ہلتا جلتا اور ٹھہرتا اور چلتا پھرتا بھی ہے اور ماتحت الثریٰ کو بذریعہ شعاع نوری کے جانتا ہے جو اُسکے جسم سے نکلکر اُسطرف پڑتی ہے اور عرش پر رہتا ہے اور ارادہ الٰہی ایک حرکت ہے جو نہ اُسکی عین ہے اور نہ غیر ہے اور اللہ تعالے کو اشیا کا علم اُنکے پیدا ہو جانیکے بعد حاصل ہوتا ہے۔ قبل اُنکے وجود کے وہ اُنھیں جان سکتا۔ اور اُسکا علم نہ قدیم ہے اور نہ حادث ہے اور کلام اُسکی صفت ہے جو نہ مخلوق ہے

اور نہ غیر مخلوق اور اللہ تعالے پر اعراض دلالت نہیں کر سکتے بلکہ اجسام اسپر دلالت کرتے ہیں کیونکہ اجسام کے ساتھہ اسکو مشابہت ہے اور یہ شخص اللہ تعالی پر بداء بھی تجویز کرتا تہا اور اسکے زعم میں امام پر معصیت جائز نہیں ہے۔ اور انبیا پر جائز ہے اور کہتا تہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لینے سے اسیران بدر سے عصیان خدا کا کیا تہا۔ کہ بدر کی لڑائی میں ستر کافر پکڑے آئے حضرت نے صحابہ سے مشورہ پوچہا کہ انکو کیا کریں اکثر مسلمانوں کی مرضی ہوئی کہ فدیہ لیکر چھوڑدیں شاید کہ حق تعالے ان کو توفیق اسلام کی عطا کرے اور بعضوں کی مرضی ہوئی کہ سب کو قتل کریں کہ یہ کفار کے سردار ہیں۔ آخر مال لیکر چھوڑ دیا۔ اللہ تعالے اس بات سے ناخوش ہوا۔ اور آیات عتاب کی ماکان لنبی ان یکون له اسرے حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا والله یرید الاخرة والله عزیز حکیم لولاکتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم نہ تہا لائق واسطے نبی کے یہ کہ انکے یہاں قیدی آویں یہانتک کہ خونریزی کرے ملک میں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت اور اللہ زور آور ہے حکمت والا۔ یعنے نبیوں کو مال سمیٹنا نہ چاہیئے بلکہ کافروں کی ضد توڑنی چاہیئے وہ بات اسمیں ہے کہ قتل کرے تاکہ اسکے خوف سے کفر کی ضد چہوڑیں اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کی طرف سے کہ پہلے گذرا اور وہ یہ کہ قیدی لوگوں میں بہتوں کی قسمت میں مسلمان ہونا تہا تو تمکو آپڑتا اس لینے میں بڑا عذاب۔ ہشام کی تالیف کی بہت سی کتابیں ہیں مختلف بیانوں میں جیسے توحید اور حدوث اجسام اور جبر و قدر اور امامت اور ابطال امامت مفضول اور معتزلہ اور زنادقہ اور طلحہ و زبیر اور استطاعت وغیرہ پر مختار کشی کی کتاب میں ہشام کے چچا عمر بن یزید سے منقول ہے کہ وہ اوائل میں جہم بن صفوان کے مذہب پر تہا۔ پہر امام جعفر صادق کی ہدایت سے شیعہ جعفریہ میں داخل ہوگیا اور یہ فرقہ ہشامیہ کا ظہور ۱۹۰ھ میں ہوا تہا۔

۲ - جوالیقیہ۔ اتباع ہشام بن سالم جوالیقی جوزجانی کوفی ہیں جو بشر بن مروان

بنی حکم کا غلام تہا اسکا قول شنیع یہ تہا کہ اللہ انسان کی صورت پر ہے نصف اعلی اسکا مجوف ہے یعنے خالی اور نصف اسفل مصمت ہے یعنے ٹہوس۔ اللہ کے سر کے بال کالے ہیں وہ گوشت وخون نہیں رکہتا ہے بلکہ ایک چمکیتا نور ہے۔ اُسکے حواس خمسہ مثل حواس انسان کے ہیں ساتھ پانوں منہہ آنکہہ کان سب کچھ ہے مگر شرمگاہ اور ڈاڑہی نہیں ہے۔ اس فرقہ کا ظہور ۱۳۱ھ میں ہوا۔ خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ جعفر صادق اور موسیٰ کاظم کے اصحاب میں سے تہا اور اس فرقہ کو سالمیہ بہی کہا کرتے ہیں۔

۳۔ زراریہ زرارہ بن اعین شیبانی کوفی کے پیرو ہیں۔ یہ کہتا تہا کہ اللہ تعالےٰ کے صفات حادث ہیں اور قبل حدوث صفات کے اللہ نہ عالم تہا اور نہ سمیع اور نہ بصیر اور نہ قادر اور نہ حی یہانتک کہ اُس نے اپنے لئے یہ سب کچھ اکتساب کیا۔ اس فرقہ کا ظہور ۱۵۰ھ میں ہوا۔ کتاب ابن داؤد میں مرقوم ہے کہ زرارہ باقر و جعفر موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہم کے راویوں میں سے ہے ۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔ اُس نے ایک کتاب استطاعت اور جبر کی تحقیق میں لکہی ہے۔

۴۔ یونسیہ یہ یونس بن عبدالرحمن قمی کے متبع ہیں اسکا اعتقاد یہ تہا کہ اللہ عرش پر ہے جس کو ملائکہ اُٹہائے ہوئے ہیں۔ اور اُسکی قوت ملائکہ کی قوت سے زیادہ ہے۔

۵۔ نعمانیہ یہ محمد بن علی بن نعمان کوفی صیرفی کیطرف منسوب ہیں۔ جس کو اہل سنت شیطان الطاق اور شیعہ مومن الطاق کہا کرتے ہیں۔ اور اہلسنت کی کتب میں یہ فرقہ شیطانیہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے مگر شہرستانی وغیرہ نے نعمانیہ کے نام سے لکہا ہے۔ کنیت اسکی ابو جعفر اور لقب احول ہے اسی لئے ابو جعفر احول کہلاتا ہے اور اسکو مومن الطاق یا شیطان الطاق اسلئے کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک مقام طاق کے نام سے مشہور ہے وہاں اسکی دوکان تہی جسمیں بیٹہا ہوا درم و دینار پرکھا کرتا تہا۔ حضرت علی کی امامت کے باب میں ایک کتاب اسنے لکہی ہے جسکا نام اجتماع ہے اور خوارج کے رد میں بہی ایک کتاب اسکی ہے یہ شخص

معتزلہ و شیعہ دونوں کی بدعات میں پالا جلا کرتا تھا۔ اسکا یہ مذہب تھا کہ اللہ کو اشیا کے پیدا کرنے سے قبل اُسکا علم نہیں ہوتا اور اللہ بندوں کے افعال کا عالم ہوتا تو یہ بات مستحیل ہوتی کہ بندوں کا امتحان اختیار کرتا اور اسکو زعم تھا کہ اللہ تعالے ایک نور ہے غیر جسمانی اور باوجود اسکے قایل تھا کہ اللہ تعالے انسان کی صورت رکھتا ہے اور یہ شخص رجعت کا قایل تھا۔ اور اس فرقہ کا ظہور ۳۱۳ھ میں ہوا۔

۶۔ مفوضہ یا تفویضیہ اس فرقہ کا ظہور ۲۸۵ھ میں ہوا تھا انکا قول یہ ہے کہ اللہ تعالے نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرکے پیدائیش عالم و تدبیر عالم کو اُنکے سپرد کر دیا ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے اُنکے لئے مباح کر دیا ہے۔ پس تمام عالم اُنہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کے سپرد فرمایا ہے اور ایک فرقہ انہیں سے یہ کہتا ہے کہ دونوں کے سپرد کیا ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ سب آئمہ کے سپرد کیا ہے۔

۷۔ بدائیہ یہ لوگ اسکے قایل ہیں کہ بدا اللہ پر جایز ہے۔ یعنے جایز ہے یہ بات کہ اللہ تعالے کسی شئے کا ارادہ کرے اور پھر اس سے پشیمان ہو جائے اسلئے کہ ظاہر ہووے اُسپر وہ چیز کہ پہلے سے اُسپر ظاہر نہ تھی جس طرح کہ آدمی میں تبدیل رائے ہوتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خلافت خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی بھی اسی طرح پر ہوئی کہ اللہ تعالے اُنہیں خلیفہ بناکر پشیماں ہوا۔ اور انکی تعریف میں جس قدر آیات نازل کیں وہ سب آخرکار اُسکے واسطے موجب ندامت کا ہوئیں۔ انکا ظہور ۲۵۵ھ میں ہوا۔ حکمیہ اور زراریہ اور سالمیہ جسکا نام جوالیقیہ بھی ہے اور دوسرے امامیہ جیسے مالک جہنی و دارم بن حکم و ریان بن صلت بھی اللہ تعالے پر بدا کے قایل ہیں اما میہ بات بنانے کے لئے بدا کی طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت نے بدا کے جو معنے سمجھے ہیں وہ امامیہ کی مراد نہیں بلکہ اسکے اور معنے ہیں جو انکار کے لائق نہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر لفظ بدا سے

یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دینے کے بعد اسکے وقت معززہ پر واقع ہونے سے قبل ممانعت کرتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی خطا اور جہل و پشیمانی ثابت نہیں ہوتی اسلئے کہ مطلب اس قول سے یہ ہے کہ جس طرح کبھی آقا کو اپنے نوکر سے اطاعت و تابعداری دوسروں پر ظاہر کرنا ہوتی ہے تو ایک مشکل کام کا حکم فرماتا ہے اور جب نوکر وہ کام شروع کرتا ہے تو منع کر دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ایسا کرتا ہے کہ ظہور حسن و طاعت کے لئے ایک کام کا حکم دیتا ہے پھر منع بھی کر دیتا ہے۔ اور مصداق اسکا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے کہ انکو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنیکے لئے حکم دیا اور جب وہ تعمیل کو آمادہ ہوئے اور دونوں کی جانب سے حکم الٰہی پر رضامندی اور صبر و تسلیم ظاہر ہو گیا تو منع فرما دیا اور دونوں کا اجر الاضعاف کر دیا۔ ابوالفتوح نے کنز العوائد میں اسکی تحقیق و تفصیل کی ہے۔ اور باقی فرقہ امامیہ کی تفصیل یوں ہے۔

۸۔ حسنیہ جنکا ظہور ۱۹۵ھ میں ہوا ہے۔ انکا اعتقاد یہ ہے کہ جناب امیر کے بعد حسن مجتبیٰ کو امامت پہونچی پھر حسن مثنیٰ کو امام حسن کی وصیت سے امامت پہونچی۔ پھر انکے بیٹے عبداللہ امام ہوئے پھر عبداللہ کے بیٹے محمد جو نفس زکیہ کے لقب سے معروف ہیں۔ بعد نفس زکیہ کے انکے بھائی ابراہیم بن عبداللہ امام ہوئے ان دونوں بھائیوں نے منصور دوانقی خلیفہ بغداد کے عہد میں امامت کا دعویٰ کیا۔ اور مارے گئے۔ ان میں سے بعضے اس بات کے مقر ہیں کہ نفس زکیہ مارے نہیں گئے۔ بلکہ غائب اور مخفی ہیں اور عرصہ کے بعد ظہور کرینگے اسی واسطے ان لوگوں کا نام نفسیہ مشہور ہے۔

۹۔ باقریہ انکا عقیدہ یہ ہے کہ امام محمد باقر مرے نہیں ہیں زندہ اور مہدی منتظر ہیں۔

۱۰۔ حاضریہ انکا عقیدہ یہ ہے کہ امام باقر کے بعد انکے بیٹے زکریا امام ہیں اور وہ کوہ حاضر میں چھپے ہوئے ہیں جب اللہ انکو حکم دیگا تو نکلیں گے۔

۱۱- ناوسیہ یہ عبداللہ بن ناوسی بصری کے متبع ہیں اسکا عقیدہ یہ تہا کہ امام جعفر صادق زندہ ہیں اور غائب ہوگئے ہیں اور وہی مہدی موعود ہیں اور بعضے ناوسیہ کہتے ہیں کہ بعضے شیعہ صادق کبھی کبھی خلوت میں انکو دیکھہ بھی لیتے ہیں الکا ظہور ۲۵۱ھ میں ہوا یہ لوگ بغداد میں تھے۔ خاصکر ۶۵۶ھ میں پھر فتنۂ تاتار کی وجہ سے تباہ ہوگئے۔

۱۲- عماریہ کہ عمار کے متبع ہیں اور عقیدہ انکا یہ ہے کہ جعفر صادق نے وفات پائی تو اُنکے بیٹے محمد نامی ہوئے۔

۱۳- عمائیہ یہ لوگ عبداللہ بن عما کے پیرو ہیں اور عبداللہ بن جعفر صادق کو امام جانتے ہیں۔ ان عبداللہ کا لقب افطح تھا الف کی فتح اور فے کی سکون اور طائے مہلہ کی فتح اور حائے حطی کے سکون سے اُن کو افطح اسواسطے کہا کرتے تہے کہ اُن کے دونوں پاؤں چوڑے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سر چوڑا تہا۔ اور یہ افطح اسماعیل بن جعفر کے حقیقی بہائی تہے۔ عمائیہ کہتے ہیں کہ افطح چونکہ لاولد مرے ہیں اور امامت کا سلسلہ اُنکی اولاد میں جاری نہیں رہا ہے اسلئے پہر دنیا میں آوینگے۔ اور منتہی المقال سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ افطح کی امامت کے جو لوگ قایل ہیں وہ فطحیہ کہلاتے ہیں اور یہ فطحیہ ائمہ اثنا عشر کی امامت کے قایل ہیں۔ اور ساتھ اُنکے عبداللہ افطح کو بھی امام مانتے ہیں۔ کہ انکو جعفر صادق اور موسیٰ کاظم کے درمیان میں داخل کرتے ہیں اور شہید نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ افطح کی امامت کے امام موسیٰ کاظم اور علی رضا کے درمیان میں مقر ہیں اور توضیح المقال میں لکھا ہے کہ یہ فرقہ فطحیہ اسلئے کہلاتا ہے کہ سرگروہ اسکا عبداللہ بن فطیح کوفی تہا یہ لوگ اُسی کی طرف منسوب ہیں۔

۱۴- اسحاقیہ یہ کہتے ہیں کہ اسحاق بن جعفر اپنے باپ کے بعد امام ہیں۔

۱۵- مفضلیہ - یہ اصحاب مفضل بن عمر کے ہیں کہتے ہیں کہ جعفر صادق کے بعد

موسیٰ کاظم امام ہوئے کہ جعفر صادق نے اُنکے لئے نام لے کر نص کردی تھی۔ اس طرح
کہ ساتواں تمہارا کہ قائم و امام تمہارا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں یوں کہا تھا کہ صاحب
تمہارا کہ قائم تمہارا ہے آگاہ ہو کہ وہ ہمنام صاحب توریت ہے۔ اُنکی وفات کے
قائل ہیں۔ اسلئے انکو قطعیہ بھی کہتے ہیں کہ اُنکی موت کو قطعی جانتے ہیں۔

۱۶- موسویہ انکو امام موسیٰ کاظم کی موت وحیات میں شک ہے۔ اسی واسطے امامت کو اُنھیں پر منحصر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اُنکے بعد سلسلہ امامت بند ہوگیا۔

۱۷- ممطوریہ یہ لوگ موسیٰ کاظم کی حیات کے قائل ہیں کہتے ہیں وہ نہیں مرے اور اُنھیں کو مہدی موعود و امام منتظر جانتے ہیں۔

۱۸- رجعیہ انکا قول یہ ہے کہ موسیٰ کاظم کا انتقال ہوگیا ہے لیکن پھر وہ دنیا میں لوٹ کر آئینگے اور چونکہ یہ تینوں فرقے امامت کو موسیٰ کاظم پر موقوف رکھتے ہیں اسلئے واقفیہ بھی کہلاتے ہیں۔ توضیح المقال میں اختیار سے سلسلہ وار
ابوالقاسم حسین بن محمد بن عمر بن یزید کے چچا تک روایت کی ہے کہ واقفیہ کی ابتدا
کی یہ صورت ہے کہ اثنا عشرہ کے پاس تیس ہزار دینار بابت زکوٰۃ مال وغیرہ کے جو کچھ
اُنپر واجب تھا جمع ہوگئے اُنہوں نے وہ دینار امام موسیٰ کاظم کے وکلا کے پاس جو
کوفہ میں رہتے تھے بھیجدئے اور یہ دو شخص تھے جنمیں سے ایک کا نام حیان سراج
ہے اور موسیٰ کاظم اُس زمانہ میں ہارون الرشید کے حکم سے بغداد میں محبوس تھے۔ ان
وکیلوں نے ان دیناروں سے مکانات اور غلہ وغیرہ اشیا خرید کرلیں۔ جب موسیٰ کاظم
کو ۱۸۳ھ میں انتقال ہوگیا اور ان وکلا کو بھی خبر پہونچی تو یہ اُنکی موت کے منکر ہوگئے۔
اور اس مال کے دبا لینے کی غرض سے یہ بات شیعوں میں مشہور کردی کہ وہ نہیں مرینگے
فرماتے تھے کہ میں حی لایموت ہوں اور قائم وہی ہیں۔ پس بہت سے شیعہ کا اسی پر
عقیدہ جمگیا کہ امام موسیٰ کاظم زندہ ہیں اور وہ مال اُن دونوں وکیلوں کے پاس
دم آخر تک رہا۔ پھر انتقال کے وقت اُنہوں نے وصیت کردی کہ امام موسیٰ کاظم کے
ورثا کو دیدیا جائے تب شیعہ سمجھے کہ اُنہوں نے مال کی حرص سے یہ فقرہ گانٹھا تھا۔

اور کتاب فوایدمیں یہ ہے کہ واقفیہ اُن لوگوں کو کہا کرتے ہیں جنہوں نے موسیٰ کاظم کے غیر کی امامت پر توقف کیا ہے۔ اور اُنکے بعد پھر کسی کو امام نہ مانا ہے اور جب مطلق وقفیہ استعمال کرتے ہیں تو یہی فرقہ مراد ہوتا ہے جو موسیٰ کاظم پر امامت کو موقوف رکھتا ہے اور جب کہیں اور معنے میں آتا ہے تو وہ کسی قرینہ کے ساتھ ہوتا ہے جنمیں سے ایک قرینہ یہ ہے کہ جس نے موسیٰ کاظم کو نہ پایا اور اُن سے قبل یا اُن کے زمانہ میں مرگیا تو یہ واقفی اسوجہ سے کہ امام موسیٰ کاظم کی امامت کا مقر نہیں ہوا جیسے سماعہ بن مہران اور علی بن حنان اور یحیی بن القسم۔

اور تحقیق یہ ہے کہ واقفیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو امامت کو موسیٰ کاظم پر توقف رکھتے ہیں دوسرے گروہ ہیں جو خود موسیٰ کاظم کی امامت میں اُنہی کے وقت میں کسی شبہہ کی وجہ سے متوقف تھے اور اُنہیں امام تسلیم نہیں کرتے تھے۔

۱۹۔ احمدیہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ موسیٰ کاظم کے بعد اُنکے بیٹے احمد امام ہوئے۔ اپنی نوبت یہ بھی پوری کرگئے۔

۲۰۔ جعفریہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جعفر صادق کے بعد موسیٰ کاظم بن جعفر امام ہوئے پھر علی رضا بن موسیٰ پھر محمد تقی بن علی رضا پھر علی نقی بن محمد تقی پھر حسن عسکری بن علی نقی اور حسن عسکری لاولد فوت ہوئے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور نہ اُنکے کوئی بیٹا محمد نامی پیدا ہوا پس یہ مہدی کی ولادت کے منکر ہیں۔

۲۱۔ اثنا عشریہ جب لفظ امامیہ مطلقاً بلا قید بولتے ہیں تو یہی فرقہ مراد لیتے ہیں ان کا ظہور ۲۶۰ھ میں ہوا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب حسن عسکری بن علی نقی نے ربیع الاول ۲۶۰ھ میں وفات پائی تو پانچ برس کا ایک لڑکا محمد نامی نرگس کنیز کے شکم سے چھوڑا جو نصف شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوا تھا مہدی موعود اور خاتم الائمہ یہی ہیں۔

۵۱۔ دیکھو مقدمہ اولیٰ کتاب منتہی المقال فی احوال الرجال ۱۲ ۵۲۔ دیکھو عمدۃ الطالب در انساب آل ابیطالب

۵۳۔ دیکھو اصول کافی کلینی میں مولد صاحب الزمان اور کشف الغمہ میں جو شیعہ کی معتبر کتاب ہے لکھا ہے کہ ۱۳ رمضان ۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲

کہ اعدا کے خوف سے مخفی ہو گئے ہیں اسلئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ امام بارہ ہیں اسی لئے انکا لقب اثنا عشری ہو گیا ہے اور انکے ہاں ترتیب ائمہ کی اسطرح ہے کہ امامت حضرت علی بن ابی طالب میں ہے پھر حسن بن علی رضی اللہ عنہ میں پھر حسین بن علی میں پھر علی بن حسین میں جنکا لقب زین العابدین اور کنیت ابوبکر و ابوالحسن و ابو محمد ہے پھر محمد بن علی میں جنکا لقب باقر اور کنیت ابوجعفر ہے پھر جعفر بن محمد میں جنکا لقب صادق اور کنیت ابوعبداللہ ہے پھر موسیٰ بن جعفر میں جنکا لقب کاظم اور کنیت ابوالحسن و ابوابراہیم ہے پھر علی بن موسیٰ میں جنکا لقب رضا و مرتضیٰ و صابر و رضی و وفی اور کنیت ابوالحسن ہے پھر محمد بن علی میں جنکا لقب تقی (تائے فوقانی سے) و جواد اور کنیت ابوجعفر ہے اور انکو ابوجعفر ثانی بھی کہتے ہیں پھر علی بن محمد میں جنکا لقب ہادی و عسکری اور کنیت ابوالحسن اور عرف نقی (نون سے) ہے پھر حسن بن علی میں جنکا لقب زکی و خالص اور کنیت ابو محمد ہے اور عرف عسکری ہے پھر محمد بن حسن میں جنکی کنیت ابوالقاسم اور القاب مہدی و منتظر خلف الصالح و صاحب الزمان و حجت و قائم ہیں اور یہی امام منتظر ہیں۔

انکو زندہ غیر مردہ بتاتے ہیں کہتے ہیں کہ خوف اعدا سے غائب ہو گئے ہیں ظاہر ہو کر زمین کو عدل سے بھر دینگے جس طرح کہ جور سے بھر گئی ہے۔ مگر انکی غیبت کے وقت اور سن سال میں بہت اختلاف کرکے چند فرقے بن گئے ہیں۔ بلکہ بعضے کہتے ہیں کہ وہ مر گئے ہیں پھر لوٹ کر دنیا میں آئینگے اسوقت میں اثنا عشری کے نزدیک دعاۃ کا سلسلہ بند ہو گیا۔ ہاں بعضے یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم امام غائب اور رعایا کے درمیان میں سفارت کرتے ہیں اور پھر یہ سفیر اپنی وفات کے وقت جانشین کر دیتے اور یہ سلسلہ ٢٦٠ سنہ ہجری سے شروع ہوا۔ جب علی بن محمد ٣١٦ سنہ میں سفیر ہوا اور ٣٢٩ سنہ میں فوت ہوا۔ اسکے بعد سے سفارت کا سلسلہ بھی بند ہو گیا اور وہ خاتم السفرا سمجھا جاتا ہے۔ اور اسکے بعد امام کی طرف سے کوئی سفیر نہیں آیا۔ اور امام نے غیبت کبریٰ اختیار کر لی۔ پس غیبت کبرے کی ابتدا ٣٢٩ سنہ سے ہے اور جب تک انکے پاس سے سفیر آتے رہے وہ غیبت صغریٰ کہلاتی رہی جسکی موت ٦٩ سال ہے جیسا کہ صاحب کشف الغمہ[1]

[1] یہ کشف الغمہ شیعہ کی معتبر کتاب ہے اور پورا نام اسکا کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ہے ۱۲ منہ

نے تصریح کی ہے اور متقدمین اماسیہ اثنا عشری اپنے ائمہ کے مذہب کے پابند تھے۔ اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کا مرتکب کبیرہ کو عفو کر دینا جائز ہے مگر متاخرین معتزلہ کے اقوال وکلام پر جھک پڑے ہیں اور رویت حقتعالےٰ کا انکار کرنے لگے اور بندوں کو اُنکے افعال کا خالق بنانے لگے اور اُنکے نزدیک متعہ کی حلیت کا اعتقاد لازم ہے اور عذاب قبر کے منکر ہیں اور جو فعل قبیح ہوتا ہے اُسکی نسبت خدا تعالیٰ کیطرف نہیں کرتے۔ اور امامت کو خدائے تعالیٰ کا لطف جانتے ہیں اور نقرر امامت کو واجب جانتے ہیں اور حیات وعلم وقدرت وارادہ وغیرہ صفات باری تعالیٰ کو عین ذات جانتے ہیں اور حشر ونشر کے قایل ہیں اور علم معتقدات کو بلا دلیل کافی نہیں جانتے اور قایل ہیں اسکے کہ اللہ تعالیٰ اور ائمہ غیر شیعہ کی گمراہی سے راضی ہیں۔

عقاید اثنا عشریہ کی تفصیل

معرفت اللہ تعالیٰ کی واجب ہے ہر مکلف پر کیونکہ وہ منعم ہے تاکہ ہم اسکا شکر بجا لائیں بیان توحید۔ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور واجب الوجود لذاتہ ہے۔ یعنے اپنے وجود میں غیر کا محتاج نہیں اور اسپر عدم جائز نہیں بیان صفات ثبوتیہ اللہ تعالےٰ قدیم ازلی ہے یعنے اسکے وجود پر عدم سابق نہیں باقی ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ یعنے اسکے وجود کو عدم لاحق نہیں ہوتا۔ اور قادر مختار ہے یعنے اگر چاہے کرے چاہے نہ کرے اور عالم ہے یعنے تمام چیزیں اُسکے نزدیک ظاہر اور حاضر ہیں۔ زندہ ہے یعنے صحیح ہے اس سے کہ قادر ہو اور عالم ہو اور ہر مقدور پر قادر ہے اور ہر معلوم کا عالم ہے اور متکلم ہے بغیر زبان کے اور اللہ تعالےٰ کے متکلم ہونے سے یہ مطلب ہے کہ کسی جرم سماوی یا جرم ارضی میں کلام ایجاد کیا تاکہ اپنی غرض کو خلق کیطرف پہونچا دے۔ پس اس قسم کے کلام کو اسکی اپنی ذات کیطرف نسبت دیدینا ہی اللہ تعالےٰ کا کلام کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے۔ بغیر کان اور آنکھ کے۔ مطلب یہ ہے مبصرات اور مسموعات کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ بغیر ناک کے ادراک ہے یعنے اُس چیز کو جانتا ہے جسکا ادراک

حواس سے ہوتا ہے۔ اور صاحب ارادہ ہے یعنے ترجیح دیتا ہے فعل کی جس وقت
اُسکی مصلحت کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ صادق ہے حق بات کہتا ہے۔ کذب سے
منزہ ہے اور کارہ ہے یعنے ترجیح دیتا ہے ترک فعل کی جس وقت مفسدہ فعل کے
ہونے میں جانتا ہے اور واحد ہے اُسکا کوئی شریک الوہیت میں نہیں۔
بیان صفات سلبیہ۔ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ عرض ہے اور نہ جوہر ہے اور نہ کسی جہت
میں ہے اور نہ کسی مکان میں ہے اور وہ نظر کے ساتھ نہیں دکھ سکتا۔ نہ دنیا میں نہ
آخرت میں کیونکہ وہ مجرد ہے اور رویت کے لئے جسم اور جسمیت شرط ہے اور وہ خود ہی
کہتا ہے لَن تَرَانِی۔ یعنے ہرگز نہ دیکھے گا تو مجھے۔ اور لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ یعنے نہیں
پاسکتیں اُسکو آنکھیں اور اللہ کے لئے نہ اولاد ہے نہ زوجہ اور متحد اپنے غیر سے
نہیں ہوسکتا۔ اور مرکب کسی شئے سے نہیں ہے اور نہ حلول کے ساتھ متصف ہے
اور نہ کسی ایسی صفت کے ساتھ جو اُسکی ذات مقدس پر زائد ہو متصف ہے کیونکہ
اگر ایسا ہوگا تو ذات الٰہی کا حدوث لازم آئیگا اسلئے کہ محل حوادث ہوگی۔ اور اگر
وہ صفت قدیم ہے تو خدا کا تعدد لازم آئیگا اور یہ باطل ہے پس صفات ثبوتیہ
اُسکے عین ذات ہوئے اور اللہ تعالیٰ عالم بالعلم اور قادر بالقدرت نہیں ہے بلکہ
علم اور قدرت عین ذات اُسکی ہیں اور تعدد ذات سے تعدد معنے کا نہیں ہوتا اگر
عالم بالعلم اور قادر بالقدرت ہو تو محتاجی اُسکی صفات کی جانب لازم آئے اور یہ محال ہے
پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ قادر و عالم بالذات و احد المعنی ہے۔ اُسمیں مجال تعدد نہیں ہے۔
بیان عدل۔ اللہ تعالیٰ عادل اور حکیم ہے نہ برائی کرتا ہے اور نہ واجب میں خلل ڈالتا ہے
کیونکہ قبیح کا فعل قبیح ہے اور واجب میں خلل ڈالنا نقصان ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے
منزہ ہے اور غیر سے غنی ہے۔ رضا بہ قضا و قدر واجب ہے اور ہر چیز کہ ہے اور ہوگی
قضا و قدر سے ہے اور ان دونوں سے جبر و ظلم لازم نہیں آتا اسلئے کہ قضا و قدر علم
بیان کے معنے میں ہے یعنے اللہ ہر شئے کو جانتا ہے جس حالت پر کہ وہ ہے اور اُسکو
ملائکہ سے بیان کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مکلفین کو جن چیزوں کی تکلیف دی ہے

اُنکا بدلہ ثواب ابدی کے ساتھ تکلیف کے مقابلہ میں دیتا ہے اور اول آلام کا بھی عوض دیتا ہے ۔ جو مکلفین کی ذاتوں پر نا یدہیں اگر ایسا نہ کرے تو ظلم لازم آئے ۔ اور اللہ تعالی عادل ہے پس عوض پہونچانا واجب ہے اور جو کچھ اللہ تعالی نے کیا وہ اصلح ہے ورنہ عبث لازم آئیگا اور اللہ تعالی عبث سے بری ہے ۔ اور اللہ تعالی کے لئے لطف ضروری ہے کیونکہ خلق کو پیدا کیا اور اسمیں خواہش رکھی پھر اگر لطف نہ فرماتا تو قبیح کام پر آمادہ کرنا لازم آتا جو قبیح ہے اور لطف سے مراد یہ ہے ادلہ کا مقرر کرنا اور عقل کامل کا دینا اور رسولوں کا بھیجنا اُنکے زمانہ میں اور انقطاع رسل کے بعد امام کا باقی رکھنا تاکہ غرض فوت نہ ہوجائے ۔

بیان نبوات ۔ ہمارے نبی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں وہ رسول ہیں از روئے حق و صدق کے اُنکا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے کہ حق و باطل میں فارق ہے اور باقی ہے قیامت تک اور حجت ہے خلق پر اور وہ اعجاز لوجہ دیا دتی فصاحت و بلاغت کے ہے اسطرح کہ جب آپنے تحدی فرمائی اس امر پر کہ اگر میں پیغمبر نہیں ہوں اور یہ کلام الہی نہیں ہے تو اسکی ادنی سی سورت کی مثل لاؤ کسی سے اُسکا جواب آجتک ممکن نہ ہوا ۔ اور آپ قبل بعثت اپنے نفس پر نبی تھے اور بعد اسکے آپ طرف کافہ خلق کے رسول ہوئے اور تمام انبیا اپنے افعال اور اقوال میں معصوم ہیں تمام عیوب اور گناہ اور سہو اور نسیان سے اول عمر سے آخر عمر تک پس جہاں کلام مجید میں معصیت اور سہو کا ذکر ہے وہ واجب التاویل ہے اور انبیا کا اپنے اہل زمانہ سے افضل ہونا واجب ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہ ہوگا اور وہ تمام انبیاء مرسلین سے افضل و اشرف ہیں ۔ انکی معراج جسم عنصری کے ساتھ علانیہ بیداری میں حق ہے ۔ اخبار صحیح متواتر سے ثابت ہے ۔ منکر اسکا دایرہ اسلام سے خارج ہے ۔ آپ دروازہ ہائے آسمان سے تشریف لیگئے اس میں حاجت خرق والتیام افلاک کی باقی نہ رہی ۔ اُنکا دین ادیان سابقہ کا ناسخ ہے ۔

بیان امامت ۔ امام کا ہونا لطف الہی ہے جس طرح نبی کا ہونا لطف ہے پس نبی کے بعد

امام کا وجود اللہ کی جانب سے اُسکے حکمت سے واجب ہے ورنہ قبح لازم آئیگا جو محال ہے اور امام بعد جناب رسالتمآب کے بلا فصل علی بن ابی طالب ہیں اور اُنکے بعد گیارہ امام اُنکی اولاد میں سے ہیں یعنے حسن پھر حسین پھر علی بن حسین پھر محمد بن علی پھر جعفر صادق پھر موسیٰ بن جعفر پھر علی بن موسیٰ پھر محمد بن علی پھر علی بن محمد پھر حسن بن علی پھر محمد بن حسن صاحب الزمان از روئے حق کے ائمہ آدمیوں کے ہیں ہر امام منجملہ ایک بعد ایک کے از روئے نصوص متواترہ خلافت کے منصوص ہے اور اُنکا اپنے افعال و اقوال میں معصوم و مطہر ہونا واجب ہے تمام گناہ اور سہو سے خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ عمداً اور سہواً اور ائمہ کا اعلم اور افضل ہونا بھی واجب ہے اور مہدی منتظر امام محمد بن حسن عسکری ہیں کہ اپنے والد کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور غائب ہیں اور زندہ ہیں اور باقی ہیں جبتک دنیا باقی ہے اور غیبت اُنکی اپنی خواہش طبعی سے نہیں کیونکہ وہ معصوم ہیں پھر کیسے واجب امر کی اور خلل کرینگے اور نہ پروردگار کی جانب سے ہے کیونکہ وہ عادل اور حکیم ہے پھر قبیح کام کیسے کرتا اور نظروں اور افواہ سے اخفا قبیح ہے بلکہ اُنکی غیبت کافروں کی کثرت اور دوستوں کی قلت کی وجہ سے ہے۔ اور اُنکا ظاہر ہونا ضرور ہے اور امام کی غیبت میں خلق کو اسطرح فائدہ پہونچتا ہے جس طرح آفتاب سے فائدہ پہونچتا ہے جبکہ وہ بادل کی آڑ میں ہوتا ہے۔

بیان معاد۔ اللہ تعالیٰ اجسام فانی کا اعادہ کریگا جیسے کہ دنیا میں تھے تاکہ مستحق کو حق پہنچے اسلیے اُنکی ضرورت ہے پس معاد روحانی اور معاد جسمانی کے واجب ہے اور ائمہ معصومین زمان مہدی میں جماعت امم سابقہ اور لاحقہ کے ساتھ رجوع کرینگے تاکہ اپنی دولت اور حق کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں فرمایا ہے یوم نحشر من کل امۃ فوجا یعنے وہ روز کہ ہم اُسمیں اُٹھاوینگے ہر امت سے ایک گروہ اسی امر کی طرف اشارہ ہے امامت حضرت علی اور اُنکی اولاد میں سے نہیں نکلتی ہے اگر نکلی بھی تو غیروں کے ظلم سے اور یا حضرت علی اور اُنکی اولاد کے تقیہ کرنے سے۔ اور جن جن باتوں کی حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اور

ہوا تر ہم تک پہونچی ہیں جیسے انبیا سابقہ کی نبوت اور ارسال رسل اور کتب منزلہ اور وجود ملایکہ اور احوال قبر اور ثواب قبر اور عذاب قبر اور سوال منکر و نکیر اور زندہ ہونا قبر میں اور احوال قیامت اور حساب اور سوال و میزان اور صراط اور بولنا اعضا کا اور اڑنا نامہ اعمال کا اور جنت کا ساتھ نعیم اور حور و قصور اور غلمان کے اور دوزخ کا ساتھ عذاب سخت کے فی الحال موجود ہونا اور مظلوم کا ظالم سے انصاف کرنا اور قہر ہائے جہنم اور حوض کوثر جسکے ساقی حضرت علی ہیں کہ اُس سے پیاسوں کو قیامت میں سیراب کرینگے۔ اور نبی اور ائمہ معصومین کی شفاعت اُن لوگوں کے حق میں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں اور فرقہ شیعہ میں سے ہیں اور اللہ تعالی کا اہل قبور کو اٹھانا اور قیامت کے موافق اور احوال قیامت ان سب کا اعتقاد واجب ہے انمیں سے کسی بات میں شک نہیں کیونکہ خبر دی ہے انکی معصومین نے۔ اور کتاب اللہ میں بھی انکا ذکر آیا ہے منکر انکا ملحد یا منافق ہے۔

خوارج

ان کو نواصب بھی کہتے ہیں سب سے پہلے جو علی کرم اللہ وجہہ پر خروج کر کے اُن سے جدا ہو گئے اور تبرا کیا یہی فرقہ ہے۔ اور اشعث بن قیس مسعود بن فدک تمیمی۔ زید بن حصین طائی وغیرہ انکے سردار تھے یہ گناہ پر تکفیر کرتے تھے۔ امام پر خروج و قتال روا رکھتے تھے۔ عبداللہ بن عباس نے اُن سے مناظرہ کیا مگر وہ راہ حق کی طرف راجع نہ ہوئے۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے اُن سے مقاتلہ کیا اور ایک جماعت کو قتل کر ڈالا۔ یہ سب کے سب حب حضرت ابوبکر و عمر اور بغض حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم میں غالی ہیں یہانتک کہ بعضے خوارج نے ابن ملجم قاتل جناب امیر کی مدح میں قصائد اور ابیات لکھے ہیں اور اہل سنت و جماعت نے انکا دندان شکن جواب دیا ہے۔ یہ سب کلام استیعاب میں موجود ہے۔ اور ان کو شراۃ بھی کہتے ہیں۔ خوارج کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی جانوں کو واسطے دین خدا کے خرید کر لیا ہے اسلئے کہ ہم نے ایسے ظالم کی رفاقت سے کنارہ کشی کی اسوجہ سے ہم شراۃ ہیں۔

ہیں کسی نے کہا یہ نام اُنکا اسلیئے ہوا کہ وہ سدید الغضب تہے مسلمانوں پر اور ان کو
حروریہ بھی کہتے ہیں۔ حرورا نام ہے ایک گانوں کا جو کوفہ کے پاس واقع ہے۔
جب جنگ صفین کے بعد سیدنا علی اور معاویہ میں یہ عہدنامہ منعقد ہوا کہ ابو موسیٰ [1]
اشعری اور عمرو بن عاص یہ دو پنچ جو کچھ فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے تو حضرت
علی کی فوج میں سے چھ ہزار آدمی حکم مقرر کرنے سے ناخوش ہوئے اور لشکر میں سے
نکلکر موضع حروراہیں جا کر بیٹھ گئے اور حضرت علی کی تکفیر کرنے لگے اور یہ کہتے تہے کہ
لاحکم الا اللہ یعنے ہم کوئی چیز قبول نہیں کرتے مگر جو قرآن میں ہے اور اس سے مراد
انکی یہ تہی کہ ہم حدیث کا اتباع نہیں کرتے حالانکہ ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک
سنت رسول کی متابعت نہ کیجائے جس طرح قرآن کی اتباع کیجاتی ہے کیونکہ جس ذات
پاک نے ہم کو قرآن پہونچایا ہے اُسی کا کلام حدیث ہے قرآن کو تو ہم نے بیان رسول
ہی سے جانا ہے پس جب ایک بیان رسول کا نہ ماننا تو قرآن سے ہی کہ رسول کا دوسرا
بیان ہے انکار ٹھہرا۔ حضرت علی انکے پاس گئے اور کمان کو ٹیک کر نہایت فصاحت و
بلاغت کے ساتھ ایک خطبہ کہا اور اُن کو سمجھایا اور فرمایا کہ ہمارے لشکر میں لوٹ
چلو اُنھوں نے تعمیل کی مگر جبکہ اُن کو یہ خبر پہونچی کہ ابو موسیٰ اشعری عمرو بن عاص سے
بازی کہا گئے تو وہ لوگ پہر لشکر علی سے نکل گئے۔ اور کوفہ سے چلے گئے ابن عباس
اُنکے پاس گئے اور بہت کچھ سمجھایا تو دو ہزار مان گئے اور حضرت علی کے لشکر میں
لوٹ آئے مگر چار ہزار نہ لوٹے اور عبداللہ بن وہب راسبی اور حرقوص بن زہیر عرف
بہ ذوی الثدیہ کے ہاتھ پر ان سبنے بیعت کرلی اور نہروان کو چلے گئے حضرت علی
نے انکا تعاقب کیا اور ۳۸ھ میں انکو دو ہزار چھ سو کو تہ تیغ کرڈالا اور باقی بچکر نکل گئے
اور حضرت علی کی طرف سے کل ستر آدمی کام آئے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حروریہ
میں اور عامہ خوارج میں قدرے فرق ہے۔ حروریہ کے نزدیک مرتکب کبیرہ کا

---

[1] دیکھو جلد دوم دین خالص صفحہ ۲۰۳

مشرک[۱] ہوتا ہے - ورنہ عامہ خوارج کا یہ مذہب ہے کہ وہ کافر ہے نہ مشرک اور بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ منافق ہے اور دوزخ کے تلے کے طبقہ میں جسکا نام ہاویہ ہے ہوگا اور ایمان جملہ طاعات کا نام ہے فرض ہوں یا نفل جروریہ کے نزدیک یہ بات ہے کہ ایک کبیرہ کرنے سے نام مرتکب کا بدل جاتا ہے نہ مومن کہلائے نہ مشرک نہ کافر اور حکم اُسکا یہ ہے کہ وہ مخلد فی النار رہیگا۔ انکو اثبات وعید وخوف میں سلبین مرتکب کبیرہ پر اور تخلید فی النار میں باوجود ایمان کے بڑا غلو ہے اسی لئے انکو وعیدیہ بھی کہتے ہیں انکا اتفاق ہے اثبات پر کہ ایمان اجتناب کرتا ہے ہر معصیت سے تو یہ قوم ضد ہے مرجیہ کی نفی وعد و اثبات وعید میں اس سے معلوم ہوا کہ حروریہ ایک قوم ہے خوارج کی جس طرح خوارج کے کئی فرقے ہیں اور فتاوی عزیزی میں مذکور ہے کہ نواصب فرقہ جدا ہے اور خوارج جدا۔ نواصب عرب و شام میں بہت تھے۔ متوکل عباسی خلیفہ بغداد اور اوسکا وزیر علی بن جہم دونوں نواصب تھے یہانتک کہ ۲۳۶ھ میں متوکل نے امام حسین کی زیارت کے گرداگرد کی تمام عمارات گروا دیں اور حکم دیدیا کہ کوئی زیارت کو نہ جائے اور ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق معروف با بن سکیت کو جسکی تالیفات سے اصلاح المنطق لغت میں مشہور کتاب ہے۔ امام حسن وحسین کی اسکے بیٹوں کے مقابلہ میں تعریف کرنے پر مروا ڈالا اور خود بھی کچھ اوپر دس برس حکومت کرکے ۲۴۷ھ میں مارا گیا۔ فرق ان دونوں فرقوں میں یہ ہے کہ خوارج اُن صحابہ کے جنھوں نے باہم لڑائیاں کیں جیسے طلحہ اور زبیر اور حضرت علی اور معاویہ اور عمرو بن عاص کی تکفیر کرتے ہیں اور نواصب صرف حضرت علی اور انکی اولاد سے بغض وعداوت رکھتے ہیں۔ متاخرین میں سے حافظ مغربی بھی ناصبی ہے ابو سعید خدری سے بخاری ومسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] شرع میں شرک اسکو کہتے ہیں کہ غیر خدا کو شریک خدا کا کرے۔ الوہیت میں یعنے واجب الوجود جانے یا غیر خدا کو لائق عبادت کے جانے اور شرع میں شرک کفر کے معنے میں بھی آتا ہے اور اقسام کفر شرک سے کم نہیں بلکہ شرک کے برابر ہیں۔ قرآن شریف تو فصاحت وبلاغت میں اعجاز ہے۔ اور عربی مبین ہے پس جہاں کفر فرمایا وہاں کفر اور جہاں شرک فرمایا وہاں شرک مراد ہے ۱۲

مال غنیمت کو جو حنین سے آیا تہا ہر آدمی کو بقدر حاجت بانٹ رہے تھے کہ آپکے پاس قبیلۂ بنی تمیم سے ایک آدمی آیا جسے ذوالخویصرہ کہتے تھے اور آپسے کہنے لگا کہ تقسیم میں عدل کرو اور سب کو برابر دو آپنے فرمایا کہ افسوس تیرے حال پر کہ جب میں نے ناانصافی کی تو اور کون انصاف کرے گا۔ حضرت عمر فاروق نے آپسے عرض کی کہ حضور حکم دیں تو میں اسکی گردن ماردوں حضرت نے فرمایا کہ ایسا مت کرو اسلئے کہ اُسکے واسطے اصحاب ہوں گے ایسے کہ حقیر جانے گا ایک تمہارا اپنی نماز کو انکی نماز کے مقابلہ میں کہ ریاکاری سے بہت اچھی طرح پڑہیں گے اور حقیر جانے گا اپنی روزی کو انکی روزی کے مقابلہ میں اور پڑہیں گے قرآن مگر تاثیر نہ کرے گا قرآن اُن میں نکلیں گے دین سے جیسے کہ نکل جاتا ہے تیر شکار میں سے مکان سے پر تک اور نہیں پایا جاتا ہے تیر میں کچھ اثر حالانکہ گذرا ہے تیر نجاست اور خون سے۔ اُسکے بعض اصحاب کی یہ علامت ہے کہ ایک مرد ہوگا سیاہ رنگ کہ اُسکے ایک بازو میں افزونی ہوگی پستان عورت یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح کہ وہ ہلتی ہوگی بغاوت کرینگے یہ لوگ اُن سے جو سب آدمیوں سے بہتر ہوں گے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ جب حضرت علی نے خوارج سے جنگ کی تو میں اُنکے ہمراہ تھا جب فتحیاب ہوئے تو حکم دیا کہ اُس شخص کو مقتولین میں سے تلاش کرو جسکی نسبت حضرت نے وہ خبر دی تہی تلاش کی تو اُسکی لاش ملی اور دیکہا تو وہی علامت موجود تہی جو حضرت نے بیان کی تہی۔ اس شخص کو ذوالثدیہ بہی کہتے تھے۔ ثاء مثلثہ کے ضمہ اور دال مہملہ کی فتحہ اور تشدید تحتانی سے یہی شخص اُن خارجیوں کا سردار تہا اور جنہوں نے کہا ہے کہ ذوالخویصرہ سردار خوارج تہا یہ سہو ہے کیونکہ ظہور خوارج حضرت علی کے زمانہ میں ہوا ہے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تہی کہ ذوالخویصرہ کی نسل سے خوارج نکلیں گے اور حضرت علی اور اُنکے اصحاب سے جو اپنے زمانہ کے لوگوں سے بہتر ہیں جنگ کرینگے اور شریک بن شہاب سے نسائی نے روایت کی ہے کہ ابوبرزہ کہتے تھے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ذوالخویصرہ کے اُن گستاخانہ الفاظ کے بعد فرمایا یخرج فی آخر الزمان قوم کان ھذا منھم یقرؤن القرآن لایجاوز تراقیھم یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیۃ

سیماھم التحلیق لایزالون یخرجون حتی یخرج آخرھم مع المسیح الدجال۔
نکلے گی آخر زمانہ میں ایک قوم گویا کہ یہ شخص انہی میں سے ہے پڑہیں گے قرآن کہ
نہیں بڑہیگا انکے گلے کی ہنسلیوں سے نکل جاوینگے اسلام سے جیسے نکل جاتا ہے تیر
شکار سے علامت انکی سر منڈانا ہوگا ہمیشہ رہیں گے خروج کرتے یہانتک کہ نکلیگا
آخر انکا مسیح دجال کے ساتھ۔ اور حدیث متفق علیہ میں حضرت علی سے مروی ہے کہ حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے حق میں بطور پیشین گوئی کے فرمایا تھا یقولون من خیر قول
البریۃ لایجاوز ایمانھم حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ فاینما
لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجرالمن قتلھم یوم القیامۃ کہیں گے بہترین
قول خلق کے سے (مراد اس سے قرآن ہے) نہ تجاوز کریگا ایمان انکا انکے گلوں
سے نکل جاوینگے دین سے یہ سبب نا فرمانی امام کے جیسا کہ نکل جاتا ہے تیر شکار سے۔ پس
جہاں پاؤ تم ان کو قتل کرو انکو کیونکہ تحقیق انکے قتل میں ثواب ہے قیامت کے دن اُس
شخص کے لئے جو قتل کرے انکو اور انہی کے حق میں ابوسعید خدری سے مسلم نے
روایت کی ہے یکون امتی فرقتین فیخرج من بینھما مارقۃ یلی قتلھم اولٰھم
بالحق ہو جائے گی امت میری دو فرقے پس نکلے گی درمیان ان کے سے ایک
جماعت نکلنے والی کہ قتل کریگا ان کو وہ شخص جو بہت نزدیک ہوگا ساتھ حق
کے۔ مراد دو فرقوں سے ایک فرقہ حضرت علی کا ہے اور دوسرا فرقہ معاویہ کا۔ اور ایک فرقہ
کہ ان دونوں کے درمیان سے نکلا انکو خارجی کہتے ہیں انکے مارنے اور دفع کرنیکی
طرف متوجہ ہوئے حضرت علی کہ بہت نزدیک تھے حق سے اور ابوسعید خدری
اور انس بن مالک سے ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ آپ نے خوارج کے حقمیں
فرمایا وہ بدترین آدمیوں اور جانوروں کے ہیں خوشحالی ہو واسطے اس شخص کے
جو انہیں قتل کرے یا انکے ہاتھ سے شہید ہو۔

مگر یہ یاد رہے کہ یمرقون من الدین یا یمرقون من الاسلام سے یہ مراد نہیں کہ وہ
دین اسلام سے نکل کر کفار کے حکم میں ہو جائیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلام کامل سے

نکل جائیں گے بسبب نکل جانیکے طاعت امام سے۔ فتح القدیر میں لکھا ہے کہ جمہور فقہا اور محدثین کے نزدیک خوارج بغاۃ کے حکم میں ہیں اور بعضے محدثین اُنکے کفر کے قائل ہیں۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اہل حدیث کے ساتھ کوئی موافق ہوا ہو تکفیر خوارج میں اور یہ مقتضی ہے اجماع فقہا کی نقل کا اور محیط میں مذکور ہے کہ بعضے فقہا اہل بدعت کی تکفیر نہیں کرتے اور بعضے تکفیر کرتے ہیں اس بدعت والے کی جسکی بدعت دلیل کے مخالف ہے اور صاحب محیط نے اسکو اکثر اہل سنت کیطرف منسوب کیا ہے۔ اور نقل اول یعنے عدم تکفیر اثبت ہے ہاں یہ البتہ ہے کہ اہل مذاہب کے کلام میں اکثر اہل بدعت کی تکفیر واقع ہے لیکن تکفیر اُن فقہا کے کلام میں واقع نہیں جو مجتہد ہیں اور غیر فقہائے مجتہدین کا کلام معتبر نہیں اور مجتہدین سے منقول عدم تکفیر ہے (انتہی کلام صاحب فتح القدیر) عنایہ میں ہے کہ ابو یوسف سے مروی ہے کہ میں قبول نہیں کرتا گواہی اُسکی جو صحابہ کرام کی بدگوئی کرے۔ اور اُسکی گواہی قبول کرتا ہوں جو صحابہ سے بیزار اور ناراض ہے اسلئے کہ وہ ایک دین کا معتقد ہے جیسے خوارج و شیعہ اگرچہ وہ باطل پر ہے مگر اس نے اپنا فسق ظاہر نہ کیا اول میں رکھا بخلاف بدگو کے کہ اُس نے اپنا فسق ظاہر کردیا۔ صاحب مواقف اور شیخ ابوالحسن اشعری اور امام غزالی اور امام ابو حنیفہ بھی اہل قبلہ کو کافر کہنا مناسب نہیں جانتے تھے اور صاحب جامع الاصول نے شیعہ کو اسلامی فرقوں میں گنا ہے اور شرح فقہ اکبر میں ولا تذکر الصحابۃ الا بخیر کے تلے لکھا ہے کہ سب الشیخین کفر نہیں اور یہ اسوجہ سے ہے کہ نہ اسکا کہنا ثابت ہے نہ معنے متحقق ہیں اسلئے کہ مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور شیخین اور دوسرے مسلمان اس حکم میں برابر ہیں۔ سید حموی نے حاشیہ اشباہ میں باب المردۃ میں کہا ہے کہ حکم کرنا ساتھ کفر کے بہت مشکل ہے اور شامی وغیرہ کہتے ہیں کہ صاحب بحر نے جوہرہ سے جو مسئلہ عدم قبول توبہ شیعہ کا نقل کیا ہے وہ غلط ہے قابل التفات کے نہیں عند اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے سب کی توبہ قبول کرتا ہے اگرچہ پیغمبروں کی جناب میں بے ادبی کی ہو توبہ قبول ہے اور بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے کہ جو علما انکار حکم اجماع کو کفر نہیں جانتے

اُنکے نزدیک شیعہ خلافت حضرت صدیق کے انکار سے کافر نہیں ہوسکتے اور جو اس انکار کو کفر جانتے ہیں اُنکے نزدیک البتہ کافر ہیں حالانکہ یہ بات تحقیق کے خلاف ہے اسلئے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شیعہ کفار نہیں اور شیخ ابن ہمام کا میل فتح القدیر میں بحث مسئلہ امامت مبتدع غیر اگرچہ تکفیر شیعہ کیطرف ہے لیکن کتاب خراج میں لکھا ہے کہ کافر نہیں ہیں اور مولوی ولی اللہ لکھنوی نے مسلم الثبوت کی شرح میں کہا ہے کہ محققین حنفیہ اور متکلمین کی رائے یہ ہے کہ شیعہ خلافت ابوبکر و عمر کے انکار سے جو اجماع قطعی کے ساتھ اہل سنت کے نزدیک ثابت ہوچکی ہے کافر نہیں ہوتے اور خلاصہ وغیرہ کتب فتاوی میں جو شیعہ کی تکفیر بیان کی ہے یہ امام ابوحنیفہ سے منقول نہیں یہ مشایخ کی تفریعات میں سے ہے جیسے کہ اور اکثر مسایل ہیں انہوں نے حکم کفر دیدیا ہے بلکہ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ کتب فتاویٰ میں جسقدر مسایل ہیں کفر کا فتویٰ دیا ہے وہ باوجود اس خرابی کے کہ نہ تو اُنکے قائل کے حالات پر اطلاع ہے اور نہ اُنپر دلایل مذکور ہیں اپنے ناقل کے لئے دلیل اور حجت نہیں ہوسکتی کیونکہ مسائل دینیہ میں اعتقاد کا مدار براہین قاطعہ پر ہے علاوہ اسکے مسلمان کو کافر کہنے میں بہت سی برائیاں ہیں جسکی اصلاح اسقدر کہنے سے نہیں ہوسکتی کہ ان جزئیات کے منکر پر کافر کا اطلاق تہدید اور دھمکی کے لئے کیا گیا ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ اہل قبلہ کی عدم تکفیر کے متکلمین قائل اور تکفیر فقہا کا مذہب ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہاں کفر کے اصلی معنے نہیں لئے گئے بلکہ مجازاً کفر کا اطلاق اُن چیزوں پر کیا گیا ہے جو کفر پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ کفر کی حقیقت انکار دلی ہے جو تصدیق کا مقابل ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ مراد اہل قبلہ سے وہ مسلمان ہیں جنہے ایمان کی ضروریات کا اعتقاد ہو اور اس سے ضروریات دین کا انکار صادر نہ ہوا ہو اور تکذیب دین کی کوئی علامت پائی نہ جائے اور صرف قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے والا مراد نہیں اور ضروریات منحصر ہیں تین چیزوں میں۔ ایک قرآن کا مفہوم بشرطیکہ نص صریح ہو کہ اسکی تاویل ممکن نہ ہو جیسے ماں بہن اور شراب اور چوری کی حرمت اور صفات آلہی کا ثبوت اور صحابہ سابقین مہاجرین والانصار کا خداتعالے کے نزدیک مقبول ہونا اور اُنکی اہانت و خفت جائز نہ ہونا سورہ توبہ میں ہے والسابقون

الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم
ورضوا عنه یعنے جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے اور جو انکے
پیچھے آئے نیکی سے اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اللہ سے۔ دوسری اُس
حدیث کا مفہوم جسکے لفظ خواہ یعنے متواتر ہوں اور وہ عام ہے اس سے کہ اعتقادیات
کی قسم سے ہو یا عملیات کی اور عام ہے اس سے کہ فرض ہو خواہ نفل جیسے حضرت رسالت
پناہ کی اہلبیت کے ساتھ محبت واجب ہونا اور جمعہ وجماعت اور اذان اور عیدین کا واجب
ہونا۔ تیسرے وہ چیز جس پر اجماع قطعی ہو گیا ہو جیسے خلفا کی خلافت۔ جب ان تینوں
باتوں کی ضروریات دین میں سے ہونے پر اجماع مقرر ہو چکا تو جو انکا منکر ہے وہ کافر
ہے کیونکہ اجماع قطعی کی غلطی نکالنے میں ساری امت کو گمراہ قرار دینا لازم آتا ہے
جس سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا انکار ٹھہرتا ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس
تم بہتر ہو سب امتوں سے جو پیدا ہوئی ہیں لوگوں میں اور اس حدیث کا بھی جو متواتر
المعنے ہے انکار لازم آتا ہے۔ لا تجتمع امتی علی الضلالة یعنے میری امت گمراہی پر
اتفاق نہ کرے گی۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ شیعہ وخوارج کافر نہیں ہو سکتے کیونکہ امام
ابو حنیفہ اور شافعی اہل قبلہ کے کافر ہونیکے باب میں صاف طور پر حکم دیچکے ہیں۔
کیونکہ وہ بھی تاویل رکھتے ہیں۔ امام محمد کہتے ہیں کہ جناب امیر خوارج کو مسجد میں نماز
پڑھنے سے نہیں روکتے تھے امام مالک سے احوال تکفیر اہل بدعت کا پوچھا کہ کیا
یہ کافر ہیں تو کہا کفر سے بھاگے ہیں اور یہ جواب ماخوذ ہے جناب امیر کے جواب سے جو انہوں نے
خوارج کے بارے میں دیا ہے چنانچہ دارقطنی وغیرہ میں مروی ہے کہ جب لوگوں نے
اُن سے پوچھا اکفر لو هم قال من الشرك فروا یعنے کیا وہ کافر ہیں اُنہوں نے
فرمایا کہ وہ کفر سے بھاگے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ کفر سے بھاگے ہیں تو ہم کیونکر انکو
کافر کہیں امنافقو هم قال المنافقون لا یذکرون الله الا قليلا یعنے کیا منافق
ہیں اُنہوں نے فرمایا کہ منافق نہیں یاد کرتے ہیں اللہ کو مگر تھوڑا سا اور خوارج یاد کرتے ہیں
اللہ کو صبح وشام پھر پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں فرمایا اخواننا بغوا علینا یعنے مسلمان ہیں

کہ مرتکب کبیرہ و بدعت ہوئے ہیں۔ اسی لئے خطابی نے کہا ہے کہ اجماع ہے علمائے مسلمین کا کہ خوارج باوجود گمراہی کے مسلمانوں کے فرقوں میں سے ہیں اور جائز ہے نکاح کرنا اُن سے اور کہانا اُنکے ذبیحہ کا اور اُنکی گواہی قبول کرنا اور حضرت علی کے جواب سے اسبات کا بھید بھی معلوم ہو گیا کہ بعض علما نے شیخین کے برا کہنے والے کو کافر کہا اور ختنین یعنے حضرت علی مرتضی و عثمان ذوالنورین کے برا کہنے والے کو کافر کیوں نہیں کہا۔ عمال معاویہ حضرت علی کی مذمت اور ہجو کیا کرتے اور اُنہیں برا کہتے اور انکا نام نہ لیتے بلکہ انکو ابوتراب کہتے تھے اور حضرت علی نماز میں معاویہ اور عمرو بن عاص اور ضحاک اور ولید ابن عقبہ اور اعور سلمی کے حق میں بد دعا کرتے اور معاویہ نماز میں حضرت علی و حسن و حسین اور عبد اللہ بن جعفر کے واسطے بد دعا کرتے مگر یہ نہیں کہا گیا کہ سب ختنین کفر ہے اور وہ بھید یہ ہے کہ ختنین نے خود اپنے برا کہنے والوں کو کافر نہیں کہا تھا چنانچہ جناب امیر کی رائے تو معلوم ہو گئی اور حضرت عثمان کا قول مشکوۃ میں موجود ہے کہ جب اہل فتنہ نے انکو محصور کیا تو ایک امام مسجد نبوی میں اپنی طرف سے مقرر کر دیا وہ حضرت عثمان کو برا کہتا تھا لوگوں نے اُن سے پوچھا انك امام عامة وقد نزل بك ما نری ویصلی بنا امام فتنة فما تقول فی ظنك یعنے تم خلیفہ مطلق ہو۔ اور جو کچھ حادثہ تم پر واقع ہوا ہے وہ ہم دیکھتے ہیں اور ہمکو باغیوں کا امام نماز پڑہاتا ہے پس آپ کی کیا رائے ہے حضرت عثمان نے جواب دیا الصلوة احسن ما یعمله الناس فاذا احسنوا الناس احسن معهم فلما اساؤا فاجتنب اساءتهم یعنے آدمیوں کے سارے کاموں میں عمدہ نماز ہے پس جس وقت آدمی خوبی سے ادا کریں تو تو بھی اُنکے ساتھ شریک ہو اور جو برے طور پر ادا کریں تو تو ان سے بچا رہ خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام اہل فتنہ عمدہ طور پر نماز پڑہاوے تو اسکی اقتدا کرنا چاہئے اور اگر وہ برے طور پر پڑہاوے ارکان اچھی طرح ادا نہ کرے تو اسکے پیچھے نہ پڑہنا چاہئے پس اُس مبتدع کے ساتھ نماز ادا کرنیکی اجازت دی۔ اگر کہتے کہ وہ کافر ہے تو اسکے پیچھے نماز کیسے ہو سکتی تھی اسلئے قدمائے اہلسنت نے ختنین کی مرضی کے موافق اُنکے برا کہنے والوں کو اہل بدعت و فسق قرار دیا بخلاف سب شیخین کے کہ اُس معاملہ میں چونکہ اس قسم کے آثار مروی نہ تھے اسلئے علمائے شیخین کے برا کہنے والے کی تکفیر کی گو قیاس اسی کو چاہتا ہے کہ برا کہنا سب کا کفر ہو اسلئے کہ بزرگی سب کی متواتر المعنے و ضروریات دین سے ہو

مگر بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ انکی نظیر موجود ہیں کہ اُنپر خلاف قیاس عمل کرلیا ہے اور ختنین نے انکو کافر قرار نہ دیا تو احتیاط سے کام لے کر اُنکے شبہات کا اعتبار کرلیا کہ سیرت شیخین کا تغیر حضرت عثمان سے واقع ہونا اور تہمت قتل حضرت عثمان کا حضرت علی پر انکی لفظوں پر بہتان راسخ ہو گیا تھا کسی طرح اُن مناقب پر جو ختنین کی فضیلت میں وارد ہیں خیال نہیں کیا یا ان معاملات میں تعمق اور غور نہیں کیا اور بعض آیات کے ساتھ استدلال بھی کرتے تھے ختنین نے سمجھ لیا تھا کہ ان لوگوں نے گویا دینداری کے تعصب کی وجہ سے ہم سے مخالفت اختیار کری ہے اور انکار احکام قرآن اور ضروریات دین دانستہ نہیں کرتے ہیں اگرچہ لعنت کرنے اور برا کہنے سے ضروریات دین کا انکار اُنپر لازم آتا ہو مگر وہ کافر نہیں اسلئے کہ کفر کا لزوم کفر نہیں ہے بلکہ کفر کا التزام کفر ہے اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے وادرؤا الحدود والقصاص بالشبہات یعنے ترک کرو حدوں اور قصاصوں کو شبہات کی وجہ سے اسی لئے ختنین نے اپنے مخالفوں کی تکفیر اُنکے شبہ میں پڑجانیکی وجہ سے نہ کی بلکہ جب متاخرین اہل سنت نے دیکھا کہ اب وہ شبہات بالکل مرتفع ہو گئے اور حق باطل سے ممیز ہو چکا اور سب اُن مخالفوں کی نسبتیں بے اصل ٹھہریں تو اُنکے برا کہنے والوں کی نسبت بھی تکفیر کا فتوے دیا مگر محققین اہل علم نے یہی کہا ہے کہ صحابہ کا برا کہنا کفر نہیں چنانچہ جلد سوم رد المختار یعنے شامی کے صفحہ ۲۵۷ میں ہے کہ اختیار میں لکھا ہے کہ ائمہ فقہ کا اتفاق ہے اہل بدعت کی تضلیل و تخطیہ پر اور کسی صحابی کو برا کہنا اور اُس سے بغض رکھنا کفر نہیں لیکن گمراہی ہے۔ غرضکہ بہت سی تفصیل ہے رد المختار میں جو حاشیہ در مختار کا ہے مسلمانی ثابت کی ہے اور مولف رد المختار و مصنف در مختار نے کہیں اہل ہوا کو کافر نہیں لکھا۔ بلکہ باب الحیض میں لکھا ہے لا یفتی بتکفیر مسلم کان فی کفرہ خلاف ولو کان روایۃ ضعیفۃ فتوی نہیں دیا جاتا اُس مسلمان کی تکفیر کا جسکے کفر میں عالموں کا خلاف واقع ہے اگرچہ یہ خلاف ضعیف ہی روایت سے ہو اور صاحب بحر نے کہا ہے وقد الزمت نفسی ان لا افتی بشیٔ منہما یعنے میں نے اپنی ذات پر لازم کرلیا ہے کہ میں فتوی نہ دونگا کسی چیز پر اُن میں سے یعنے جسمیں اختلاف ہے اسلئے کہ مومن کو کافر کہنا بلا دلیل قطعی خطرناک ہے۔ اور مفتی ابو مسعود نے حاشیہ اشباہ میں تصریح کی ہے کہ عدم تکفیر میں روایت ضعیف بھی کافی ہے اگرچہ وہ روایت ہمارے غیر مذہب کی ہو۔

خوارج کے فرقوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ محکمہ جب درمیان جناب امیر اور معاویہ کے مقام صفین میں جنگ ہوئی تو اُنھوں نے جناب امیر سے کہا کہ پنچ اسکو مقرر کرو جو حکم موافق کتاب اللہ کے کرے انھوں نے انکے اصرار سے ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کو تصفیہ کے لئے پنچ مقرر کیا۔ پھر بوجہ فریب عمرو بن عاص کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری کے جناب مرتضیٰ نے پنچایت کو نامنظور کیا تو اسپر وہ لوگ خفا ہوگئے اور جناب امیر کو چھوڑ دیا۔ ان کا سرغنہ اس معاملہ میں عبداللہ بن وہب تھا اور یہ چار ہزار آدمی تھے حضرت علی نے انکو نصیحت کی اور بہت کچھ سمجھایا۔ جب نہ مانے تو ان سے قتال کیا اور ایک جماعت اُن میں اور ملگئی کہ سب بارہ ہزار ہوگئے انکے اعتقاد میں امام کا قرشی ہونا لازم نہیں عادل ہونا کافی ہے کہتے ہیں کہ اگر امام ظلم وجور کرے تو اسکا معزول کرنا واجب ہے یا مار ڈالنا چاہیئے۔ اور انکے زعم میں امام کا مقرر کرنا واجب نہیں جائز ہے اور مرتکب کبیرہ کو عموماً اور حضرت عثمان وغیرہ اکثر صحابہ کو خصوصاً کافر بتاتے ہیں۔

۲۔ بیہسیہ بیہس[۱] بن الہیصم بن جابر کے متبع ہیں جو قبیلہ بنی سعد بن ضبیعہ سے اور حجاج کے عہد میں تھا مدینہ میں قتل کیا گیا اور مصلوب ہوا۔ اسکا اعتقاد ہے کہ ایمان عبارت ہے اقرار اور معرفت خدا اور اُس چیز کے علم سے جسکی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی ہے اور جو کوئی ایسی چیز کا ارتکاب کرے جسکی حلت وحرمت سے واقف نہ ہو وہ کافر ہے اور بعضے بیہسیہ کی یہ رائے ہے کہ وہ شخص کافر نہیں ہوتا جب تک کہ امام مطلع ہو کر اُس پر حد جاری نہ کرے اور جس چیز میں حد جاری نہیں وہ معاف ہے۔ اور جس وقت امام سے کفر صادر ہوگا تو ساری رعیت بھی کافر ہو جائے گی اور اطفال کا حال کفر وایمان میں اُن کے ماں باپ کا سا ہے۔ اگر وہ کافر ہیں تو یہ بھی کافر ہوں گے اور جو ماں باپ ایماندار ہیں تو یہ بھی ایماندار ہوں گے۔ اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ شراب کا نشہ حلال ہے اور نشہ کی حالت میں آدمی کے قول وفعل پر مواخذہ نہیں۔ اور بعضوں کی یہ رائے ہے

---

[۱] شرح مواقف میں اسیطرح اور ملل ونحل شہرستانی میں ابو بیہس لکھا ہے اور صحیح یہی ہے اسلئے کہ تعریفات میں لکھا ہے البیہسیۃ اصحاب ابی بیہس بن الہیصم بن جابر ۱۲

کہ جب نشہ کی حالت میں ارتکاب گناہ کبیرہ کا ہو تو وہ نشہ حرام ہو جاتا ہے اور بندوں کے کاموں کو بندوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس فرقہ کو بیہسیہ بھی کہا کرتے ہیں

۳۔ ازارقہ یہ اصحاب ابی راشد نافع بن الازرق بن قیس کے ہیں۔ یہ حضرت علی کو بوجہ پنچایت کافر کہتے ہیں۔ اور یہ لوگ حضرت عثمان اور طلحہ اور زبیر اور بی بی عائشہ اور عبد اللہ بن عباس اور ان مسلمانوں کو جو انکے ہمراہ تھے برا کہتے ہیں کہ یہ سارے مخلد فی النار ہونگے۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے مخالفین کے شہر دار الکفر ہیں اور جو کوئی ان میں سکونت اختیار کرے وہ بھی کافر ہے اور اطفال ہمارے مخالفین کے دوزخ میں جائیں گے۔ اور مخالفین کی اولاد اور عورات کا قتل کرنا حلال جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اطفال مشرکین اپنے ماں باپ کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ اور تقیہ کو قول و فعل دونوں میں حرام بتاتے ہیں۔ اور رجم[1] زانی محصن کے منکر ہیں اسلئے کہ وہ قران میں مذکور نہیں کہتے ہیں کہ جو کوئی عورت پر زنا کی تہمت کرے اس کو حد مارنا چاہیے اور جو کوئی محصن مرد پر تہمت کرے وہ محدود نہیں ہوگا۔ اور چور کا ہاتھ قلیل و کثیر میں کاٹنا چاہیے اور انکے زعم میں مرتکب کبیرہ کافر ہے اور کہتے ہیں نبی سے صدور گناہ جائز ہے اور ہر گناہ ان کے نزدیک کفر ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی کوئی نبی مبعوث کرے اور اسکے علم میں یہ بات ہو کہ یہ نبوت کے بعد کافر ہو جائے گا اور ابن ملجم قتل حضرت علی سے خطاوار نہیں ہوا بلکہ حق پر تھا۔

۴۔ نجدات یہ لوگ نجدہ بن عامر حنفی کے متبع ہیں جس نے یمامہ میں خروج کیا تھا اور اسکو لوگ امیر المومنین کہتے تھے انکو نجدیہ اسلئے نہیں

[1] رجم کے معنے سنگسار کرنا اور محصن وہ ہے کہ عاقل و بالغ مسلمان ہو کہ عورت سے نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کی ہو قائدہ۔ آیت رجم اول قران میں تھی بعد ازاں تلاوت اسکی منسوخ ہوئی اور حکم باقی رہا وہ آیت یہ ہے الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم تفصیل اسکی افادة الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ میں یا دل کے آخر ... [illegible]

کہتے تھے کہ درمیان انکے اور نجد کے رہنے والوں کے فرق ہے اپنے بیٹے کو نجدہ نے ایک بار قطیف کی مہم پر بھیجا اُس نے وہاں کے مردوں کو قتل کیا انکی عورتوں کو قید کر لیا اور قبل تقسیم کے اُن عورتوں کے ساتھ ان فاتحوں نے نکاح کر لیا اور تقسیم سے قبل مال غنیمت میں سے خرچ کر ڈالا جب نجدہ کے پاس آئے اور اُسے ان معاملات کی خبر ہوئی۔ تو اس نے کہا کہ تم کو ایسا کرنا مناسب نہ تھا انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ ایسا کرنا مناسب نہیں۔ نجدہ نے نا واقفیت کی وجہ سے اُنکے عذر کو مان لیا بعد اس فیصلہ کے اصحاب نجدہ میں اختلاف پڑ گیا جن لوگوں نے اُسکے اس حکم کو تسلیم کر لیا اُنکا یہ مذہب ٹھہر گیا کہ دین دو باتوں کا نام ہے ایک اللہ اور رسول کی معرفت اور حرام جاننا اُن مسلمانوں کے قتل کو جو دین میں ہمارے ساتھ موافق ہیں۔ دوسرے اقرار کرنا ساتھ اُس چیز کے جو اللہ کے پاس سے آئی ہے بالاجمال اسکے سوا جو تحریم و تحلیل اور تمام شرائع و فروع ہیں اُن میں لوگ بسبب جہل کے معذور رکھے جاتے ہیں اسی لئے انکو عاذریہ بھی کہتے ہیں باقی تمام باتوں میں سارے نجدات متفق ہیں کہتے ہیں مجتہد خطا کرنے سے گناہگار نہیں ہوتا ہے اور جو کوئی برخلاف اسکے مجتہد کو معذب جانتا ہے وہ کافر ہے۔ اور جائز تقیہ میں خون اہل ذمہ کے حلال ہیں اور جس نے نظر حرام کی یا جھوٹ بولا یا کسی صغیرہ پر اصرار کیا اور اس سے توبہ نہ کی تو وہ کافر ہے اور جس نے زنا کیا۔ چوری کی۔ شراب پی بغیر اصرار کے ان افعال پر وہ مومن ہے کافر نہیں ہے اور انکا زعم یہ ہے کہ آدمیوں کو امام کی حاجت نہیں مگر جبکہ وہ دیکھیں کہ انصاف اور عدل آپس میں نہ ہو سکے گا تو اس وقت امام کا مقرر کرنا جائز ہے اور نجدات سارے احکام میں ازارقہ سے مخالفت رکھتے ہیں صرف ایک تکفیر صحابہ میں اُنکے موافق ہیں یعنی یہ بھی حضرت علی و عثمان اور طلحہ اور زبیر اور عبداللہ بن عباس اور بی بی کو کافر کہتے ہیں (نعوذ باللہ)

۵۔ اصفریہ زیاد بن اصفر کی طرف منسوب ہیں۔ بعضوں نے لکھا ہے صفریہ بفتح صاد کہ نعمان بن صفر کے اصحاب ہیں کسی نے کہا کہ منسوب ہیں طرف

عبد اللہ بن صفار کی۔ وہ ایک شخص تہا بنی مقاعس میں سے کسی نے کہا کہ یہ نام اُنکا
بہ سبب صفرت عانت کے ہوا ہے۔ بعض نے کہا صفریہ بکسر صاد ہے بہرحال سیاریہ کی
بدعات میں ازارقہ کے موافق ہیں مگر زانی سے رجم ساقط نہیں بتاتے اور نہ اطفال
مشرکین کو کافر و دوزخی جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص عقیدہ میں ہمارا موافق ہو
اور وہ قتال میں شریک نہ ہو تو کافر ہے اور اُنکے نزدیک تقیہ قول میں جائز ہے
نہ عمل میں اور انکا اعتقاد یہ ہے کہ جس گناہ پر حد جاری ہو سکتی ہے مثلاً چوری اور
زناکاری اُسکے مرتکب کو کافر نہ کہنا چاہئے اور جس گناہ میں بوجہ اسکی عظمت کے حد نہیں
ہے جیسے ترک نماز و روزہ اُسکا مرتکب کافر ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جو عورت دین میں ہمارے
موافق ہے اُسکا نکاح اُس سے کر دینا جو دین میں ہم سے مخالف ہے ایسے مقام میں
جائز ہے جہاں تقیہ کے سوا چارہ نہ ہو اور جہاں تقیہ کی ضرورت نہ ہو بلکہ علانیہ
ہمارے دین کے احکام جاری ہوں وہاں ناجائز ہے۔ صفریہ کو زیادیہ بھی کہتے
ہیں۔ ایک نام انکا نکاریہ بھی ہے اسلئے کہ نصف حضرت علی و ثلث حضرت عثمان و
سدس بی بی عائیشہ کو ناقص کرتے ہیں۔ ابو یزید پسر کنداد ساکن شہر توزر علاقہ
قسطیلیہ نے کہ نہایت بدصورت تہا مذہب نکاریہ اختیار کرکے لوگوں کو اس مذہب کی
طرف دعوت کرنا شروع کی جب اسکی جمعیت بھاری ہو گئی تو ۳۳۲ھ میں قسطیلیہ مسخر
کیا پھر تبسہ اور ستبیہ اور سلب اور اریس کو فتح کرلیا۔ قائم علوی اسماعیلی والی
افریقیہ نے فوج آراستہ کرکے قیروان اور رقادہ کی حفاظت کو بڑہا۔ ابو یزید نے اُسے
شکست دی اور ٹونس اور قیروان اور رقادہ بھی فتح کرلیا تہا یہانتک کہ قائم
بھی گہبراکر مہدویہ میں محصور ہوگیا۔ قائم کے انتقال کے بعد اُسکے بیٹے اسماعیل منصور
نے ابو یزید پر چڑہائی کی اور ۳۳۵ھ میں اسکو پوری شکست دے کر بربر تک اُسکا
تعاقب کیا اور کئی برس تک یوں ہی ابو یزید سوڈان کے شہروں کی طرف بہاگا بہاگا پہرا
منصور نے بھی پیچھا نہ چھوڑا یہانتک کہ اسکا بالکل قلع قمع کردیا اور ۳۳۶ھ میں وہ گرفتار ہو
اور اُسکی کھال نکلواکر بہس بہروادیا۔

۶- اباضیہ یہ لوگ عبد اللہ بن اباض کے پیرو ہیں جو بنی مقاعس سے تہا اسکا نام حرث بن عمر ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ فرقہ منسوب ہے طرف باض کے اُباض بضم الف ایک گاؤں ہے ملک یمامہ میں وہاں نجدہ بن عامر جاکر ٹھہرا تھا مروان بن محمد کے عہد میں اس نے خروج کیا تہا۔ مروان کے حکم سے عبد اللہ بن محمد بن عطیہ نے اُس سے جنگ کر کے قتل کیا اور بعضے کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن یحییٰ اباضی تمام معاملات میں اسکا رفیق تھا۔ اس عبد اللہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص اہل قبلہ میں سے دین میں ہمارا مخالف ہے وہ کافر ہے مشرک نہیں اسکے ساتھ مناکحت اور اسکی وراثت جائز ہے اور ہتھیار اور گھوڑا مخالفوں کا جنگ میں لے لینا جائز ہے اور اُسکے علاوہ ناجائز ہے اور ہمارے مخالفین کے شہر دار الاسلام ہیں مگر جو پایہ تخت اُنکے سلطان کا ہے وہ دار الکفر ہے اور مخالفوں کی گواہی ہم پر مقبول ہے اور انکے زعم میں مرتکب کبیرہ موحد ہے مومن نہیں اسلئے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور یہ مرتکب کبیرہ کو کافر نعمت جانتا ہے نہ کافر ملت اور اسکے اعتقاد میں استطاعت قبل فعل کے ہے اور بندوں کے افعال کا خدا خالق ہے اور کہتا تہا کہ تمام عالم اہل تکلیف کے فنا ہو جانیکے ساتھ فنا ہوگا اور اولاد کفار کی تکفیر و تعذیب میں متوقف ہے۔ اور متوقف ہے کہ اسمیں بہی نفاق شرک ہے یا نہیں اور متردد ہے اسمیں بہی کہ کوئی ایسا رسول ہونا جائز ہے یا نہیں کہ جسکے ساتھ صدق دعویٰ نبوت پر کوئی معجزہ نہ ہو اور جن احکام کی اُسپر وحی آئی ہو اُنکی تعمیل کا اُسکے امتیوں کو حکم نہ ہو اور امیر المومنین حضرت علی اور اکثر صحابہ کو کافر کہتا ہے۔ اور یہ اباضی چار فرقے ہو گئے ہیں۔

(الف) **حفصیہ**۔ اتباع ابو حفص[۱] بن ابی مقدام یہ عبد اللہ بن اباض کا ایک متبع تہا اور متفرد تہا ساتھ اس قول کے کہ معرفت الٰہی ایمان و شرک میں متوسط ہے۔ پس جس نے اللہ کو پہچانا اور رسول اور بہشت اور دوزخ وغیرہ کا انکار کیا۔ یا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا وہ کافر ہے مشرک نہیں ہے باقی اباضیہ نے اسکا انکار کیا اور کہا کہ وہ مشرک ہے۔

---

[۱] دیکھو شرح مواقف اور تعریفات کو اور ملل ونحل میں صرف حفص واقع ہے۔ ۱۲

(ب) یزیدیہ - اتباع یزید بن انیسہ - یہ اباضی کہتا تھا کہ قریب ہے کہ خدا ایک رسول عجم سے مبعوث کرے گا اور اس پر ایک دفعہ ہی پوری کتاب اُترے گی جس سے شریعت محمدی منسوخ ہو جائے گی - اور وہ پیغمبر دین صابیا کی پیروی کریگا جسکا قرآن میں ذکر ہے اور اسکے زعم میں ہر گناہ صغیرہ اور کبیرہ شرک ہے اور جن لوگوں نے اپنے اوپر حد جاری ہونے کے کام کئے وہ مشرک ہیں -

(ج) حارثیہ - یہ رائے تھی اصحاب ابی الحارث اباضی کی کہتا تھا کہ بندوں کے افعال مخلوق الٰہی نہیں ہیں بندے خود اُنکے خالق ہیں اور استطاعت قبل فعل کے ہوتی ہے جیسا کہ مذہب معتزلہ کا ہے -

(د) عبادیہ - یہ فرقہ ایک بدعت قبیحہ کے ساتھ منفرد ہوا - انکا مذہب یہ تھا کہ جو عبادت ریا کے ساتھ کیجائے اور خدا تعالیٰ کی رضامندی اُس سے مقصود نہ ہو وہ بھی طاعت ہے -

(۵) عجاردہ - یہ عبدالرحمٰن[۵۲] بن عجرد کے پیرو ہیں - یہ گروہ نجدات کے موافق ہے مگر دو شئے میں منفرد ہیں - ایک یہ کہ اطفال مشرکین دوزخ میں جائینگے دوسرے اطفال سے بری رہنا تابلوغ و صفائی اسلام واجب ہے اور جب وہ بالغ ہو جائیں تو انکو اسلام کی دعوت کی جائے - اور یہ دس گروہ ہیں -

(الف) میمونیہ - یہ میمون بن عمران[۵۳] کے پیرو ہیں انکا قول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے شر کا ارادہ نہیں کرتا - اور مشرکوں کے اطفال جنت میں داخل ہونگے اور کہتے ہیں کہ استطاعت قبل فعل کے ہوتی ہے اور افعال عباد کا خدا خالق نہیں ہے اور یہ اپنے مخالفین کے اموال کو حلال نہیں کہتے جب تک کہ مالک مقتول نہ ہو - جب مارا جائیگا تو اسکا مال غنیمت ہو جائے گا - اور یہ کہتے ہیں کہ مرد کو بیٹی[؟] کی نواسی اور پوتی اور

---

[۵۱] دیکھو شرح مواقف و تعریفات و کشاف اصطلاحات الفنون اور ملل و نحل میں حارث اباضی ہے

[۵۲] - دیکھو شرح مواقف و کشاف و اصطلاحات الفنون و ارشاد المسلمین اور ملل و نحل عبدالرحمٰن کی جگہ عبدالکریم ہے اور تعریفات میں عبداللہ بن عجرد مرقوم ہے [۵۳] دیکھو شرح مواقف و تعریفات و کشاف و اصطلاحات الفنون و ارشاد المسلمین کو اور ملل و نحل میں میمون بن خالد ہے ۔

بھتیجی اور بھانجی سے نکاح کرنا جائز ہے اور انکے اعتقاد میں سورۂ یوسف قرآن میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ ایک فحش اور عشقیہ قصہ ہے۔

(ب) حمزیہ۔ حمزہ بن ادرک شامی کے متبع ہیں یہ لوگ تمام مقالات میں میمونیہ کے ساتھ موافق ہیں مگر اطفال مشرکین کو دوزخ میں بتاتے ہیں اور مسئلہ قدر میں قدریہ کے موافق ہیں اسلیئے ازارقہ انکو کافر کہتے تھے۔ اپنے مخالفین کے غنائم کو حلال نہ جانتے تھے بلکہ کل مال غنیمت کا جلا دیتے تھے۔

(ج) شعیبیہ۔ شعیب بن محمد کے پیرو ہیں یہ گروہ موافق ہے ساتھ میمونیہ کے۔ انکی ساری بدعات میں مگر یہ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہے کیونکہ میمونیہ اس بارے میں مائل طرف قدریہ کے ہیں۔

(د) حازمیہ۔ اصحاب حازم بن عاصم یہ شعیبیہ کے ساتھ موافق ہیں مگر علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں متوقف ہیں اور تصریح انکی برءیت کی نہیں کرتے جسطرح کہ دوسروں کی برءیت کی تصریح کرتے ہیں اور انکا قول مسئلہ قدر و مشیت میں مثل قول اہلسنت کے ہے ولایت و عداوت میں مخالف خوارج کے ہیں کہ ہمیشہ محب اپنے اولیا کا اور دشمن اپنے اعدا کا ہے۔

(ہ) خلفیہ۔ خلف خارجی کیطرف منسوب ہیں یہ لوگ کرمان و مکران کی طرف رہتے ہیں انکا اعتقاد یہ ہے کہ خیر و شر دونوں اللہ کیطرف سے ہیں اور کہتے ہیں کہ اطفال مشرکین دوزخ میں رہیں گے بلا اسکے کہ انہوں نے کوئی عمل و شرک کیا ہے۔

(و) اطرافیہ۔ غالب سجستانی کے متبع ہیں۔ یہ گروہ حمزیہ کے موافق ہے مگر منفرد ہے اسبات میں کہ اطراف ملک کے رہنے والے جن احکام شرعی سے واقف نہونگے وہ اُس میں معذور ہیں یعنے احکام کی عدم تعمیل سے اُنپر مواخذہ نہیں ہوتا اور ان لوگوں کے بہت سے عقائد اہلسنت وجماعت کبھی موافق ہیں۔ اور مسئلہ قدر میں قدریہ کے مخالف ہیں اور اہلسنت وجماعت کے موافق۔

لے۔ کذا فی شرح المواقف۔ اور ملل و نحل میں حازم بن علی ہے۔ اور کشاف اصطلاحات الفنون اور ارشاد المسلمین میں شرح مواقف کے موافق ہے۔

(ز) **معلومیہ**۔ یہ اپنے مقالات میں حازمیہ کے موافق ہیں۔ مگر دو مسئلوں میں باہم متباین ہیں۔ ایک یہ کہ جس نے اللہ کو مع جمیع اسماو صفات کے نہ پہچانا وہ کافر ہے مومن نہیں۔ دوسرے قدر و مشیت میں موافق اہلسنت کے ہیں۔

(ح) **مجہولیہ**۔ یہ بھی تمام عقائد میں حازمیہ کے موافق ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ اللہ کو بعض اسماء و صفات کے ساتھ جاننا بھی مومن ہونے کے لئے کافی ہے اور یہ مسئلہ قدر و مشیت میں موافق قدریہ کے ہیں۔

(ط) **صلتیہ**۔ یہ عثمان[۱] بن ابی الصلت کے اتباع ہیں یا عثمان بن صلت بن صامت کے اور بقولے صلت بن صامت کے یا صلت بن ابی صامت کے اصحاب ہیں۔ یہ گروہ عقائد میں عجاردہ کے موافق ہے اور اس قول میں منفرد ہیں کہ جو اسلام لائیگا ہم اُسکے دوستدار ہیں لیکن اُسکے اطفال سے ہم بری ہیں اسلئے کہ اطفال کے لئے اسلام نہیں ہے جب تک کہ بالغ نہ ہوں بلوغ کے بعد اُنکو اسلام کیطرف دعوت کرنا چاہئیے۔ اور بعض صلتیہ سے یہ منقول ہے کہ اطفال خواہ مسلمانوں کے ہوں یا مشرکوں کے اُنکے ساتھ عمداً نہ دوستی ہے نہ دشمنی جب تک کہ بالغ نہ ہوں بلوغ کے بعد اُنکو دعوت اسلام کرنا چاہئیے۔

(ی) **ثعالبہ**۔ یہ ثعلبہ بن عامر کی طرف منسوب ہیں۔ یہ عبدالرحمن عجرد کے موافق تھے مگر اس باب میں مختلف ہوگئے کہ اطفال کے متولی و دوستدار رہنا چاہئیے جب تک کہ وہ بلوغ کو پہونچیں۔ پس اگر بعد بلوغ کے وہ انکار حق کریں تو ان سے عداوت رکھنا چاہئیے۔ اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اطفال سے نہ دوستی

---

[۱] دیکھو لغز لیقات و ارشاد المسلمین اور شرح مواقف کی یہ عبارت ہے الصلتیۃ هو عثمان ابن ابی الصلت وقیل الصلت ابن الصامت ۱۲ ؎ کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے صلتیہ عثمان بن صلت بن صامت کے۔ اور بقولے صلت بن صامت کے اصحاب ہیں ۱۲ ؎ ملل ونحل میں مرقوم ہے کہ صلتیہ متبع ہیں عثمان بن صلت یا صلت بن ابی صامت کے ۱۲

رکھنے کا حکم ہے نہ دشمنی جب تک کہ بالغ نہ ہوں۔ اور انکا ایک قول یہ ہے کہ غلام سے مال کی زکوٰۃ لینا چاہیے اور جب اُسکے پاس مال نہ ہو تو اسکو زکوٰۃ دینا ہی چاہیے۔

اور بوجہ اختلاف باہمی کے ثعالبہ کے چار فرقے ہو گئے ہیں اور ان میں ہر فرقے نے دوسرے کی تکفیر کی ہے۔

اخنسیہ۔ یہ اخنس بن قیس کے متبع ہیں اور عقائد میں ثعالبہ کے موافق ہیں مگر کئی ایک باتوں میں اُن سے خلاف کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ کوئی اگر ایسے شہر میں رہے جہاں بوجہ خوف کفار کے اپنے دین اسلام کو ظاہر نہ کر سکے تو وہ مومن نہیں بلکہ کفر و ایمان میں متوقف سمجھا جائے گا اور انکا قول یہ ہے کہ ہم متوقف ہیں اُن سب لوگوں سے جو دار تقیہ میں رہتے ہیں مگر جس کو ہم مومن پہچانیں گے اُسکو دوست رکھیں گے۔ اور جس سے کفر دیکھیں گے اُس سے بیزار ہوں گے۔ ہمکو جائز نہیں ہے کہ ہم کسی اپنے مخالف سے ابتدا بقتال کریں۔ اور اُسکا مال چرائیں۔ اور مومن عورت کا نکاح اُنکی ہمقوم مشرک کے ساتھہ انکے زعم میں جائز ہے۔

معبدیہ۔ یہ معبد بن عبدالرحمن کے اصحاب ہیں۔ ان کے نزدیک مومن عورت کا نکاح ہمقوم مشرک مرد کے ساتھہ ناجائز ہے۔ اور کہتے ہیں نہ غلام سے زکوٰۃ لینا چاہیے اور نہ اُسکو دینا چاہیے۔

رشیدیہ۔ رشید طوسی کے یار ہیں انکو عشریہ بھی کہتے ہیں اسلئے کہ ثعالبہ نے کہا کہ جس زراعت کو نہر اور گول وغیرہ سے پانی لگے تو اسکا حاصل نصف عشر یعنے بیسواں حصہ لینا چاہیے۔ گر زیاد بن عبدالرحمن نے اُن سے کہا نہیں بلکہ اُس میں عشر یعنے دسواں حصہ واجب ہے۔ مگر جو شخص یہ کہے کہ بیسواں حصہ لو تو اس سے بھی بیزاری ضروری نہیں۔ اُس پر رشید نے یہ کہا کہ جب یہ ٹھرا کہ ایسے شخص سے بیزاری ضروری نہیں تو ہم اُسی کے مطابق عمل کرینگے جیسا کہ اُنہوں نے کیا۔ بس اس کام میں دو فرقے بن گئے۔

شیبانیہ۔ یہ لوگ شیبان بن سلمہ کے متبع ہیں اس نے ایام ابو مسلم

خراسان میں خروج کیا تہا۔ ابو مسلم لوگوں کو حلقۂ اطاعت خلفائے عباسیہ میں لاتا تہا
یہ اُسکی اور علی بن کرمانی کی مدد اور معاونت بمقابلہ نصر بن سیار کے کرتا اسلئے ثعالبہ
اس سے بیزار ہوگئے تہے جب شیبان مارا گیا تو بعضے لوگ کہنے لگے کہ اُس
نے توبہ کر لی تہی ثعالبہ نے جواب دیا کیا اسکی توبہ نامقبول ہے اسلئے کہ اُس نے
ہمارے موافقین فی المذہب کو قتل کیا اور اُنکا مال و اسباب چھین لیا اور توبہ
قتل مسلمان کے بعد مقبول نہیں جب تک قصاص جاری نہ ہو۔ اور مال نہ پہیر آجائے
یا اس کو بخشدیا جائے سب سے پہلے اسی نے قول بہ تشبیہہ ظاہر کیا۔ اور اس کا
اعتقاد یہ ہے کہ بندے کو کچھ اختیار نہیں اُسکے سارے افعال اللہ تعالیٰ کی
مخلوق ہیں۔

مکرمیہ۔ یہ مکرم بن عبداللہ عجلی کی طرف منسوب ہیں اُسکا قول یہ تہا کہ تارک
نماز کافر ہے اُسکا کفر کچھ ترک نماز کے سبب سے نہیں ہے بلکہ اسلئے کہ وہ اللہ سے
جاہل ہے۔ اگر وہ جانتا کہ اللہ میرے پوشیدہ اور علانیہ حالات سے مطلع ہے۔ اور
اطاعت اسکی بہتر ہے اور نافرمانی بُری ہے تو وہ کبھی نماز کو ترک نہ کرتا یہی
قول اسکا تمام کبائر میں تہا یعنے مرتکب انکا اللہ سے جاہل ہونیکی وجہ سے کافر ہے
اور اللہ تعالیٰ کی دشمنی و دوستی اُسکے بندوں کے ساتھ وقت موت کے معتبر ہے
پس جو شخص مرتے وقت مومن مرا وہ اللہ کا دوست ہے اور جو کافر مرا وہ دشمن ہے
اور اُن اعمال کا اعتبار نہیں جو موت سے قبل کیے جائیں اسلئے کہ دوامی طور پر
اُنکا وثوق نہیں کیونکہ کبھی آدمی سے ادا ہوتے ہیں اور کبھی فوت بہی ہو جاتے
ہیں۔ کہتا تہا یہی حال ہماری دوستی و دشمنی کا ہے۔ پس جو شخص مرتے وقت مومن دنیا سے
سُدہرا وہ دوست ہے اور جو کافر اُٹھا وہ دشمن ہے۔

شبیبیہ یہ فرقہ منسوب ہے طرف شبیب خارجی بن یزید بن ابی نعیم کی اسکا خروج
ملک عراق میں خلافت عبدالملک بن مروان میں ہوا تہا اسکے پیروؤں کی
جماعت بڑہ گئی عراق میں اُسوقت حجاج بن یوسف ثقفی حکمران تہا۔ شبیب نے حجاج سے

بڑی بڑی لڑائیاں لڑی تھیں آخر کار شبیب کے ہمراہی پریشان ہوگئے اور وہ اپنی سواری کے گھوڑے کی پشت سے ایک پل پر پانی میں گر پڑا اور ڈوب گیا۔ یہ فرقہ فرقۂ مکلمیہ کے ساتھ عقائد میں موافق ہے لیکن اُن سے اسبات میں منفرد ہے کہ عورت کی امامت و خلافت کو جائز بتاتا تھا۔ اس شبیب نے اپنی ماں غزالہ نام کو اپنا خلیفہ کیا تھا۔ اُس نے کوفہ میں داخل ہوکر خطبہ پڑھا اور نماز صبح مسجد جامع میں جاکر ادا کی پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران پڑھی۔

فرقہ مرجیہ

مُرجیہ لفظ ارجا سے بنا ہے جو مشتق ہے رجا بمعنے امید سے اسلیئے کہ مرجیہ کو یہ امید ہے کہ اللہ گناہگاروں کو ثواب دے گا اسی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت ضرر نہیں کرتی ہے جسطرح کہ ہمراہ کفر کے کوئی طاعت نفع نہیں دیتی ہے۔ یا یہ لفظ مشتق ہے ارجا بمعنی تاخیر سے اسلیے کہ اُنہوں نے حکم اصحاب کبائر کو آخرت تک موخر رکھا ہے پس دنیا میں صاحب کبیرہ پر کوئی حکم نہیں ہو سکتا کہ دوزخی ہے یا جنتی ہے اس صورت میں مرجیہ وعیدیہ کی ضد ٹھہرتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ارجا بمعنے تاخیر سے مرجیہ اسلیے بنا ہے کہ وہ حضرت علی کی تاخیر درجۂ اول سے درجہ چہارم پر کرتے ہیں اس صورت میں مرجیہ شیعہ کے مقابل ٹھہرینگے پہلی صورت میں مرجیہ یائے تحتانی کے ساتھ ہوگا اور دوسری صورت میں ہمزہ کے ساتھ یعنے مرجئہ اور مرجیہ کی طرف نسبت کرکے کبھی مُرجی بغیر ہمزہ کے اور کبھی مُرجی ہمزہ کے ساتھ بروزن مرجعی کہتے ہیں حقیقت مرجیہ کی یہ ہے کہ انکو اثبات وعد اور نفی وعید و خوف میں مومنین سے غلو ہے اور سارے مرجیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ اگر کسی گناہگار کا کوئی گناہ معاف کردے تو پھر اسپر یہ لازم ہوگا کہ اُس قسم کے گناہ سارے گناہگاروں کے معاف کرے اور جس قسم کے گناہگار کو دوزخ سے نکالے تو اُسپر لازم ہوگا کہ اس قسم کے سارے گناہگاروں کو دوزخ سے نکالے اور مقاتل بن سلیمان مرجی کا یہ قول ہے کہ قیامت کے دن اللہ دوزخ کے اوپر ایک راستہ بچھائیگا اور مومن کہ ہنگا

کو اُس پر سے گذرنے کا حکم ہوگا پس اُنکو دوزخ کی آنچ اور حرارت بمقدار گناہ کے پہونچیگی اور اس الم میں اُنکا عذاب پورا کر لیا جائیگا پھر بہشت میں داخل کئے جائینگے اور یہ جو افتیار میں مذکور ہے کہ مرجیہ کا قول ہے کہ کوئی شخص اگرچہ نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑہے نہ غسل جنابت کرے اور کعبہ کو توڑ ڈالے اور اپنی ماں کے ساتھہ نکاح کر لے پھر بھی وہ جبریل و میکائیل کے ایمان پر ہے اور کبھی مرجیہ کی تفسیر اشعریہ کے ساتھ کیجاتی ہے۔ انتہیٰ۔ یہ سراسر تعصب ہے، سب سے پہلے جس نے یہ مذہب نکالا ابو محمد حسن بن محمد معروف بہ ابن حنفیہ بن حضرت علی بن ابی طالب ہیں اُنھوں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی۔ لیکن یہ عمل کو ایمان سے خارج نہ کرتے تھے جس طرح سے کہ اُور مرجیہ نے کہا ہے بلکہ یوں کہتے تھے کہ صاحب کبیرہ کافر نہیں ہوتا اسلیئے کہ ادائے طاعات اور ترک معاصی اصل ایمان سے نہیں ہیں انکے زوال سے ایمان زائل نہیں ہوتا ہے پھر بعد انکے مرجیہ کئی طرح پر ہوگئے۔

قسم اول مرجیہ خالص۔ یہ قائل صرف رجا کے ہیں اور یہ یونسیہ و عبیدیہ و غسانیہ و ثوبانیہ و تومنیہ و مریسیہ ہیں

قسم دوم مرجیہ قدریہ۔ یہ قسم جامع ہے درمیان مذہب مرجیہ و قدریہ کے ان لوگوں کے سرگروہ محمد بن شبیب اور صالحی اور خالدی اور ابو شمر ہیں۔ **قسم سوم مرجیہ جبریہ** یہ قسم جامع ہے درمیان مذہب مرجیہ و جبریہ کے جیسے جہم بن صفوان **قسم چہارم مرجیہ خوارج** یہ خوارج بھی ہیں اور مرجیہ بھی۔

اور ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ اول اضہار رجا کا بصرہ میں حسان بن بلال بن حارث مزنی ہے اور بعض نے یوں ذکر کیا ہے کہ واضع اول ارجاع کا ابو سلت سمان ہے اُس نے ۱۵۲ھ میں وفات پائی ہے منجملہ مرجیہ کے ایک جماعت ائمہ حدیث بھی گذری ہے جیسے سعید بن جبیر اور طلق بن حبیب اور زید بن جعفر اور محمد بن حسن اور عمر بن مرہ اور محارب بن زیاد اور عمر بن ذر اور حماد بن سلیمان اور مقاتل بن سلیمان لیکن یہ لوگ مخالف قدریہ و خوارج کے تھے اس بات میں کہ کبیرہ پر حکم کفر کا نہیں لگاتے تھے اور نہ مرتکب کبیرہ کو مخلد فی النار کہتے تھے نہ کسی صحابی سے تبرا کرتے تھے اور نہ کسی طرح کا اُن میں طعن کرتے تھے نہ بُرا کہتے تھے تفصیل مرجیہ خالص کے فرقوں کی یہ ہے۔

۱۔ **پہلا فرقہ یونسیہ** کہ یونس بن عمرو نمیری کے متبع ہیں اسکا یہ اعتقاد ہے کہ ایمان اللہ کا پہچاننا اور اُسکے سامنے عاجزی کرنا اور ترک گردن کشی اور اُسکی دوستی دل میں رکھنا ہے

اور ان میں سے علیحدہ ہر خصلت نہ ایمان ہے نہ ایمان کا حصہ پس جس شخص میں یہ تمام خصلتیں جمع ہوں وہ مومن ہے اور اسکو ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت ضرر نہیں کرتی نہ کسی گناہ پر اُسکو عذاب ہوگا اور نہ کسی طاعت کے ترک کرنے سے سزا پائیگا۔ کیونکہ سوائے شناخت آلہی کے اور طاعات ایمان کے قبیل سے نہیں ابلیس اللہ کی وحدانیت کو پہچانتا تھا مگر بوجہ تکبر اور سرکشی کے کافر ہوگیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین یعنے شیطان نے نہ مانا اور تکبر کیا اور وہ تھا کافروں سے۔ جس کے دل میں اللہ کی محبت اور خوف بیٹھ گیا اور اُسکے ساتھ دل سے دوستی رکھی اور عاجزی کری پھر اُس نے خدا کے حکم کی تعمیل نہ کی تو وہ اس سے گناہگار نہیں ہوتا اور اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اسکے اخلاص و یقین میں فرق نہیں آتا اور محبت و اخلاص کی وجہ سے جنت میں جائیگا نہ طاعت و ایمان کے سبب سے تنبیہ یہ شخص انس بن عبد الرحمن قمی رافضی سے غیر ہے۔

۲۔ عبیدیہ ہے یہ عبید المکذب کے اصحاب ہیں انکا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے صفات اُسکی ذات سے غیر ہیں اور وہ ذات مقدس آدمی کی صورت پر ہے۔ اور باقی عقاید میں یونسیہ کے ہم مشرب ہیں۔

۳۔ غسانیہ ہے۔ یہ غسان بن امان کوفی کے متبع ہیں یہ شخص محمد بن حسن شیبانی کا شاگرد تھا اور نبوت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا منکر تھا اسکا مذہب ایمان میں یہ تھا کہ ایمان نام ہے خدا اور رسول کے پہچاننے کا اور اجمالاً اُن چیزوں کے پہچاننے کا جو شارع سے پہونچی ہیں اور تفصیل کی ضرورت نہیں اور معرفت اجمالی سے مراد یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ نے حج فرض کیا ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کعبہ کہاں ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ مکہ میں نہ ہو اور کسی جگہ ہو اور اللہ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول بناکر بھیجا ہے مگر یہ یقین نہیں کہ جو محمد مدینہ میں تھے وہی محمد ہیں یا اُنکے سوا کوئی اور ہیں۔ اور سور کا گوشت اللہ نے حرام کیا ہے مگر یہ تحقیق نہیں کہ جس جانور کو عرف میں سور قرار دیکر حرام جانتے ہیں وہی ہے یا غیر ہے۔ واضح رہے کہ اس قول سے مراد غسان کی یہ ہے کہ یہ احکام حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہیں اور کچھ یہ نہیں ہے کہ اسکو ان چیزوں کے باب میں شک تھا بلکہ وہ جانتا ہے

کہ اگر مومن یہ سمجھہ لے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہی ہیں یا کوئی اور ہیں اور کعبہ یہی ہے یا کوئی اور ہے تو اُسکے ایمان میں فرق نہیں آسکتا کیونکہ ایمان کی حقیقت میں اُنکو دخل نہیں ہے انمیں شک کرنے سے اور انپر اعتماد نہ رکھنے سے ایمان باطل نہیں ہوتا اور غسان اپنے مذہب کے رواج دینے کے لئے یہ کہا کرتا تہا کہ یہ رائے امام ابو حنیفہ کی ہے۔ حالانکہ یہ محض افترا تہا بلکہ علمائے معتزلہ نے بہی امام ابو حنیفہ اور اُنکے تابعین کو مرجیہ کہا ہے اور وجہ اسکی شائد یہ ہوگی کہ جو لوگ معتزلہ کے مسئلہ قدر میں مخالفت کرتے تھے وہ انکو مرجیہ مشہور کر دیتے تھے یا امام صاحب نے جو فرمایا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق زیادہ ہوتی ہے نہ کم تو معتزلہ کو اس سے یہ خیال پیدا ہوگیا ہوگا کہ امام صاحب نے جو عمل کہ حقیقت ایمان سے خارج کر دیا ہے تو انکے نزدیک مغفرت کے لئے ایمان کافی ہے اُسکے ہوتے ہوئے کسی عمل مفروضہ کا ترک اور گناہ ضرر نہیں کرتا کیونکہ اعمال ایمان میں داخل نہیں۔ بلکہ زمخشری نے بوجہ تعصب مذہب اعتزال و قدر کے سارے اہلسنت کو کشاف میں مرجیہ و جبریہ کہدیا ہے اسلئے کہ وہ عمل کو حقیقت میں داخل نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ بندہ خالق افعال ہے اور یہ صاحب کشاف کی غلطی ہے اسلئے کہ اہلسنت وجماعت کہتے ہیں کہ ایمان عبارت ہے تصدیق اور اقرار سے اور عمل سبب ہے کمال ایمان کا نہ یہ کہ ایمان قول ہے بلا عمل۔ پس انکا مذہب توسط ہے جبر و قدر میں۔ دین خالص کے مولف کہتے ہیں کہ یہ قول بہی صحیح نہیں کہ سارے اہلسنت حقیقت ایمان میں عمل کو داخل نہیں کرتے اسلئے کہ حنابلہ و شافعیہ کل اسبات کے قائل ہیں کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال داخل ہیں اور یہی رائے بعضے حنفیہ کی بہی ہے اور اسی کو معتبر جانا ہے جیسا کہ مالابدمنہ میں مذکور ہے۔ ہاں مشہور یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اعمال ذات ایمان میں داخل نہیں مگر یہ ضعیف ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تفہیمات میں اسکی تاویل یوں کی ہے کہ امام صاحب مجتہد ہیں اور مجتہد خطا بہی کرتا ہے اور صواب بہی۔ اور خطا پر اُسکے لئے ایک اجر ہے جیسا کہ ثواب پر دو اجر ملتے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ غنیۃ الطالبین میں بہی جہاں تہتر فرقوں کا ذکر کیا ہے وہاں مرجیہ

کے بارہ فرقے شمار کیے ہیں انہیں حنفیہ کو بھی مرجیہ کہا ہے ان الفاظ کے ساتھ اما المرجیۃ ففرقہا اثنی عشرۃ فرقۃ الجہمیۃ وفلانۃ وفلانۃ والحنفیۃ واما الحنفیۃ فہم اصحاب ابی حنیفۃ النعمان ابن ثابت زعموا ان الایمان ہو المعرفۃ والاقرار باللہ ورسولہ وبما جاء من عندہ جملۃ مگر اسمیں علمائے محققین کو کلام ہے یہانتک کہ شیخ عبدالقطب عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ اس بات کے قائل ہیں کہ اس عبارت کو معاندین نے اپنی طرف سے غنیہ میں داخل کر دیا ہے بلکہ محققین کو تو اس میں بھی کلام ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے بہرصورت امام ابوحنیفہ اور اُنکے اصحاب کو مرجیہ کا ہم اعتقاد خیال کرنا درست نہیں اسلئے کہ ارجا تو یہ ہے کہ یہ سمجھیں کہ عذاب وعقاب اور رسوا خذہ کسی طرح نہ ہوگا اور ایمان کے ہوتے کوئی گناہ نقصان نہ پہونچا سکے گا سو یہ عقیدہ حنفیہ کا کب ہے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادے میں ہے جسے چاہے معاف کرے جسے چاہے عذاب دے اور گناہگار کے واسطے عذاب بھی ثابت کرتے ہیں اور اُسکے ضرر سے خائف رہتے ہیں ہاں لطف الٰہی پر انکی نظر بھی ہے اسلیئے جانب مغفرت وامیدواری کی رعایت رکھتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو بغیر توبہ کے تمام گناہ بخشدے اور فاسق کو دوزخ میں نہ ڈالے اس تقریر سے شہرستانی کی بھی غلطی ثابت ہوگئی کہ اُس نے ملل ونحل میں امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کو رجال مرجیہ میں شمار کیا ہے۔ ہاں اہلسنت کو اس وجہ سے مرجیہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ حضرت علی کے خلفائے ثلثہ سے تاخیر کرتے ہیں جیسا کہ اختیار وغیرہ کتب شیعہ میں آیا ہے اور غسان کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے لیکن کم نہیں ہوتا اور یہ کہتا تھا کہ ہر خصلت کا خصال ایمان میں سے بعض ایمان (یعنے حصہ وجزو ایمان) نام ہے۔

۴۔ ثوبانیہ ہے۔ یہ ثوبان کے متبع ہیں یہ پہلے مرجی تھا پر خارجی معتزلی ہوگیا اُسکا یہ قول تھا کہ ایمان عبارت ہے اللہ اور اُسکے رسولوں کے پہچاننے اور اُنکا اقرار کرنے اور اُن کاموں کے اعتقاد سے جنکا کرنا عقل کے نزدیک ناجائز ہے اور جنکا کرنا عقل کے نزدیک جائز ہے اُن کا اعتقاد کرنا ایمان نہیں گویا اُس نے ایمان کو واجب

بالعقل قبل ورود شرع کے ٹھہرایا تھا اس قول میں غسانیہ و یونسیہ سے علیحدہ تھا اور اعمال کو ایمان[1] میں داخل نہیں کرتا تھا اور مومنین کے عذاب دوزخ سے نجات پانے پر اس کو یقین نہ تھا۔

۵۔ **تومنیہ** ہے۔ یہ لوگ ابو معاذ تومنی فیلسوف کے متبع ہیں اسکا اعتقاد تھا کہ ایمان عبارت ہے تصدیق اور محبت اور اخلاص اور اس چیز کے اقرار سے جسکی پیغمبر خدا نے تبلیغ کی ہے اور ان سب کے یا بعض کے ترک کرنے سے کافر ہوتا ہے اور کہتا تھا کہ جس معصیت کے کفر ہونے پر اتفاق نہ ہو تو اس کے کرنے والے کو فاسق نہ کہنا چاہیئے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ گنہگار ہو گیا اور فسق کیا اور ترک نماز کا حلال جانکر کفر ہے اور قضا کی نیت سے ترک کرنا کفر نہیں فسق ہے اور یہ ساری خصال جنکو ایمان کہتے ہیں انمیں سے بعض خصلت نہ ایمان ہے نہ ایمان کا حصہ ہے کہتا تھا کہ کوئی نبی کو مار ڈالے یا اسکے تپانچہ مار دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے لیکن اسلئے کہ اس نے پیغمبر کو قتل کیا یا تپانچہ مارا بلکہ اسلئے کہ اس نے پیغمبر کی تکذیب کی اور ہتک کیا ہے اور اسکو دشمن سمجھا ہے۔

۶۔ **مریسیہ** ہے کہ بشر بن غیاث مریسی کی طرف منسوب ہیں۔ یہ شخص فقہ میں شاگرد قاضی ابو یوسف تلمیذ امام ابو حنیفہ کا تھا نفی صفات الٰہی اور خلق قرآن کا قایل تھا جیسا کہ عقیدہ معتزلہ کا ہے اس پر اہلسنت نے اسکی تکفیر کی ہے۔ اور اس کا اعتقاد یہ تھا کہ بندوں کے کام مخلوق خدا

---

[1] نواب صدیق حسن خان نے خبیئۃ الاکوان میں کہا ہے والایمان فعل مایجب فی العقل فعلہ۔ اور کشف الغمہ عن افتراق الامہ میں اسکا یوں ترجمہ کیا ہے۔ ایمان بجالانا اس کام کا ہے جسکا کرنا نزدیک عقل کے واجب ہے۔ اور شرح مواقف میں یوں لکھا ہے الایمان ھو المعرفۃ واللاقرار باللہ وبرسلہ وبکل مالایجوز فی العقل ان یفعلہ واما ما جاز فی العقل ان یفعلہ فلیس الاعتقاد بہ الایمان۔ غرض اس سے یہ ہے کہ نواب صاحب نے غلط فہمی کی ہے۔"

ہیں استطاعت[۵۱] فعل کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ عقیدہ اہلسنت کا ہے اسی لئے معتزلہ نے اسکو کافر ٹہرایا۔ دوسرا عقیدہ اُسکا یہ تہا کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی وا قرار زبانی دونوں کا اور کفر انکا کا نام ہے اور اسکے نزدیک سجدہ کرنا چاند سورج اور بت کو کفر نہیں لیکن کفر کی علامت ہے یہی مذہب ابن راوندی[۵۲] معتزلی کا ہے بشر کا ایک قول یہ بہی ہے کہ کسی پیغمبر کو قتل کر ڈالنے یا اُسکے طپانچہ مار دینے سے انسان کافر ہوجاتا ہے اور کفر کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے پیغمبر کی تکذیب کی اُس سے بغض رکھا نہ اسوجہ سے کہ اس کو قتل کیا یا طپانچہ مارا اور ابن راوندی کا بہی یہی عقیدہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب بشر سے مسئلہ خلق قرآن ونفی صفات الٰہی

---

۵۱ خبیۃ الاکوان میں کہا ہے۔ زعم ان افعال العباد مخلوقۃ للہ تعالیٰ ولا استطاعۃ مع الفعل۔ اور کشف ہنمہ میں ترجمہ کیا ہے اُسکا اعتقاد یہ تہا کہ افعال عباد مخلوق خدا ہیں استطاعت ساتھ فعل کے نہیں ہے انتہی۔ یہ صحیح

۵۲ یہ ابن راوندی اگرچہ معتزلی ہے مگر اسکے عقیدے میں بالکل الحاد بہرا ہوا تہا اسکا نام احمد بن یحیٰی بن اسحاق ہے اور عرف ابن راوندی تہا اس شخص نے کفر والحاد میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں منجملہ اُنکے کتاب زمردہ میں معارضہ قرآن کے بارے میں کہتا ہے کہ میں نے اکثم بن صیفی کے کلام میں وہ چیز دیکھی ہے جو انا اعطینا الکوثر سے بدرجہا عمدہ ہتی اور کہتا تہا کہ انبیا نے طلسمات کے ذریعہ سے دواعی خلق کو جذب کیا جیسا کہ مقناطیس لوہے کو جذب کرلیتا ہے اور ایک ایک کتاب نصاریٰ اور یہود کے لئے دین اسلام کے ساتھ مناقضہ کرنیکو بنادی ہتی اور یہود سے کہتا تہا کہ تم کہو کہ موسیٰ بن عمران کہہ گئے ہیں کہ میں خاتم الانبیا ہوں بعد میرے کوئی نبی نہ ہوگا اور اپنی ایک کتاب مسمّی بہ فرند میں کہتا ہے کہ مسلمان اپنے نبی کی نبوت پر قرآن کو حجت بتاتے ہیں جسکے ساتھ نبی نے تحدی کی ہتی اہل عرب سے جواب نہ ہوسکا مگر یہ مسلمانوں سے کہا جائے کہ اگر کوئی فلاسفہ قدم کی نبوت کا مدعی دعویٰ اور جیسا کہ تم حجت قرآن کو قرار دیتے ہو وہ بہی اُنکے کسی کام یا کتاب کو حجت بتا دے مثلاً کہے کہ اقلیدس کے صدق نبوت پر یہ دلیل ہے کہ اُس نے دعویٰ کیا کہ کوئی انسان میری کتاب کی طرح نہیں بنا سکتا ہے تو کیا اس سے نبوت اُسکی ثابت ہوسکتی ہے۔ ابن راوندی مذکور نے کہا ہے کہ قرآن میں ہے ان کید الشیطان کان ضعیفا۔ بیشک فریب شیطان کا بودا ہے۔ حالانکہ اُس نے ایسا مکر و فریب کیا کہ آدم کو جنت سے نکلوا دیا۔ اور اسکے ایسے بہت سے مقالات ہیں جن سے ہم نے اعراض کیا اور علما نے سب کا جواب دیا ہے۔ اور وجہ فساد و شک کی عمدہ طور پر بتائی ہے۔

میں مناظرہ کیا تو اس نے یہ بات کہی کہ تو آدھا کافر ہے اسلیئے کہ قایل خلق قرآن کا ہے اور صفات آلہی کی نفی کرتا ہے۔ اور آدھا مومن ہے اسلیئے کہ قایل قضا و قدر و خلق الکساعبادہا ہے بشر کا شمار معتزلہ میں ہے اسلیئے کہ صفات آلہی کا نافی ہے اور خلق قرآن کا قایل تھا مرجیہ غیر خالص

۱۔ غیلانیہ۔ یہ لوگ منسوب ہیں طرف مروان بن غیلان یا ابو مروان غیلان دمشقی کے اس گروہ میں تین خصلتیں جمع تھیں۔ ارجا۔ قدر۔ خروج۔ قدریہ ہونے کی وجہ سے کہتے تھے فاعل خیر و شر کا بندہ ہے اور خارجی ہونیکے سبب سے کہتے تھے کہ امام کا غیر قرشی ہونا بھی جایز ہے جو کوئی قرآن و حدیث کے موافق عمل کرے وہ قابل امامت ہے اور امامت اجماع امت سے ثابت ہوتی ہے انکو نزدیک ایمان نام ہے معرفت ثانی کا اور وہ اللہ تعالی کی معرفت (شناخت) اور اسکے ساتھ محبت رکھنا اور اللہ تعالی کے حضور میں عاجزی اور لاچاری کرنا اور اسبات کا اقرار ہے کہ رسول اللہ کی جانب سے ہے اور جو کچھ اللہ کی جانب سے وہ لایا ہے حق ہے۔ غیلانیہ کی اصطلاح میں اس تفصیل کا نام معرفت ثانی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ معرفت اول فطری ضروری ہے اور وہ جاننا اس بات کا ہے کہ کوئی عالم کا بنانے والا اور میری ذات کا پیدا کرنے والا ہے سو معرفت اول کو ایمان میں دخل نہیں معرفت ثانی کا نام ایمان ہے۔ اور غیلانیہ کے نزدیک سارے اعمال ایمان سے خارج ہیں

۲۔ شبیبیہ۔ یہ محمد بن شبیب مرجی قدری کے متبع ہیں یہ شخص ایمان کے مسلہ میں توبانیہ کا ہم عقیدہ تھا یعنے اُسکے نزدیک ایمان نام ہے معرفت و اقرار اللہ اور اُسکے رسولوں کا اور اُن چیزوں کا جنکا کرنا عند العقل ناجایز ہے اور جن چیزوں کا کرنا عقل کے نزدیک جایز ہے اُنکا اعتقاد ایمان نہیں اور کہتا تھا اعمال ایمان میں داخل نہیں اور سارے افعال اختیاریہ کا خالق بندے کو جانتا تھا۔

۳۔ ابو شمر مرجی قدری۔ کہتا ہے کہ ایمان عبارت ہے خدا تعالی کے پہچاننے اور اس سے محبت رکھنے اور اُسکے سامنے عاجزی کرنے اور اسبات کے اقرار کرنے سے کہ وہ یکتا ہے کوئی اُسکی مثل نہیں اور اُن چیزوں کو ایمان جب کہتے ہیں کہ انبیا اُنپر حجت اور دلیل لادیں اور جب وہ حجت اور دلیل لادیں تو انبیا کا اقرار اور انکی تصدیق بھی ایمان و معرفت سے ہے اور اقرار اُن احکام کا جو انبیا اللہ کے پاس سے لائے ہیں ایمان میں داخل نہیں اور ایمان کی ہر خصلت نہ پورا ایمان ہے نہ ایمان کا حصہ بلکہ جب ساری خصلتیں جمع ہوجاتی ہیں تو وہ مجموعہ ایمان ہوتا ہے

اور خصلتلے ایمان کے لئے عدل کی شناخت ضروری ہے اور شناخت عدل سے مراد قدر ہے یعنے اسباب کا اقرار کرنا کہ تمام خیر و شر کا بندہ آپ خالق ہے نہ خدا تعالےٰ۔ اور یہ شخص اعمال کو ایمان میں داخل نہیں کرتا تہا۔ اور فضل رقاشی اور محمد بن محمد التیمی اور محمد بن زیاد کوفی اور صالح بن عمرو بن صالحی بہی فرقہ مرجیہ کے اعیان میں سے ہیں۔

فرقہ نجاریہ

یہ فرقہ حسین[1] بن محمد بن عبداللہ نجار کی طرف منسوب ہے۔ عبداللہ کا باپ جلاہہ تہا اور بعضوں نے کہا ہے کہ ترازو بناتا تہا۔ قم کا رہنے والا تہا اسکے مناظرت نظام کے ساتہہ رہتے تہے ایک بار مناظرہ میں جب کچہ حجت نہ لاسکا تو نظام نے اسکو دہتکار کر کہا اُٹھ چار سو اکرے تجکو اللہ تجہکو کون عالم اور ذی فہم جانتا ہے وہ وہاں سے نجار میں مبتلا ہوکر اُٹہا۔ بیمار پڑکر مرگیا۔ اور اسکے متبع اس اعتقا میں کہ خالق افعال اللہ ہے اور بندہ کاسب ہے، اور استطاعت فعل کے ہمراہ ہوتی ہے اور مسئلہ قضا و قدر اور وعد و وعید اور امامت حضرت ابوبکر رضی میں موافق اہلسنت کے ہیں اور نفی صفات آلہی یعنے علم و قدرت و ارادہ و سمع و بصر و حیات اور خلق قران یعنے حدوث کلام آلہی اور انکار رویت حق تعالی میں ساتہہ نظر کے موافق معتزلہ کے ہیں۔ نجار کہتا تہا کہ اللہ آخرت میں بندوں کے دلوں میں ایک قوت پیدا کردیگا جس سے اُسکو پہچان لیں گے۔ پہر وہ قدرت دونوں آنکھوں کی طرف منتقل ہوجائے گی جسکی وجہ سے آنکھوں کو بہی شناسائی اللہ کی حاصل ہوجائے گی۔ اسی شناسائی کا نام رویت ہے اور اللہ ارادہ کرنے والا خاص اپنے نفس کے ساتہ ہے اور اپنے جاننے والا بہی خاص اپنے نفس کے ساتہہ ہے اور اللہ ہی نفع و ضرر اور خیر و شر کا ارادہ کرتا ہے اور اسکے صاحب ارادہ ہونیکے یہ معنے ہیں کہ وہ کسی کا مغلوب و مطیع نہیں ہے اُسکو مجبور کرکے اپنی خواہش

[1] النجاریۃ اصحاب محمد بن حسین النجاریہ الفاظ شرح مواقف و تعریفات کے ہیں۔ اور ملل و نحل شہرستانی میں یوں ہے النجاریۃ اصحاب حسین بن محمد نجار اور غنیۃ الاکوان میں یوں ہے النجاریۃ اتباع الحسین بن محمد بن عبداللہ النجار ۱۲

پوری نہیں کرسکتے اور قدرت حادثہ کے لئے بھی تاثیر ثابت کرتا ہے اور اسکا نام کسب رکھا ہے جیسا کہ اہلسنت کا مذہب ہے اور اسکا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کی ذات ہر مکان میں موجود ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ اسکا علم یا قدرت ہر مکان میں موجود ہے اور کہتا تھا کہ اللہ کا پہچاننا عقلاً واجب ہے کچھ شرع پر موقوف نہیں اور کہتا تہا کہ مرتکب کبیرہ بقدر اپنے گناہ کے دوزخ میں عذاب پاکر اس سے نکلیگا ہمیشہ دوزخ میں کفار کی طرح رہنا عدل کے خلاف ہے اور سارے بخاریہ اللہ کے لئے ایک ارادہ ثابت کرتے ہیں جو کچھ پیدا ہوتا ہے اُنکی خیر و شر اور ایمان و کفر اور طاعت و عصیان کا اسی کے ذریعہ سے ارادہ کرتا ہے اور عامہ معتزلہ کی رائے اسکے خلاف ہے اور قبر کے عذاب و ثواب اور سوال منکر و نکیر کے منکر ہیں اکثر معتزلہ رَیّ اور اطراف رَیّ کے بھی بخاریہ ہیں اور بخاریہ تین فرقے ہیں۔

۱۔ **برغوثیہ**۔ یاران محمد بن عیسی الملقب بہ برغوث۔ انکا اعتقاد یہ ہے کہ کلام آلہی جب تک پڑہا جاوے تو عرض ہے اور جس وقت کسی شئے کے ساتھ لکہا جاوے تو وہ جوہر ہے۔

۲۔ **زعفرانیہ**۔ عین مہملہ و فا کے ساتھہ۔ انکا یہ اعتقاد ہے کہ کلام آلہی غیر ہے ذات آلہی سے اور جو چیز ذات آلہی سے غیر ہے وہ مخلوق ہے پس کلام آلہی بھی مخلوق ہے اور جو یہ کہے کہ مخلوق نہیں وہ کافر ہے۔

۳۔ **مستدرکہ**۔ ان کا قول یہ ہے کہ کلام آلہی مخلوق ہے مطلقاً مگر ہم متابعت سنت و اجماع کی وجہ سے کہتے ہیں کہ مخلوق نہیں ہے یعنے اس وجہ سے کہ سنت سے ثابت ہوا ہے اور اجماع اسپر ہو چکا ہے کہ کلام آلہی مخلوق نہیں ہے ہم کو بھی اسکا قائل ہونا پڑا ہے کہ وہ مخلوق نہیں ہے۔ مگر رائے اُنکی یہ ہے کہ کلام آلہی کے غیر مخلوق ہونے سے مراد یہ ہے کہ اُسکی یہ جو ترتیب اور عبارت ہے حروف اور اصوات مخصوص کے ساتھہ یہ مخلوق نہیں جو مخلوق ہے اسکی ترتیب اور عبارت اسکے خلاف ہے جسپر یہ ترتیب خاص دلالت کررہی ہے اور اُس محکی عنہ کی یہ حکایت ہے اور اس تاویل کے ساتھہ انہوں نے کلام آلہی کی نسبت مخلوق اور غیر مخلوق ہونیکے تعارض اقوال کو دفعہ کیا ہے اور زعم یہ ہے کہ جو کوئی دین میں ہمارا مخالف ہے اُسکی ساری باتیں غلط ہیں یہانتک کہ اسکا لا آلہ الا اللہ کہنا بھی کذب ہے۔

فرقہ جبریہ

جبریہ بفتح بائے موحدہ قدریہ کی مناسبت سے استعمال کر لیتے ہیں ورنہ دراصل اُسمیں بائے موحدہ ساکن ہے کیونکہ جبر کیطرف منسوب ہے۔ انکو مجبرہ بھی کہتے ہیں رسالہ جبر و اختیار میں ملا باسو جایسی نے لکھا ہے کہ بندہ بعضے افعال اختیاریہ کا مختار ہے اور معنے اس قول کے یہ ہیں کہ افعال اختیاریہ کی اُسکی طرف نسبت کرنا ایسا ہے جیسے مرتعش کی طرف حرکت ارتعاشی کا منسوب کرنا کہ جب مرض رعشہ پایا جاتا ہے جو بندے کے اختیار میں نہیں ہے تو بطریق وجوب کے اُس سے حرکت ارتعاشی صادر ہوتی ہے اسی طرح جب وہ امور پائے جاتے ہیں جو بندے کے اختیار میں نہیں ہوتے تو بطریق وجوب کے اُس سے حرکت اختیاری سرزد ہوتی ہے۔ جیسے کاغذ میں حروف لکھے ہوتے ہیں تو اس کو ان حرفوں کے حاصل کر لینے کا اختیار نہیں ہوتا بجز اسکے کہ وہ کاغذ ان حرفوں کا محل ہوتا ہے غرض کہ معنے اس قول کے بندے کو بعضے فعلوں کا اختیار بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب تین یا چار باتیں پائی جاتی ہیں تو فعل ضرور پایا جاتا ہے (۱) قدرت جسکی وجہ سے فعل کے اقدام پر جرأت ہوتی ہے (۲) اسبات کا تصور یا اعتقاد کہ یہ فعل اچھا ہے ہو بھی جائیگا کوئی حارج موجود نہیں ہے (۳) شوق جو اس تصور یا اعتقاد کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے (۴) ارادہ بعضے کہتے ہیں کہ شوق موکد کا نام ارادہ ہے اور بعضوں کے نزدیک دونوں میں فرق ہے پس ایسا اختیار ثابت کرنا ضروری ہے اسی کے اشاعرہ معتقد ہیں بلکہ ماتریدیہ جو اختیار ثابت کرتے ہیں اُسکو بھی اسی معنے پر حمل کیا جائے جیسا کہ بعض مواضع سے سمجھا جاتا ہے تو اس صورت میں اشاعرہ و ماتریدیہ کے مطلب میں خلاف نہ رہیگا مگر جبریہ ایسے اختیار کے بھی منکر ہیں انکے غلاۃ کا قول ہے کہ بندے میں استطاعت قبل اور بعد اور ہمراہ فعل کے نہیں اور نہ اُسے اپنے کاموں میں کسی طرح کا اختیار حاصل ہے اور نہ کاموں میں اُسکے کسب کو دخل ہے وہ مجبور محض ہے اسکے کاموں کو اسکی ذات کیطرف نسبت کرنا ایسا ہے جیسے جمادات کی طرف کسی کام کی نسبت کیجاتی ہے مثلاً کہتے ہیں چکی چلتی ہے پرنالہ بہتا ہے نہر جاری ہے

اس بیان سے جبریہ اور اہلسنت کا فرق ظاہر ہوگیا ہے۔ اہلسنت کا مذہب جبر و تفویض میں متوسط ہے کیونکہ انکے نزدیک بندوں کے افعال اختیاریہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ کاسب ہیں مگر اُنکے کسب و عمل کو فعل کے پیدا کرنے میں کوئی اثر نہیں حرکات جمادات اور حرکات غیر اختیاری شلاً حرکت مرتعش اور افعال اختیاری مثلاً چلنے پھرنے میں بڑا فرق ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بندے کے افعال مطلقاً اُسکے اختیار و قدرت میں نہیں ہیں اسلئے جبر و اختیار دونوں کو جمع کر کے عقیدہ امر متوسط پر رکھا کسی کا قول ہے مختار فی فعلہ و مجبور فی اختیارہ یعنے اپنے فعل میں اختیار ہے اور اپنے اختیار میں مجبور ہے اسکو دوسری عبارت میں یوں کہہ سکتے ہیں اختیار بالصورت و جبر بالمعنے یعنے ظاہر میں اختیار ہے اور حقیقت میں مجبوری ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے امام ابوعبداللہ جعفر صادق سے پوچھا کہ اے ابن رسول اللہ کیا حق تعالیٰ نے سپرد کیا ہے کام پیدا کرنے افعال کا بندوں کو۔ امام ممدوح نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ بزرگ تر ہے اس سے کہ سپرد کرے ربوبیت بندوں کو پھر میں نے کہا کیا جبر کرتا ہے بندوں پر اور پر اُسکے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ عادل تر ہے اس سے کہ جبر کرے بندوں پر اور پر اُسکے پھر میں نے کہا کہ حقیقت حال کیونکر ہے فرمایا امر بین امرین لاجبر ولا تفویض ولا کرہ ولا تسلیط یعنے نہ مجبوری ہے نہ سپردگی نہ زور نہ زبردستی اور یہ حکایت محمد بن یعقوب کلینی نے بھی روایت کی ہے اور کافی میں پچھلے الفاظ اس روایت کے اس طرح ہیں لاجبر ولا تفویض ولکن امر بین امرین اور یہ جو شیعہ تاویل کرتے ہیں کہ امر بین امرین سے مراد خلق قوت و قدرت اور تمکین فعل پر ہے نہ دخل ایجاد فعل میں سو یہ درست نہیں اسلئے کہ سائل کے سوال کا منشا یہ نہ تھا جسکا ایسا جواب دیا جاتا۔ اُنکا سوال خلق قوت و قدرت فعل کی نسبت کب تھا جو امام موصوف کے جواب کی یوں توجیہ کیجائے۔ کوئی عاقل ایسا سوال نہیں کرے گا جو بدیہی البطلان ہے۔ اگر بحث و نزاع ہے تو خلق فعل میں ہے۔ بیان بالا سے ظاہر ہے کہ حقیقت کار امر متوسط ہے درمیان جبر و تفویض کے اور جبریہ خالص کہتے ہیں کہ بندے کے لئے قدرت بالکل ثابت نہیں

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مالابد منہ میں لکھتے ہیں کہ اسقدر فرق بیچ افعال اختیاریہ بندوں کے اور حرکت جمادات کے متحقق ہے کہ حق تعالی نے بندوں کو صورت قدرت و ارادہ کی دی ہے کیونکہ ہر ایک جانتا ہے کہ اپنے اُٹھنے بیٹھنے میں بندے کو فی الجملہ اختیار ہے بخلاف حرکت رعشہ اور رلکنت زبان کے بندہ کتنا ہی چاہے کہ اپنے ہاتھ کو حرکت رعشہ سے روکے نہیں رُک سکتا۔ اور ہکلا چاہتا ہے کہ بات پوری بدوں لکنت کے زبان سے نکالے۔ لیکن نہیں نکال سکتا اور اللہ تعالی کی عادت جاری ہے کہ جب بندہ قصد کسی کام کا کرتا ہے تو حق تعالی اُسکے ارادے کے بعد اُس کام کو پیدا کر دیتا ہے اور اسی صورت و ارادہ قدرت کے سبب سے بندے کو کاسب یعنے کام کرنیوالا کہتے ہیں اور مدح و ذم اور ثواب عذاب اس پر مترتب ہے نہ حقیقت ارادہ و قدرت پر اور حرکت جماد و حرکت حیوان میں فرق نہ تسلیم کرنا بداہت عقل کے خلاف ہے اسلئے کہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ جب ارادہ کسی کام کا کرتا ہوں تو وہ فعل صادر ہوتا ہے البتہ کوئی مانع پایا جاتا ہے تو وہ فعل صادر نہیں ہو سکتا۔ اور شرع کے بھی خلاف ہے اسلئے کہ انکار اللہ کی اُس قدرت کا ہے جو حیوان میں رکھی ہے۔ شرح مواقف میں لکھا ہے کہ نجاریہ اور ضراریہ بھی جبریہ متوسط میں سے ہیں۔ اور شہرستانی نے انکو جبریہ کے تلے لکھا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مجبرہ کے کئی گروہ ہیں۔

اول جہمیہ۔ یہ فرقہ خالص جبریہ ہے اور متبع ہے جہم بن صفوان ترمذی کا جو راسب کا آزاد کیا ہوا غلام تھا۔ ابن ابی حاتم کی کتاب میں مذکور ہے کہ جہم کوفے کا رہنے والا تھا اور فصیح بھی تھا مگر کم علم تھا اور ابن خزیمہ بھی کہتے ہیں کہ جہم کوفی الاصل تھا اور ترمذ میں گھاٹ پر رہتا تھا۔ مرد فصیح تھا مگر اعلی درجہ کا عالم نہ تھا۔ اس نے اظہار بدعت جبر کا ترمذ میں کیا کہتا تھا سوائے اللہ کے کوئی فاعل نہیں مجازاً بندے کو فاعل کہدیتے ہیں بندے کو نہ قدرت موثرہ حاصل ہے نہ کاسب بلکہ وہ جمادات کی طرح ہے جو کچھ اُس سے صادر ہوتا ہے وہ اسطرح صادر ہوتا ہے جیسے جمادات سے۔ یہ فتنہ بھی بہت بڑا تھا اُس نے اہل اسلام پر بہت سے شکوک ڈالے۔ جسکا اثر ملت اسلامیہ پر بری طرح ہوا۔ اور ایک بڑی بلا اُس سے پیدا ہو گئی اور اسکے بہت سے پیرو ہو گئے اہل اسلام نے اُسکے اقوال کی بہت کچھ تردید

کی اور جہمیہ کے پاس جو کوئی نشست و برخاست کرتا تہا اسکی مذمت کرنے لگے مانند فلاسفہ کے اُسکے اقوال کا انجام بہی تعطیل تہا ساری صفات الٰہی کا نافی تہا کہتا تہا اللہ کا وصف کرنا ساتہہ اُس صفت کے جسکے ساتہہ مخلوق موصوف ہوتی ہے جایز نہیں پس اللہ کے لیئے کوئی صفت مثلاً عالم یا حی یا مرید وغیرہ ہونیکی اُسکے نزدیک ثابت نہ تہی اور منکر استوی علے العرش کا تہا۔ (اور کہتا تہا انسان کو کسی شے پر قدرت حاصل نہیں ہے اور نہ وہ متصف بقدرت و استطاعت ہے بندے کی طرف مجازاً فعل منسوب کردیتے ہیں حقیقت میں اسکو قدرت حاصل نہیں اللہ ہی سب کا فاعل ہے اور قبر کے عذاب و ثواب اور سوال منکر و نکیر اور پلصراط اور ملک الموت کا منکر تہا) اور اسکا قول یہ تہا کہ جنت و دوزخ جنتی اور دوزخیوں کے اُنمیں داخل ہونیکے بعد فنا ہوجاینگے اور سوائے ذات باری کے کچہہ باقی نہ رہیگا۔ اور جس نے اللہ کو پہچان لیا اور ناطق بایمان نہ ہوا تو وہ کافر نہیں ہوتا ہے اسلیئے کہ علم خاموشی سے زوال نہیں پاتا ہے اور کہتا تہا کہ جہاں ایمان ہوتا ہے وہاں کوئی گناہ نقصان نہیں پہونچا سکتا مرد مومن امین ہے گناہوں کی سزا سے۔ معتزلہ نے بابت نفی استطاعت کے اسکی تکفیر کی ہے اور اہلسنت نے بابت نفی صفات و خلق قرآن و نفی دیدار الٰہی کے یہ اس بات میں منفرد تہا کہ سلطان ظالم پر خروج کرنا جائز ہے اور اسکا مذہب یہ ہے کہ سب علوم خواہ تصوری ہوں یا تصدیقی نظری ہیں اور اسکا قول ہے کہ ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت (شناخت) کا اور بعضے جہمیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اور جو کچہہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے لائے ہیں ان دونوں باتوں کی معرفت کا نام ایمان ہے۔ اور جہم کہتا تہا کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے لیکن نہ ایسی صفت سے جسکے ساتہہ غیر اللہ موصوف ہوتا ہے اسی طرح کہتا تہا کہ کلام الٰہی بہی حادث ہے اور اللہ اُسکا متکلم نہ سمجہنا چاہیے۔ حافظ نے فتح میں کہا ہے کہ جہمیہ کی مذمت جو اہلسنت نے کی ہے تو وہ صرف مذہب جبری کی وجہ سے نہیں بلکہ سلف نے اُسکی مذمت پر اسلیئے بہی اتفاق کیا ہے کہ صفات الٰہی کے منکر ہیں یہانتک کہ کہتے ہیں قرآن اللہ کا کلام نہیں اور وہ مخلوق ہے۔ استاد ابو منصور عبد القاہر بن طاہر تمیمی نے کتاب الفرق بین الفرق میں کہا ہے کہ رئیس مبتدعہ کے چار ہیں

اُن میں سے ایک جہم ہے جو اللہ کے اوصاف کا منکر تہا بندے کو مجبور محض بتاتا تہا اور کہتا تہا کہ اللہ کا علم حادث ہے اور کلام آلٰہی بھی حادث ہے اور اللہ کو متکلم کہنا نہ چاہیئے امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ جہم نے یہاں تک مبالغہ نفی تشبیہہ میں کیا کہ کہنے لگا کہ اللہ تعالےٰ کچھ چیز نہیں۔ ابن ابی حاتم نے کتاب الرد علے الجہمیہ میں خلف بن سلیمان بلخی سے اور ابن خزیمہ نے توحید میں ابو قدامہ سے روایت کی ہے کہ جب بعض لوگوں نے اُس سے دریافت کیا کہ جب خدا کی تم عبادت کرتے ہو اُسکا وصف اور حال بیان کرو تو اپنے مکان میں گہس گیا اور مدت تک نہ نکلا پھر نکلکر کہا کہ اللہ ہر چیز کے ساتھ ہے اور ہر چیز میں ہے اور اُس سے کوئی چیز خالی نہیں۔ بخاری نے عبدالعزیز بن ابی سلمہ کے طریق سے روایت کی ہے کہ جہم کا کلام ایک صفت بے معنے ہے اور ایسا کلام ہے جسکی بنیاد نہیں۔ اور عبداللہ بن شوذب سے نقل کیا ہے کہ جہم نے چالیس دن تک نماز بوجہ شک کے نہ پڑہی تہی۔ ابن ابی حاتم نے معتمر بن سلیمان کے ذریعہ سے حماد تفاوی سے روایت کی ہے کہ مسلم بن احوز مازنی کو جو خراسان میں تہا خبر پہونچی کہ جہم منکر ہے اس بات کا کہ اللہ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تو اُسے قتل کر ڈالا۔ اور ابو القاسم لالکائی کا قول کتاب السنۃ میں یہ ہے کہ جہم ۱۳۳ھ میں مارا گیا۔ اور طبری نے واقعات ۱۲۸ھ میں ذکر کیا ہے کہ ہشام ابن عبدالملک اموی کیطرف سے نصر بن سیار خراسان کا گورنر تہا۔ حارث بن سریج نے اُس پر چڑہائی کی اور یہ کہا کہ قرآن و حدیث پر عمل کرنا چاہیئے۔ جہم حارث کا میر منشی تہا۔ دونوں فریق میں صلح کے بارے میں بہت کچھ خط و کتابت ہوئی اور یہ قرار پایا کہ جہم اور مقاتل بن حیان جو کچھ فیصلہ کریں وہ منظور رہے اُنہوں نے یہ تجویز کیا کہ حکومت خراسان کے معاملہ میں مجلس شوریٰ ہونا چاہیئے جس سے اہل خراسان راضی ہوں وہی انکا حاکم مقرر ہو کہ اُن میں حکم عدل کے ساتھ کرے۔ مگر نصر نے اس تجویز کو نامنظور کیا اور مدت تک طرفین میں جنگ قایم رہی یہاں تک کہ بعد بہت سے کشت و خون کے حارث ۱۲۸ھ میں عہد خلافت مروان حمار میں کام آیا۔ جہم کی نسبت بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ بھی میدان جنگ میں مارا گیا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ پکڑا گیا اور نصر بن سیار نے سلم بن احوز مازنی کو حکم دیا کہ اسکی گردن ماردیں۔ جہم نے معانی

چاہی مگر سلم نے قتل کیے بغیر نہ چھوڑا۔ اور وہ مقام مرو میں قتل کیا گیا تہا۔ اور ابن ابی حاتم نے سعید بن رحمہ کے طریق سے روایت کی ہے کہ جہم سنہ ۱۳۰ھ میں مارا گیا اور ممکن ہے کہ حارث سے دو برس کے بعد جہم کا قتل واقع ہوا ہو۔ پس کرمانی نے جو یہ کہا ہے کہ جہم ہشام بن عبدالملک کے ایام خلافت میں مارا گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے شاید کرمانی کو سہو ہو گیا ہے کہ اسکا ذہن جعد بن درہم سے جہم کی طرف منتقل ہو گیا۔ جو ہشام کے عہد میں خالد قسری امیر عراق کے حکم سے مارا گیا کیونکہ یہ کہتا تہا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل نہیں بنایا اور نہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ اور بخاری نے کتاب خلق الافعال میں لکہا ہے کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ جہم نے جعد سے حاصل کیا تہا اور جہم کا واقعۂ قتل جعد کے واقعہ سے بہت بعد ہوا ہے کہ وہ عہد ہشام بن عبدالملک کا نہ تہا۔ شاید کرمانی کو یہ وہم ہو کہ اس روایت سے ہوا ہے جو ابن ابی حاتم نے صالح بن احمد بن حنبل کے طریق سے کی ہے اُنہوں نے کہا ہے کہ میں نے ہشام بن عبدالملک کے دفتر میں نصر بن سیار حاکم خراسان کے نام یہ حکم دیکہا ہے کہ تجہیر ایک آدمی نے جسکا نام جہم ہے شورش کر رکہی ہے اگر تو اُسپر فتحیاب ہو تو اُسے قتل کر ڈالنا۔ کرمانی نے اس سے یہ خیال کر لیا ہوگا کہ ہشام کے عہد میں جہم مارا گیا ہے حالانکہ اس حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہشام کے وقت میں مارا گیا اسلئے کہ جہم نصر سے لڑتا رہا ہو اور ہشام کے عہد میں نصر اُس پر کامیاب نہ ہوا ہو بعد انتقال ہشام کے جہم کو شکست دیکر اُسے قتل کیا ہو۔

دوم بکریہ۔ یہ بکر بن اخت عبدالواحد کے یار ہیں۔ یہ شخص نظام کے موافق تہا۔ اس عقیدے میں کہ انسان روح ہے اور بدن ایک آلہ ہے اور یہ بہی زعم کرتا تہا کہ اللہ قیامت کے دن دکہائی دیگا ایک صورت میں جس کو وہ پیدا کرے گا۔ لوگ باگ اُسی صورت سے بات چیت کرینگے۔ صاحب کبیرہ منافق ہے۔ دوزخ کے سب سے تلے طبقے میں ہوگا اُسکا حال کافر کے حال سے بہی بدتر ہے پیاز اور لہسن کے کہانے کو حرام بتاتا تہا وضو کو قرقرۂ شکم سے واجب کہتا تہا۔ اور حضرت ابوبکر کی خلافت پر نص ہونے کا قایل تہا۔

سوم ضراریہ۔ یہ ضرار بن عمرو کے اصحاب ہیں۔ یہ شخص متفرد تہا ساتہہ کئی مقالات کے۔ کہتا تہا اللہ کی رویت قیامت کے دن ایک اور حاسہ سے ہوگی جو ان حواس خمسہ سے زاید ہوگا۔

اور ابن مسعود اور ابی ابن کعب کی قرأت کا منکر تہا اور کہتا تہا کہ انکی قرأت کے مصحف وہ قرآن نہیں جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور دین عامہ مسلمین میں شک کرتا تہا اور کہتا تہا شاید یہ لوگ کفار ہیں جسم کو اعراض مجتمعہ بتاتا تہا جسطرح کہ قول نجاریہ کا بہی یہی ہے شہرستانی ملل ونحل میں کہتا ہے کہ فرد بہی مسئلہ تعطیل میں ضرار کے موافق ہے کیونکہ دونوں کا قول یہ ہے کہ باری تعالیٰ کو جو عالم اور قادر کہتے ہیں اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ جاہل و عاجز نہیں اور اُسکے واسطے ایسی ماہیت ثابت کرتے ہیں جس کو سوا اُسکے کوئی نہیں جانتا۔ اور کہتے ہیں کہ یہ قول امام ابوحنیفہ اور اُنکے اصحاب کی رائے کے مطابق ہے اُسکے تابعین نے اس قول کی یوں تاویل کی ہے کہ مراد ضرار کی اس قول سے کہ اللہ کے لئے ایک ماہیت ہے اُسکی ذات سے علحدہ یہ ہے کہ اللہ پر اُسکا نفس ظاہر ہے وہ اُسے بخوبی جانتا ہے کسی قسم کی دلیل اور خبر کی اُس کو ضرورت نہیں ہے اور ہم اسکو دلیل اور خبر سے جانتے ہیں اور بندہ کے کام اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں بندہ اُنکا کاسب ہے۔ اور جائز ہے کہ ایک فعل دو فاعلوں میں مشترک ہو اور اہل سنت کا یہ قول ہے کہ ایک چیز دو قدرت موثرہ کا مقدور نہیں بن سکتی بلکہ دو قوت کاسبہ بہی ایک مقدور سے متعلق نہیں ہو سکتیں۔ پس زید کو خالد کے کام پر قدرت حاصل نہ ہوگی اور ضرار کہتا تہا جائز ہے کہ اللہ اعراض کو اجسام سے بدل دے اور کہتا تہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف اجماع صحابہ کا حجت ہے پس احکام دین میں خبر احاد نامقبول ہے۔ کہتا تہا کہ اللہ کا پہچاننا عقلاً واجب نہیں جب تک رسول نہ آئیں اور حلال وحرام کو نہ بتائیں اُسکی معرفت واجب نہیں اُسکے نزدیک امامت غیر قرشی کی بہی جائز ہے بلکہ جب قرشی اور گنوار مسلمان جمع ہوں تو گنوار کو اس منصب کے لئے منتخب کرنا چاہئے کیونکہ اُسکے طرفدار کم ہونگے اور جب کوئی کام شرع کے خلاف کرے گا تو اسکا معزول کرنا آسان ہوگا اگرچہ معتزلہ بہی امامت غیر قرشی کی جائز کہتے ہیں مگر قرشی پر اُس کو تفوق نہیں دیتے۔ اور اسماعیل بطیخی اور ابو صباح بن معمر بہی فرقہ جبریہ کے عمائد میں سے ہیں۔

فرقۂ قدریہ

قدریہ بفتح دال اور کبھی سکون دال سے بھی استعمال کر لیتے ہیں کذا فی المرقاۃ اور یہ قدریہ منسوب ہیں قدر کی طرف کیونکہ وہ قضا و قدر الٰہی کے منکر ہیں کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا آپ خالق ہے قضا و قدر کو اسمیں دخل نہیں اور اپنے کاموں میں محتاج معاونت خدا کا نہیں ہے۔ قدریہ و جبریہ دونوں فرقے باہم ضد ہیں کیونکہ یہ بندے کو قادر و مختار کہتے ہیں اور جبریہ بالکل عاجز و مجبور بتاتے ہیں۔ پہلی بدعت جو زمانہ صحابہ میں نکلی وہ یہی مذہب قدر کا ہے۔ سب سے پہلے جس نے قول بقدر نکالا معبد بن خالد جہنی ہے جب بصرہ میں اُس نے اس مسئلہ میں گفتگو کرنا شروع کی تو بہت سے اہل بصرہ اُسکی راہ پہ چلنے لگے۔ معبد نے اس رائے بدعت انگیز کو ایک شخص اساورہ سے لیا تھا۔ اُسکا نام ابو یونس سنسویہ تھا اسکو اسواری کہتے تھے۔ جب یہ فتنہ بڑھا تو حجاج نے بحکم عبد الملک بن مروان ۸۰ھ ہجری میں اُسکو عذاب دے کر سولی پر چڑھایا یہ خبر جب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پہونچی اور اُنہوں نے بات چیت معبد جہنی کی سُنی تو قدریہ سے بیزاری ظاہر کی۔ ایک جماعت اس بدعت میں معتقد معبد کی ہو گئی تھی اور مبالغین قول بالقدر میں سے ابن سیار نظام اور ہشام بن عمرو غوطی اور اصم ہیں قاضی عطا بن یسار بھی معتقد قدر کے تھے وہ اور معبد دونوں حسن بصری کے پاس آتے جاتے اور کہتے کہ یہ لوگ خونریزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال اللہ کی تقدیر پر جاری ہیں حسن نے کہا یہ اعداء اللہ جھوٹے ہیں۔ اسطرح کی اور بہت کچھ طعن اُنپر کی غرض کہ سلف نے ذم قدریہ میں بہت کچھ کہا ہے اور اُن سے احتراز کرنے کو فرمایا ہے جس طرح کہ کتب حدیث میں معروف ہے۔ چنانچہ ابن عباس سے ترمذی نے حدیث غریب میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میری امت میں سے دو فرقے ہیں جنکے لئے اسلام میں سے کچھ حصہ نہیں ایک تو مرجیہ ہے اور دوسرا قدریہ۔ اور حضرت عمرؓ سے ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لا تجالسوا اھل القدر ولا تفاتحوھم۔ یعنے نہ ساتھ بیٹھو فرقہ قدریہ کے اور نہ مقدمہ

لیجاؤ اُنکے پاس اور بعضوں نے "لاتفاتحوہم" کے معنے یہ بہی کئے ہیں کہ ابتدار ساتھہ سلام و کلام کے اُن سے نہ کرو۔ اور بی بی عائیشہ سے بیہقی نے کتاب مدخل میں اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تہے کہ چھہ طرح کے شخصوں پر میں اور اللہ تعالیٰ اور جو مستجاب الدعوات ہیں وہ لعنت کرتے ہیں منجملہ اُنکے ایک وہ فرقہ ہے جو تقدیر الٰہی کو جہٹلاوے۔ اور ابن ماجہ نے بی بی عائیشہ سے روایت کی ہے کہ فرماتی تہیں میں نے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے یہ بات سنی ہے کہ جو شخص مسئلہ تقدیر میں کلام کرے گا اُس سے قیامت کے دن سوال ہوگا اور جو اس میں کلام نہیں کرے گا اُس سے سوال نہ ہوگا۔ اور ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک آدمی اُنکے پاس آیا اور کہا کہ فلاں شخص شامی نے آپ کو سلام کہا ہے۔ جواب دیا کہ مجہے خبر ملی ہے کہ وہ قدر کی تکذیب کرتا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو میری جانب سے تم اُسے جواب سلام نہ کہنا۔ اسلئے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تہے میری امت میں خسف اور مسخ یعنے زمین میں دہنس جانا اور صورت بدل جانا اُن لوگوں میں ہوگا جو قدرت کی تکذیب کرتے ہیں اِس حدیث کو ابوداؤد اور مسلم اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور جامع الاصول میں ابوداؤد سے اور مشکوٰۃ میں احمد اور ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ ان مرضوا فلا تعودوا وان ماتوا فلا تشھدوا یعنے قدری اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہوں تو عیادت کو مت جاؤ اور جو وہ مرجائیں تو اُنکے جنازے پر نماز مت پڑہو اور تعجب ہے اس بات کا کہ صاحب سفرالسعادۃ کہتے ہیں کہ درباب مرجیہ و قدریہ و جہمیہ و اشعریہ ہیچ حدیثے صحیح نشدہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ جنکا یہ اعتقاد ہے کہ تمام خیر و شر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور بندہ کو کوئی اختیار نہیں اُنکو قدریہ کہنا چاہیئے اسلئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے واسطے قدر ثابت کرتے ہیں اُنکو قدر کی طرف منسوب کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت اُنکے جو اسکی نفی اُس ذات پاک سے کرتے ہیں مگر یہ قول اُنکا نادرست ہے اسلئے کہ جس طرح ان لوگوں کو قدر کیطرف منسوب کرسکتے ہیں جو اللہ کے لئے قدر ثابت کرتے ہیں۔ ایسے ہی جو اُس سے قدر کی نفی مبالغہ کے ساتھہ کرتے ہیں اُنکو بہی قدری کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے لئے قدر

ثابت کرتے ہیں انکو قدری نہیں کہہ سکتے۔ اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ۔ قدری اس امت کے مجوس ہیں یعنی جسطرح مجوس[۵] دو خالق کے قایل ہیں خیر و شر کے دو خالق الگ الگ بتاتے ہیں۔

ـہ برہان قاطع میں لکھا ہے کہ مجوس قوم آتش پرست کو کہتے ہیں جو زردشت کے پیرو ہیں اور منتخب اللغات میں مذکور ہے کہ مجوس چاند سورج اور آگ کے پوجنے والوں کو کہتے ہیں اور انکو گبر بھی کہتے ہیں انجمن آرائے ناصری میں مرقوم ہے کہ یہ اپنے آپکو یزدانی اور بہ دین کہتے ہیں اور دبستان المذاہب کی چودھویں نظر کی تعلیم اول میں مذکور ہے کہ مجوس کے نزدیک جہان کے دو صانع ہیں۔ ایک یزدان دوسرا اہرمن۔ اہرمن کی پیدایش کا سبب یہ ہے کہ یزدان نے ایک بار خیال کیا کہ مبادا کوئی میرا ضد پیدا ہو جائے کہ وہ میرا دشمن ہو اس فکر کرنے سے اہرمن وجود میں آگیا اور بعضے کہتے ہیں کہ یزدان کو ایکبار وحشت اُٹھی اور بری فکر کی جس سے اہرمن پیدا ہو گیا اور بعضے کہتے ہیں کہ اہرمن جہان سے باہر تھا اس نے سوراخ میں سے جہان کا یزدان کو جاہ و مرتبہ کے ساتھ دیکھکر اُسے رشک آیا اور شر و فساد کرنے لگا۔ یزدان نے اُسکے دفعیہ کے لئے ملائکہ کو پیدا کیا اور اُن کے ذریعہ سے اہرمن سے جنگ کی مگر اہرمن مغلوب نہ ہو سکا تو اس شرط پر صلح ہو گئی کہ اہرمن کچھ عرصہ تک جہان میں رہکر چلا جائے۔ بس جب وہ چلا جاتا ہے تو عالم بالکل خیر و نیکی پر ہو جاتا ہے۔ ارجاسب حکیم نے کہا ہے کہ یہ بات رمز و اشارہ ہے اسکی تفصیل اسطرح ہے کہ جہان سے مراد بدن ہے اور یزدان سے روح اور اہرمن سے مقصود ہے طبیعت عنصری اور نفس کا میل کرنا امور مادی کی جانب اور اہرمن کے شر و فساد کرنے سے مراد یہ ہے کہ قوی کو روح پر غلبہ حاصل ہو گیا اور ملائکہ کے پیدا کرنے سے مراد قوی کو ریاضت کے ساتھ مسخر کر کے صفات حمیدہ کا پیدا کرنا ہے کیونکہ قوائے مسخرہ دل کا لشکر ہے اور صلح سے یہ مطلب ہے کہ اکرم سے صفات ذمیمہ زایل نہیں ہو سکتیں۔ یعنے افراط و تفریط چھوڑ دینا اور اعتدال اختیار کرنا چاہیے اور اہرمن کے مدت معین تک جہان میں رہنے سے مراد قوائے بدنی کا جسم پر تسلط کرنا ہے۔ چنانکہ صغرسنی میں اور بلوغ سے پہلے بلکہ بعضے ابدان میں تو ہمیشہ مسلط رہتے ہیں اور اہرمن کے جہان سے چلے جانے سے مراد مرنا ہے خواہ موت اختیاری کے ساتھ کہ وہ سلوک ہے یا موت اضطراری کے ساتھ کہ وہ موت

اسی طرح جو لوگ اللہ سے قدرت کی نفی کرتے ہیں وہ بھی اللہ کا شریک اس صفت میں گردانتے ہیں اسطرح کہ کہتے ہیں بندہ اپنے افعال کا آپ خالق ہے اور اسی طرح یہ جو آنحضرتؐ نے قدریہ کے

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۰۶

طبعی ہے اور صاحب انجمن آرائے ناصری نے لکہا ہے کہ اہرمن شیطان کو کہتے ہیں جو بدیوں کیطرف رہنما ہے بخلاف یزدان کے کہ وہ نیکیوں کیطرف رہنما ہے جیساکہ لغت عرب میں رحمان اور شیطان آیا ہے اور یزدان کو پارسی لوگ اسم ذات جانتے ہیں جیسے کہ اہل عرب اللہ کو اسم ذات کہتے ہیں ایک شاعر کا قول ہے

گر آں دو عارض رخشاں زفعل یزداں است ؎ زفعل اہرمن است آں دو زلف چوگاں زن -

بدین دلیل ہمی مانوی درست کند ؎ کہ خیر ہست زیزدان وشر زاہرمن ؎ اور مجوس کے بہت سے فرقے ہیں فی الحال انکا گروہ پارسی کے نام سے مشہور ہے۔ انکا نام لفظ پارسی سے جسے عربی میں فارسی کہتے ہیں نکلا ہے اور یہ انکے وطن کے ایک خاص صوبہ کا نام ہے یہ نام بعد میں تمام ملک کا مشہور ہوگیا۔ اسی وجہ سے یونانی ہیر اسکو پرسس اور انگریزی میں پرشیا کہتے ہیں خود فارس والے اپنے ملک کو ایران کہتے ہیں اور اپنے تئیں ایرانی بتلاتے ہیں ان الفاظ کی اصلیت وہی ہے جو سنسکرت لفظ آریہ کی اصل ہے اصل میں ایرانی اور پارسی اسیطرح آریہ قوم سے ہیں جیسے کہ برہمن علاوہ ازیں پارسی لوگ اُس مذہب کے پیرو ہیں جو اصل مذہب آریہ کی ایک شاخ ہے یہ مذہب باختریہ میں پیدا ہوا اور اسکو زیادہ تر خالص اصول پر زردشت نے بنایا جبکہ مذہب زردشت ایران میں پہیلا تو یہاں مذہب بیبیا سے کسی قدر مخلوط ہوگیا اور اصل مذہب سے مبدل ہوگیا۔ اور جبکہ آخر کار مسلمانوں کے سبب سے ایرانی بہاگ کر ہندوستان کو آئے تو یہاں ہندوستانی مذاہب کا اثر اُنکے مذہب پر پڑا اور اسکی صورت مبدل ہوگئی۔ ایران مقدس ملک پارسیوں کا ہے جیساکہ فلسطین مقدس ملک یہودیوں کا ہے لیکن پارسی ایسے کثیر التعداد نہیں ہیں جیسے کہ یہودی ہیں چند ہزار ہی اپنے اصلی وطن ایران میں موجود ہیں ہیں زیادہ تر یزد اور گرد و نواح کے دیہات میں ہیں باقیماندہ ہندوستان میں چلے آئے ہیں حالانکہ سابق میں یہ مذہب بہت پہیلا ہوا تہا۔ ایرانی قوم عموماً اسکی پابندی سے بت پرستی سے نفرت کرتے ہیں یعنی لکڑی پتہر وغیرہ کی پرستش نہیں کرتے۔ یہ خالق کے علاوہ آگ وغیرہ کی بھی پرستش کرتے ہیں انکی متبرک آگ جو انہوں نے ۱۶ ہجری میں ہیجان کے آتشکدہ میں کہ گجرات میں واقع ہے اور ڈاماں سے پچیس میل جنوب کیطرف ہے روشن کی تہی اور ارد کے آتشکدہ میں جو سورت سے بتیس میل جنوب میں ہے ابتک موجود ہے اور جسقدر اپنے مذہب کے پابند پارسی ہیں وہ سب اسکی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ ۱۲

حق میں فرمایا ہے ھم خصماء اللّٰہ فی القدر یعنے وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں قدریں۔ تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ صفت قدر اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ اُسکے دشمن نہیں بلکہ دوست ہیں دشمن وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ بندہ کے افعال پر اللہ قادر نہیں۔ اور جو بات اللہ کو بری معلوم ہوتی ہے اور اُسکے ارادے میں نہیں ہوتی اُسکے کرنے پر بھی بندہ قادر ہے۔ یہ کلام عام طور پر ہے اور محققین کی تحقیق یہ[۱] ہے کہ قدریہ کا منشا اس قول سے کہ بندہ خالق افعال ہے یہ نہیں ہے کہ وہ صفت خالقیت میں اللہ تعالیٰ کی شل ہے اور جو قدرت اللہ تعالیٰ کو اس صفت میں حاصل ہے ویسے ہی بندے کو بھی حاصل ہے۔ بلکہ وہ تو بندے کی خالقیت کو غیر مستقل جانتے ہیں اسلئے کہ یہ اپنے افعال کے پیدا کرنے میں اُن اسباب و آلات کا محتاج ہے جو باری تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں پس بندے کی اور خدا کی خالقیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قدریہ جو بندے کو خالق اُسکے افعال کا جانتے ہیں اُنکے مذہب پر بے گنتی خدا لازم آتے ہیں۔ اسی طرح جنہوں نے یہ کہا ہے کہ مجوس خالق شرور و قبائح کو سوائے ذات یزدان کے جانتے ہیں اور اُسے شریک الوہیت بناتے ہیں مگر ایک ہی شریک مانتے ہیں زیادہ کی شراکت کے قائل نہیں اور قدریہ ہر مور ضعیف اور سگ و گربہ کو خدا کا شریک خلق و ایجاد میں مانتے ہیں۔ یہ سراسر تعصب ہے۔ چونکہ ہمارے علمائے اہل سنت کو انکی رائے کے ابطال میں بہت کچھ اصرار تھا اسلئے بیانات میں بڑا مبالغہ کیا ہے اور انکی گمراہی کے اثبات میں دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہیں اور یہاں تک کہدیا ہے کہ قدریہ مجوس سے بھی بدتر ہیں کہ ہر بشر کو خالق اپنے افعال کا جانتے ہیں مجوس تو خدا کا ایک ہی شریک بتاتے ہیں اور یہ بے تعداد شرکا ثابت کرتے ہیں۔

پس قدریہ کو مشرک کہنا جائز نہیں اسلئے شرکت یا الوہیت میں ہوتی ہے یا عبادت میں۔ الوہیت میں خدا کا شریک مجوس ثابت کرتے ہیں اور عبادت میں بت پرست قدریہ بے چارے تو بندے کو خالق یا موجد یا مخترع غیر مستقل بتاتے ہیں مگر حدیث میں جو وارد ہے کہ قدری اس امت کے مجوس ہیں اسلئے بعضے علما کہتے ہیں کہ قدریہ کافر ہیں۔

---

[۱] دیکھو شرح عقاید نسفی مولفہ علامہ تفتازانی ۱۲

بعد اس اختلاف کے کہ کفر انکا تاویلی ہے یا ارتدادی مگر قول مختار یہ ہے کہ کافر نہیں بلکہ فاسق ہیں کیونکہ یہ بھی استدلال کرتے ہیں قرآن اور حدیث سے۔ ترجمہ مشکوٰۃ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے کفر کو اختیار نہیں کیا ہے اور نہ کفر سے راضی ہیں بلکہ انکی تاویل نے کفر سے بھگا دیا ہے اور انہوں نے قرآن و حدیث کے ساتھ استدلال کیا ہے اور کوشش کی ہے حق بات کی تلاش میں گو کہ خطا کی اور حق کو نہ پہونچے لزوم کفر اور التزام کفر میں بڑا فرق ہے احتیاط کا یہی مقتضا ہے کہ ان کو کافر نہ سمجھنا چاہئے اور جو کچھ انکے حق میں احادیث میں وارد ہے اور اس سے انکے کفر پر دلالت ہوتی ہے۔ یہ انکی گمراہی میں مبالغہ کر کے کہدیا گیا ہے اور مقصود زجر و توبیخ ہے بلکہ ان احادیث کی صحت میں بھی علما کو کلام ہے (انتہی)۔ پس جو علما انکو کافر سمجھتے ہیں وہ تو انکے حق میں رعایت حقوق اسلام سے منع ہی کرتے ہیں اور جو فاسق کہتے ہیں وہ جائز رکھتے ہیں اور اس حدیث کو حمل کرتے ہیں زجر و تغلیظ اور انکے اعتقاد کی برائی بیان کرنے پر۔ اور حق بھی یہی ہے کہ قدریہ کو جو مجوس کہا ہے سو مراد اس سے صرف تشبیہ ہے جسمیں یہ ضرور نہیں کہ مشبہ سب طرح کی مماثلت اور مشابہت میں مشبہ بہ کا مساوی ہو۔ اور تمام احکام میں دونوں شریک ہوں۔ بلکہ سالمی نے تمہید میں کہا ہے کہ اس حدیث کا مصداق قدریہ میں سے صرف وہ فرقہ ہے جسے ثمانیہ کہتے ہیں اور ابو جعفر احول کیطرف منسوب ہے جسکا ذکر امامیہ میں ہو چکا ہے۔

فرقہ مشبہ

ان کو صفات باری تعالیٰ کے ثابت کرنے میں غلو ہے دیدار الٰہی کے مقر ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسمیت ثابت کرتے ہیں اسی لئے مجسمیہ بھی کہلاتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ دیدار الٰہی کا مسئلہ معرکہ آرا ہے اہلسنت کے ساتھ تمام اہل اسلام کو اس معاملہ میں اختلاف ہے اگرچہ مجسمیہ اور کرامیہ کے مذہب کے مطابق رویت الٰہی جائز ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسمیت ثابت کرتے ہیں بخلاف اہل سنت کے۔ اور کلام اسمیں ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ نہ وہ جسم ہو اور نہ جزو جسم ہو اسکا دیکھنا اور سننا جائز ہے اور جو چیز نہ رنگین ہو اور نہ روشن ہو اسکا دیکھنا ممکن ہے اور جو چیز نہ حرف ہو نہ آواز اور اسکا سننا ممکن ہے جسے کلام نفسی کہا کرتے ہیں سو یہ مسائل ایسے

ہیں کہ تمام اہل اسلام اس باب میں اہلسنت سے مخالف ہیں مجسمہ معتزلہ کی ضد ہیں معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم اہل توحید ہیں اور توحید انکی یہ ہے کہ اللہ کے لئے صفات ثابت نہیں کرتے کیونکہ اثبات صفات میں اللہ تعالیٰ کی تشبیہ لازم آتی ہے اور جس نے اللہ کو اسکی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی وہ مشرک ہے اور وہ اس نفی صفات میں جہمیہ کے موافق ہیں۔ اور اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ تعطیل اور تشبیہ دونوں کی نفی کیجائے تعطیل اسے کہتے ہیں کہ اُس ذات مقدس کے لئے صفات کمال ثابت نہ کریں اور تشبیہ یہ ہے کہ اُسکے واسطے صفات کمال اس نہج پر ثابت کریں کہ مخلوق کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جائے اور مثال دونوں قسموں کی اس طرح ہے کہ جب کہیں کہ خدا عالم نہیں ہے یا عالم کا اطلاق خدا پر نہ کرنا چاہیئے یہ تعطیل ہوگی اسلئے کہ صفت علم سے کہ جو صفت کمال ہے اُسکو معطل اور معرّا کر دیا اور اگر یوں کہیں کہ جس طرح ہم عالم ہیں خدا بھی عالم ہے یہ تشبیہ ہے اسلئے کہ خدا کو صفت علم میں مخلوق سے مشابہ کر دیا اور اگر کہیں کہ خدا کو حاصل ہے اس طرح کہ ہمارے علم کو اُسکے علم سے کسی طرح مشابہت نہیں یہ صورت علم کے اثبات اور تشبیہ نفی کی ہے اسی طرح سمع اور بصر اور تمام صفات کو خیال کر لینا چاہیئے اور توضیح اسکی یہ ہے کہ ہم اشیا کو اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور اس دیکھنے میں ہم کو کمال حاصل ہوتا ہے مگر یہ کمال نقصان سے خالی نہیں اسلئے کہ ہمکو یہ کمال قوت باصرہ اور عضو مخصوص کی اعانت کے بدوں حاصل نہیں ہوتا۔ یہی بہت بڑا نقصان ہے کہ ہمارے عجز کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور خدا پاک ہے اس سے کہ کوئی عضو یا جزو رکھتا ہو یا کسی چیز کے ادراک میں اُسے کسی عضو کیطرف احتیاج پڑے اور نیز ہمارا علم عدم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور خدا اس سے منزہ ہے کہ اسکو علم جہل کے بعد حاصل ہوا ہو اور نیز ہمکو کسی شئے پر علم جب آتا ہے کہ اُسکا مفہوم خاطر نشین ہو جائے اور یہ بھی ہمارے نقصان کی وجہ ہے اور خدا محل حوادث ہونے سے منزہ ہے۔ اور نیز جو چیز جب غائب ہو جاتی ہے تو ہمارا علم بھی زائل ہو جاتا ہے اور اللہ میں علم کا زوال محال ہے۔ اور ہمارا علم علتوں کا معلول ہے اور خدا کے علم کے واسطے علت کی ضرورت نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ خدا کے لئے اشیا کا علم اس طرح ثابت کرنا چاہیئے جسمیں کمال پیدا ہو بعد نقصانات کے وجوہات جو ہمارے علم میں لازم ہیں انکی

نفی کرنا چاہیئے۔ شہرستانی نے ملل ونحل میں کہا ہے کہ مالک بن انس اور مقاتل بن سلیمان اور امام احمد حنبل اور داؤد بن علی بن محمد اصفہانی المعروف بہ داؤد ظاہری نے باوجودیکہ متشابہات کو اُنکے معانی ظاہری پر حمل کیا اور تاویل کی طرف متوجہ نہ ہوئے لیکن کہا ہمکو یقین ہے کہ اللہ کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے اور نہ کوئی چیز مخلوق میں سے اُسکے مشابہ ہو سکتی ہے اور تشبیہ سے احتراز کیا۔ اور بعض[1] نے کہا ہے کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم اور ابو داؤد ظاہری اور ابن حزم اور شوکانی یہ پانچوں بڑے بھاری مجسمہ ہیں اور اس ملت کے خلفا ہیں۔ اور ابو داؤد کا ظاہری نام اسلیئے مقرر ہوا ہے کہ یہ قرآن واحادیث کے ظاہر احکام پر عمل کرتے ہیں جو کچھ ظاہر میان سے سمجھا جاتا ہے اُسے مانتے ہیں تاویل کے بالکل منکر ہیں۔ داؤد شریعت میں قیاس کو نا جائز بتاتے تھے۔ جب قیاس کرنے کی طرف مضطر ہوئے اور اشد ضرورت اسکی پڑی تو اسکا نام دلیل رکھا انہوں کے بہت سے مسایل کا ائمہ اربعہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور ملل ونحل میں دوسری جگہ کہا ہے کہ سرخیل مثبتین صفات الٰہی میں سے مقاتل بن سلیمان ہیں اور پھر بعضے شیعہ اور کرامیہ نے بھی اُنکی اتباع کی اسلیئے کہ ان لوگوں نے یہانتک مبالغہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کو خلق کے مشابہ کر دیا یہ یاد رہے کہ بعضی آیات اور احادیث میں ایسے الفاظ ہیں جنکے ظاہری معانی اللہ تعالیٰ کی جسمیت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً الرحمن علی العرش استوی وُہ بڑے مرتبہ والا اوپر عرش کے قایم ہوا۔ وجاء ربک والملک صفا صفا یعنے جبکہ آویگا تیرا پروردگار اور آوینگے فرشتے صفوں کی صفیں ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی پھر نزدیک ہوا پس اُتر آیا پھر رہگیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک ید اللہ فوق ایدیھم یعنے اللہ کا ہاتھ اوپر ہے اُنکے ہاتھ کے ویبقی وجہ ربک یعنے باقی رہیگا منہ تیرے رب کا یوم یکشف عن ساق جس دن کھولی جاوے پنڈلی۔ اور ابو ہریرہؓ سے صحیح مسلم و بخاری میں آیا ہے فاما النار فلا تمتلی حتی یضع اللہ رجلہ یعنے دوزخ نہیں بھرینگے یہانتک کہ رکھیگا اللہ تعالیٰ اُس میں اپنا پاؤں۔ اور ابو ہریرہ سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے

---

[1] دیکھو نظم الفرائد حاشیہ شرح العقائد زیر شرح۔ ولا یجری علیہ زمان ۱۲

کہ آنحضرت نے فرمایا ہے لما قضی اللہ الخلق کتب کتابا فہو عندہ فوق عرشہ
جبکہ مقدر کیا اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنا مخلوقات کا لکھی کتاب پس وہ کتاب اللہ تعالیٰ کے
پاس اُسکے عرش پر ہے۔ اور ابوہریرہ سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے ینزل ربنا
تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا نزول فرماتا ہے رب ہمارا ہر رات میں طرف آسمان
دنیا کے اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت فرماتے ہیں
وعدنی ربی ان یدخل الجنۃ من امتی سبعین الفا لاحساب علیہم ولا عذاب مع
کل الف سبعون الفا وثلث حثیات من حثیات ربی وعدہ کیا ہے پروردگار میرے نے
کہ داخل کریگا بہشت میں میری امت سے ستر ہزار بلا حساب کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور تین
لپیں میرے رب کی لپوں سے ہونگی اور عبداللہ بن مسعود سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے
ان اللہ یمسک السموات یوم القیمۃ علی اصبع والارض علی اصبع الخ یعنے اللہ تعالیٰ
قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو دوسری انگلی پر اور عبداللہ بن
عمر سے مسلم نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ان قلوب بنی آدم بین اصبعین
من اصابع الرحمن تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں۔
اور مسلم نے روایت کی ہے یمین اللہ ملئی یعنے داہنا ہاتھ اللہ کا ہے پھرا ہوا۔

جواب اسکا یہ ہے کہ یہ کلام ظاہری اور ظنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جسمیت سے منزہ ہونا
یقینی ہے اور یقینیات کے مقابلہ میں ظنیات کا اعتبار نہیں اور یہ بھی مسلمات سے ہے
کہ جبکہ دو دلیلیں آپسمیں مخالف ہوں تو انپر اسطرح عمل کرنا چاہیئے کہ ظواہر کی تاویل کر دینا
چاہیئے اور اس تاویل کی دو صورتیں ہیں **ایک تاویل اجمالی**۔ وہ یہ ہے کہ اعتقاد کرے
کہ جو کچھ مراد ہے ان سے وہ حق ہے اور انکی کیفیت کے دریافت کے درپے نہ ہو اور تفصیل
انکی اللہ تعالیٰ کی تفویض کر دے۔ پس استویٰ یعنی تعالیٰ عرش پر اور اسی طرح ید و وجہ و ساق
و قدم و اصبع و حثیات وغیرہ کہ قرآن و حدیث اس پر ناطق ہیں۔ خبر متواتر اور اجماع سلف سے
ہمکو پہونچا کہ یہ الفاظ اپنے معانی ظاہری پر محمول ہیں مذہب اسلم یہی ہے اور سلف نے یہی اختیار
کیا ہے اور سارا عصر صحابہ اسی حالت پر گذرا تھا یہانتک کہ اکثر متکلمین متاخرین نے

دوسری تاویل تفصیلی کی راہ اختیار کی مثلاً مراد استوی سے استیلا اور ید سے
قدرت اور وجہ سے ذات ہے اور مراد قدم سے حدیث نار میں قدم بعض مخلوقات آلہی کا
ہے اور رب کے نزول فرمانے سے مراد یہ ہے کہ حکم اُسکا اور رحمت اُسکی یا ملائکہ اُسکے
اُترتے ہیں اور ضحیات یعنے ہنس یا ہنسیں کنایہ ہے کثرت اور مبالغہ سے اور اصبع
کنایہ ہے تصرف اور غلبہ قدرت اور عظمت آلہی سے اور اصلی معنے مراد نہیں۔ ذہبی نے
سیر النبلامیں قتیبہ اور علی ابن مدینی اور اسحاق بن راہویہ اور مزنی اور ابو حاتم رازی
وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ کہ اس قسم کے الفاظ کی تاویل نہیں کرتے تھے۔ ظاہری معانی پر ہی
حمل کرتے تھے۔ اور یہی ذہبی نے کتاب العرش میں اسی قسم کے اقوال کہ جن سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ حق جل شانہٗ فوق العرش ہے۔ بلا کیف صدہا صحابہ اور تابعین اور فقہا اور محدثین
سے نقل کئے ہیں اور احادیث نبویہ جو فوقیت رب پر دال ہیں وہ بھی ذکر کی ہیں۔ اور ملا علی قاری
کی شرح قصیدہ یدء الامالی اور ابن ہمام حنفی مولف فتح القدیر کی مسایرہ اور عبد العزیز
بخاری حنفی کی کتاب کشف الاسرار شرح اصول بزدوی اور ابو شکور حنفی کی تمہید کی عبارات
سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب صحابہ وغیر صحابہ و ائمہ وغیر ائمہ و حنفیہ وغیر حنفیہ سب کا یہ ہے
کہ حق جل شانہ کی فوقیت عرش پر وید و وجہ وغیرہ صفات بلا کیف ہیں اور تاویل کرنا ان
سب کی صحیح نہیں۔ منشا تاویل کا صرف اسی قدر ہے کہ جب مجسمہ نے اس قسم کی آیات و احادیث
سے خیال تجسیم کا کیا تو علما نے اُنکے الزام و اسکات کے واسطے تاویل کرنا شروع کیا نہ اس غرض
سے کہ یہ معانی ماول مراد ہیں بلکہ اس غرض سے کہ شبہ تجسیم رفع ہو جائے ورنہ یہ الفاظ سب
معانی ظاہرہ پر محمول ہیں اور کیفیات ان سب کی مجہول ہیں اور اسمیں تجسیم بھی لازم نہیں آتا ہے
کیونکہ جب کیفیت مجہول کہی گئی اور خیال لیس کمثلہ شئ کا بھی رہا اور تنزیہ تام کی گئی
تو تجسم کسی طرح سے لازم نہ آویگا۔ پس مراد آلہی پر ایمان لانا چاہیئے اور انکی تاویلات سے
سکوت اولی ہے اور یہ جو اس قول کے رد میں کہا ہے کہ اگر اسی طرح ہو تو قرآن معلوم المعنی نہ رہے
اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن کے نزول کا فائدہ صرف فہم معانی میں منحصر نہیں کہیں مجرد ایمان

ف ۱ دیکھو تفسیر عزیزی پارہ الم ۱۲

ہی مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ تشابہات میں یہی منظور ہے۔

تاویل الاحادیث میں شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ صفات تشبیہی باری تعالیٰ مثل ہاتھ پاؤں وغیرہ میں صراط مستقیم یہی ہے کہ اُنکے ظاہر پر چھوڑا جاوے اور انکی کیفیت وجود سے بحث و تفتیش نہ کی جاوے اور مجملاً یہ اعتقاد رکھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے ارادہ کیا ہے وہی حق ہے اور باوجود ظاہر پر چھوڑنے کے یہ نہ کہے کہ یہ ارادہ کیا ہے اور وہ ارادہ نہیں کیا کیونکہ نہ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسائل کی تحقیق کیفیت میں بحث کی اور نہ اُنکے اصحاب نے اور نہ تابعین نے۔ ایسی تدقیقات میں اول معتزلہ مشغول ہوئے کہ اُنھوں نے فلاسفہ کے جو اسلام کے مخالف تھے ایسی باتیں چُرائیں۔ پھر بعض اہل سنت نے بھی ایسی تدقیقات میں معتزلہ کی موافقت کی۔ اور مشبہ کے مختلف فرقے ہیں بعضے تو اتنا ہی کرتے ہیں کہ اللہ کو مخلوق کے ساتھ مشابہ کرتے ہیں اور حادثات کے ساتھ اُسکی تمثیل بیان کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مانند اجسام کے ہے اور گوشت اور خون کی شکل ہے اور بعضے یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ اسکو مخلوق اور حادث بنا دیتے ہیں اسلیئے کہ کہتے ہیں وہ جسم ہے اور خون ہے اور گوشت ہے اور ان میں سے سب ایک ہی طریقے پر نہیں ہیں۔ کوئی شیعہ غلاۃ میں داخل ہے۔ امامیہ ہے کوئی کرامیہ ہے وغیرہ وغیرہ مگر خاص اس بدعت میں شترک ہیں چنانچہ تھوڑا سا بیان اُنکا منجملہ غلاۃ شیعہ وامامیہ کے فرقہائے ہشامیہ وجوالقیہ وبنانیہ ومغیریہ وغیرہ میں ہوچکا اور منجملہ فرقوں مشبہ کے:۔

ایک مشبہ حشویہ ہیں۔ یہ بات کے قائل ہیں کہ اللہ جسم ہے گوشت و خون رکھتا ہے اور اسکے اعضا بھی ہیں مگر یہ سب چیزیں اسکی مخلوق سے مغائر ہیں اور اُسکے دوستوں کو اُسکے ساتھ مصافحہ اور معانقہ کرنا دنیا میں جائز ہے اور انکے نزدیک انبیا سے عمداً گناہ کبیرہ کا صادر ہونا ممکن ہے۔

دوسرا فرقہ مشبہ کرامیہ ہے (بفتح کاف و تشدید رائے مہملہ اور بقولے کاف کے کسرہ اور رائے کی تخفیف سے) یہ فرقہ منسوب ہے طرف عبداللہ محمد بن کرام بن حراق بن خرابہ سجستانی کی۔ یہ شخص بعد ۲۰۰ھ ہجری کے گذرا ہے کم علم تھا مگر ایک مذہب ہے اُس نے تھوڑے بہت مسائل قرد و خشک لے لئے تھے اور انکو اپنی کتاب میں لکھکر رواج اسکا مالک اغنام وغرجہ وغور وا طراف خراسان

میں دیا تہا اسلئے اسکا نام ہوگیا اور ایک مذہب ٹہر گیا۔ سلطان محمود بن سبکتگین اُسکے معین و مددگار رہتے اُنکی طرف سے اہلحدیث وشیعہ پر آفت رہی محمد بن کرام نے اثبات صفات میں یہانتک غلو کیا کہ نوبت تجسیم وتشبیہہ کی پہونچی۔ جس سے پہر کر شام میں آیا زغرہ میں بماہ صفر ۲۵۵ھ میں مر کر بیت المقدس میں مدفون ہوا۔ وہاں اُسکے اصحاب ۲۰ ہزار سے زیادہ تہے۔ اُن شہروں میں اُنکے سوا اور بہت لوگ تھے جنکا شمار نہیں ہوسکتا اور کرامیہ کئی گروہ ہیں۔ ایک **عابدیہ**۔ دوسرا **اسحاقیہ**۔ تیسرے **ثوبنیہ** چوتھے **زرینیہ** پانچویں **واحدیہ**۔ لیکن یہ سب ایک ہی فرقہ گنا جاتا ہے اسلئے کہ بعض انکے تکفیر بعض کی نہیں کرتے۔ یہ سب کے سب مجسمہ ہیں۔ اتنی بات ہے کہ انہیں بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ قایم بنفسہ ہے اور بعض اُسکو اجزاے مؤتلفہ کہتے ہیں اور اُسکے لیئے جہات ونہایات بتاتے ہیں انکے اعتقاد میں اللہ جسم ہے۔ اور اُسکی حد ونہایت ہے طرف اسفل کے اور اسکا ملاقات کرنا اجسام ماتحت سے جایز ہے اور وہ عرش پہ ہے اور عرش جانب بالا سے اُسکا مماس ہے۔ اور جایز ہے یہ بات کہ اللہ تعالی حرکت اور نزول کرے اور ان میں باہم اس امر میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالی تمام عرش پہ ہے یا عرش کے بعضے حصے پہ۔ اور بعض کرامیہ یہ بہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی عرش پر نہیں بلکہ عرش کے محاذی ہے اور بعض کی راے یہ ہے کہ اسم جسم کا اطلاق اُس پر ہوسکتا ہے۔ اور بعض کرامیہ کا زعم یہ ہے کہ اللہ تعالی تمام جہات واطراف سے متناہی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تلی کی جانب سے متناہی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوچکا اور بعض کہتے ہیں کہ کسی طرف سے متناہی نہیں۔ اور کرامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ محل حوادث ہے یعنے قول وارادہ وادراکات ومرئیات ومسموعات سے اور جو حوادث کہ اُسکی ذات میں حلول کیے ہوئے ہوتے ہیں اُنہی پر قدرت رکہتا ہے اور جو اسمیں حلول کیے ہوئے نہیں بلکہ اُسکی ذات سے الگ ہیں اُنپر اسکو قدرت نہیں اور سارے کرامیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی ذات کے ساتہ حادث اُسوقت قایم ہوتا ہے جبکہ خدا کو مخلوق کے ایجاد کرنے میں اسکی طرف احتیاج پڑتی ہے پہر کرامیہ کے فرقوں میں اختلاف ہے بعض کی یہ راے ہے کہ جب حادث کی طرف اللہ تعالی کو احتیاج ہوتی ہے

اور وہ ارادہ ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ وہ قول کن ہے (کہ امر ہے یعنے ہو) پس جب ضرورت ہوتی ہے تو قدرت آلہی اس قول کو یا ارادہ کو ذات آلہی میں پیدا کر دیتی ہے اور وہ قدرت قدیم ہے۔ پھر باقی مخلوقات اس ارادے یا قول کن کے ذریعہ سے ظہور میں آتی ہے۔ کرامیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو حادث خدا کی ذات سے قائم ہوتا ہے اُسکا نام حادث ہے۔ اور جو اسکی ذات سے قائم نہیں ہو سکتا اُسے محدث کہا کرتے ہیں حادث نہیں کہتے۔ اور اگر اللہ اپنے بندوں میں سے کسی کو ایسا جانتا کہ وہ ایمان نہ لائیگا تو اسکا پیدا کرنا ہی عبث ہوتا اور نبوت اور رسالت دو صفتیں ہیں جو نبی کی ذات کے ساتھ قائم ہوتی ہیں۔ اور اسکی ذات سے مخصوص ہوتی ہیں مگر وحی کی تبلیغ اور معجزہ اور عصمت اُسکی ذات کے ساتھ مختص نہیں اور لوگ بھی ان سے متصف ہو سکتے ہیں۔ اور جب کسی میں یہ اوصاف موجود ہوں وہ رسول ہے خواہ اُسکو رسول بنا کر بھیجا ہو یا نہ بھیجا ہو اور اللہ تعالے پر ایسے ہی آدمی کا رسول بنانا واجب ہے۔ اور جس میں ایسے اوصاف نہ ہوں اُسکا رسول بنانا جائز نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کرامیہ کے نزدیک بہت سے آدمی رسول ہیں اسوجہ سے کہ ان میں رسالت کے صفات موجود ہیں مگر انکو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کیطرف واسطے ہدایت اور دعوت کے بھیجا نہیں ہے اسلئے وہ نبی نہیں۔ نبی وہی رسول ہیں جن کو خاص اس کام کے واسطے مبعوث کیا ہے۔ جس رسول کو اللہ نبی بنا کر بھیجتا ہے اُسے اُنکی اصطلاح میں مرسل کہتے ہیں اور جسے نہیں بھیجتا وہ رسول تو ہے مگر مرسل نہیں۔ اور اللہ کو کسی مرسل یعنے کسی نبی کا انبیا میں سے معزول کرنا جائز ہے مگر رسول معزول نہیں ہو سکتا۔ اور انکے نزدیک انبیا پر ایسے گناہ کا ہونا جائز ہے جو موجب حد و مسقط عدالت نہ ہو۔ اور اللہ پر واجب ہے کہ لگاتار رسول بھیجتا رہے اور دو امام کا ایک وقت میں ہونا جائز ہے حضرت علی و معاویہ دونوں کو وقت واحد میں امام بتاتے ہیں مگر اتنی بات کہتے ہیں کہ جناب امیر سنت پر تھے اور معاویہ خلاف سنت پر مگر فرمانبرداری انکی بھی رعیت پر واجب تھی۔ بعض کرامیہ کا یہ زعم ہے کہ اللہ کے دو علم ہیں ایک علم سے وہ ساری معلومات کو جانتا ہے اور دوسرے علم سے علم اول پہچانتا ہے۔ اور کرامیہ کے نزدیک ایمان وہ اقرار ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں اپنی مخلوق سے کیا تھا جبکہ فرمایا تھا

الست بربکم کہا یعنی میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا بلی یعنے ہاں تو ہمارا رب ہے۔ سو یہ قول یعنے بلیٰ کا کہنا ایمان ہے اور یہ ایمان یعنے اللہ تعالی کی ربوبیت کا اقرار سب آدمیوں میں مساویانہ موجود ہے۔ مگر مرتدین میں نہیں انکے نزدیک منافق کا ایمان باوجود اسکے کہ اُسکے ساتھ کفر بھی موجود ہے نبی کے ایمان کے برابر ہے اسوجہ سے کہ اس ایمان یعنے اقرار ازلی میں سب برابر ہیں اور کلمہ شہادت انکے نزدیک ردت کے وقت مرتد کے واسطے ایمان ہے اور رنکے واسطے ایمان نہیں۔ غیر مرتد کے واسطے وہی اقرار ازلی ایمان ہے حاصل کلام یہ ہے کہ انکو نزدیک ایمان کی حقیقت صرف اقرار زبانی ہے۔ اور اقرار کی دو صورتیں ہیں غیر مرتدین کا خواہ وہ مومن ہوں یا کافر وہی اقرار ازلی ایمان ہے اور مرتدین کا ایمان نہیں۔ ایمان قول مفرد ہے یعنے کلمہ شہادت کا زبان سے کہنا۔ ابن کرام فقہ میں منفرد ہے ساتھ کئی مسائل کے کہتا تھا مسافر کو عوض نماز خوف کے دو تکبیریں کہنا کفایت کرتا ہے اور ایسے کپڑے میں جو بالکل نجاست میں ڈوبا ہوا ہو نماز کو جائز بتاتا تھا۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ نماز روزہ زکوۃ حج اور ساری عبادات بغیر نیت کے صحیح ہوتی ہیں فقط نیت اسلام کی کفایت کرتی ہے۔ ہاں نیت نوافل میں واجب ہوتی ہے اور نماز سے باہر آنا کھانے پینے یا جماع کے ساتھ عمداً جائز ہے پھر اُسی پر باقی نماز کو بنا کرسکتا ہے۔

خاتمہ

یہ جتنے فرقے ہم نے بیان کئے ہیں انکے سوا اور بہت ایسے فرقے ہیں جو دین اسلام میں پیدا ہوئے جنمیں سے بعض کا ذکر متفرق کتابوں میں پایا جاتا ہے اور بعض کا نہیں چنانچہ کئی فرقے ہم آگے بیان کرتے ہیں جو کتب کلامیہ میں مذکور نہیں مگر انکا حال کتب تواریخ وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

فرقہ اول فربود۔ عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے آخر عہد میں میر محمد حسین نام ساکن مشہد مقدس رضوی جو علوم عربیت و منطق میں دستگاہ رکھتا تھا۔ عمدۃ الملک امیر خان صوبہ دار کابل کے زمانہ میں کابل میں آیا اور امیر خان کے منشی کا بیٹا اُسکا شاگرد ہوگیا اس ذریعہ سے امیر خان کے حضور میں محمد حسین کی رسائی ہوئی۔ امیر خان نے اسکو لائق

فائق شریف پاکر اپنی دختر نیتنے کے ساتھ شادی کردی پھر کچھ عرصہ کے بعد شاہی خوشبوخانہ کا داروغہ کرادیا۔ یہ شخص نہایت عیار جاہ طلب تھا عمدۃ الملک کے بیٹوں کو کئی طرح کے شعبدے دکھلاکر اپنا معتقد کرلیا۔ خاصکر ہادی علی خان پسر عمدۃ الملک اُس سے بہت عقیدت رکھنے لگا جب عمدۃ الملک اور عالمگیر کا انتقال ہوگیا تو تمام عطر اور گلاب کو جو بادشاہ کے لئے خرید نہا ساٹھ ستر ہزار روپیہ کو لاہور میں فروخت کرکے اور وہ روپیہ اپنے قبضے میں لاکر فقیری لے لی چونکہ طامع اور جاہ طلب تھا پرانی تقلید پسند نہ آئی اسلئے ایک نئی راہ نکالنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اپنے شاگرد قدیم یعنے اُسی منشی زادے کو موافق کرکے صلاح کی کہ ہم تم ایک نیا مذہب نئے قواعد اور نئی زبان میں ایجاد کرکے الہام اور نزول وحی کا دعویٰ کریں تاکہ اولیا انبیا کی شان پائی جائے اور عوام کو پھانس کر کسی قدر ہجوم خلائق کریں۔ بیدہ مرجع انام ہوجائینگے۔ پس ایک کتاب عمدہ دلچسپ نئی زبان اور قواعد کے ساتھ بناکر **آفوزہ مقدس** اسکا نام رکھا نیز تو نہاہی اکثر الفاظ نجر بالوس اور پرانی فارسی کے بھی کسی قدر بطور عربی کے ترخیم کرکے جو صاف طور پر صرف و نحو عربی کے قواعد کے مناسب نہ تھے درج کئے اور بیگوکیت کا دعویٰ کیا اور کہاکہ یہ رتبہ مابین امامت اور نبوت کے ہے۔ کہاکہ ہر پیغمبر اولوالعزم کے نوبگوک ہوئے ہیں اسی طرح حضرت خاتم الانبیا کے نوبگوک تھے۔ اول حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تھے۔ دوسرے امام حسن تیسرے امام حسین چوتھے زین العابدین پانچویں محمد باقر چھٹے جعفر صادق۔ ساتویں موسیٰ کاظم آٹھویں علی رضا اور امام علی رضا تک امامت اور بیگوکیت دونوں رتبے جمع تھے۔ پھر محمد تقی بن علی رضا سے یہ دونوں منصب جداجدا ہوگئے۔ امام علی رضا کے بعد بیگوکیت مجھے ملی اور امامت امام محمد تقی کو اور میں خاتم بیگوکیت ہوں۔ اور لعداد بیگوکیت کی اس خاص ترتیب کے ساتھ امامیہ مذہب والوں کے سامنے بیان کرتا تھا۔ اور جس وقت اہل سنت سے ملتا تو چار خلفائے بنی امیہ و خاندان بنی عباس کو جنکی نیکی مشہور ہے بگوک اپنے نفس کو بتاتا اور کہتا کہ مجھے کسی کے مذہب سے غرض نہیں۔ غرضکہ کرنے والا ہوں اور وحی کے نزول کا بھی مدعی تھا۔ اور کچھ

قاعدے مقرر کر کے بعض دلوں کو مثل عید اے اسلام محترم سمجھتا تہا اور اپنے مریدوں کو جنکا لقب فرتود رکھا تہا یہ ہدایت کی تہی کہ ان دلوں کی حرمت کیا کریں اور کہتا تہا مجھ پر وحی دو طور سے نازل ہوتی ہے۔ ایک اسطرح کہ ایک قرص نورانی مثل آفتاب کے سامنے آتی ہے اور اسپر کلمات منقش ہوتے ہیں میں انہیں سمجھ لیتا ہوں اور وہی قرص نورانی مجھپر محیط ہو کر بیہوش کر دیتی ہے۔ دوسرے اسطرح کہ آواز آتی ہے اور کلمات جنہیں مریدوں سے بیان کرتا ہوں اُس آواز سے سنتا ہوں۔ اور السلام علیک کے آخر میں اپنی رائے سے کلمہ خفنتان ممود بودال بڑھا دیا تہا۔ اور جس روز کہ اول اول اُسکے اعتقاد کے موجب وحی اُسپر نازل ہوئی تہی اُسکا نام روز جشن رکھا تہا۔ اور روزِ جشن کو بہاری جشن ہوا کرتا تہا اُسکے مرید عبیر وغیرہ خوشبویات آپسمیں اُڑاتے اور خوشیاں مناتے اور وہ علم ہمراہ لے کر اور ایک اونچی سی ٹوپی اوڑھکر اپنے مریدوں کے ساتھ اُن کوہستان کی جانب جہاں دلیل رانی کی عمارات دہدبی بھٹیارے کے نام سے مشہور ہیں جاتا۔ اور یہ ظاہر کرتا کہ اول بار وحی خاص اسی مقام پر مجھپر نازل ہوئی تہی۔ اور روز جشن سے چھ یوم بیشتر سے روزہ رکھتا ساتویں ذیحجہ کو روز جشن مقرر تھا۔ اور یکم ذیحجہ سے روزہ رکھا کرتا تہا۔ اور روزہ کے دلوں میں کسی سے کلام نہ کرتا اور ہر روز سوائے نماز پنجگانہ کے مریدوں پر یہ بھی مقرر کیا تہا کہ تین بار میری زیارت کیا کریں پہلا وقت زیارت کا طلوع آفتاب بعد نماز صبح مقرر کیا تہا اور دوسرا دن کی دوپہر کا وقت اور تیسرا غروب آفتاب کا وقت تاکہ ہنوز شفق کی سرخی مغرب میں ہو۔ اور آداب زیارت کے یہ تہے کہ خود مع خلفا کے درمیان میں کھڑا ہوتا۔ اور مریدوں کو حکم تہا کہ اُسکے گرد بطور چار دیوار مربع کے چار صفیں باندہکر کھڑے ہوں پہر ہر صف اُسکی طرف منہ کر کے چند کلمے جو اُسکی اختراعی تہے پڑہتی اور اسکے بعد ہر صف بالا اُسکی بائیں جانب پہر جاتی۔ تاکہ صف شمال رویہ مغرب رویہ ہو جائے اور مغربی جنوبی اور جنوبی مشرقی اور مشرقی شمالی ہو جائے۔ جب مقابلہ چاروں سمت کا چاروں صفوں کے آدمی تمام کر چکتے تو زمین کی طرف دیکھتے پہر آسمان کو پہر شش جہت کو اسکے بعد زیارت تمام ہوتی اور سب آدمی

چلے جاتے۔ ایک دعویٰ اُسکا یہ بھی تہا کہ میں وُہی محسن ہوں جو بچہ حضرت فاطمہ زہرا کے شکم سے ساقط ہوا تہا۔ اور اپنے چار خلفا بنائے تہے۔ ایک وہی شاگرد و پیر منشی خلیفہ تہا اور اسکا نام اپنی مخترع زبان میں ددجی بارر کھا تہا۔ اور دوسرا خلیفہ اُسکا سالا امیر باقر تہا۔ اور دُو خلیفہ اور تہے۔ اور اپنا نام ننو داللہ اور ننود اور انو ود رکھا تہا اور اسی ڈہب کے نام اپنے مریدوں کی اپنی طرف سے مقرر کرتا اور اُسے نشان کہتا اُسکے تین بیٹے تہے اول ننا ننو د۔ دوم فنغار۔ سوم ویدہ۔ اور دو دختر تہیں غاتہ کلان غانہ خورد اور اقربائے زوجہ کے نام نمایار اور ننو دیار اور ننا د وغیرہ تجویز کیئے تہے اور فنغار کے بیٹے کا نام ننو وبد تہا۔ چونکہ مالدار تہا اسلیئے اپنی بے پروائی لوگوں پر ظاہر کرتا۔ یہ حالت دیکہکر لوگ اور زیادہ گرویدہ ہوتے۔ پھر لاہور سے بہادر شاہ کے عہد میں دلی آیا۔ اور ہادی علی خان کہ بادشاہ کا مقرب تہا اُسکا بہت معتقد تہا۔ اسلیئے اسکے کام نے قوت پکڑی اور اسی طرح اور بہی کئی امیر اسکے مرید ہوگئے یہانتک کہ ایک رات فرخ سیر بادشاہ اُسکی ملاقات کو گیا۔ اس نے بڑی دانائی یہ کی کہ بادشاہ کے ساتھہ بے اعتنائی سے پیش آیا اور اُسکا پیشکش بہی قبول نہ کیا اور ایک قران اپنے ہاتہہ کا لکہا ہوا بادشاہ کو دیکر کتابت کی اُجرت کے ستر روپے لیئے۔ فرخ سیر کے بعد محمد شاہ کے عہد میں محمد امین خان وزیر نے اسکی تادیب کی طرف توجہ کی اور جب اُسکی گرفتاری کا حکم دیا تو وزیر مرض قولنج میں مبتلا ہوگیا۔ لوگ اس واقعہ کو ننو د کی بددعا کا اثر سمجھے اور ننو د اُسوقت مسجد میں جاکر بیٹہہ گیا تہا۔ محمد امین خان کے بیٹے قمرالدین خان کو بہی تشویش پیدا ہوئی اور اپنے باپ کی حالت ردی دیکہکر پانچہزار روپیہ اپنے دیوان کے ہاتہہ اُسکے پاس بہیجکر معذرت کی اور تعویذ طلب کیا۔ ننود نے جانکنی کی خبر سن لی تہی اسلیئے اپنے متبعین سے کہتا تہا کہ میں نے ایک تیر اسکے جگر میں مارا ہے ہرگز جانبر نہ ہوگا اور میں بہی شہادت کے انتظار میں بیٹہا ہوں۔ سید ادا دا ہی مسجد ہی میں شہید ہوا تہا۔ مگر میں اس وجہ سے کہ ایک مرتبہ شہید ہوچکا ہوں اب شہید نہیں ہونے کا۔ اور مراد اسکی اپنی اس شہادت سے وہی اسقاط حضرت محسن ہے۔ قمرالدین خان کا آدمی بہی جا پہونچا اور نہایت سماجت کی

آپ محمد امین خان کا قصور معاف کریں اور ایک تعویذ لکھدیں۔ ننو نے بڑے تکلف کے ساتھ اپنے ایک مرید سے یہ آیت لکھوادی وننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین ولا یزید الظالمین الا خسارا۔ یعنے ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے وہ چیز جس سے مرض رفع ہوں اور مہر ہے ایمان والوں کے لئے اور نہیں زیادہ کرتا ظالموں کو مگر نقصان اور دیوان کو دیدیا اور یہ کہا کہ مجھے یقین ہے کہ تیرے پہونچنے تک وہ زندہ نہ رہیگا اور خود ان روپیوں کے لینے سے انکار کیا اور ایسا ہی ہوکہ دیوان کے پہونچنے سے پیشتر وزیر مرگیا جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ننو کی کرامت کا بڑا شہرہ ہوگیا۔ دو تین سال کے بعد ننو خود مرگیا اُسکا بڑا بیٹا ننا ننو سجادہ نشین ہوا۔ یہ زیادہ لالچی اور کوتہ اندیش تہا چنانچہ جو جاگیر ننو نے خلفا کو دی تہی اُسکا دبانا چاہا۔ ودجی بار نے بہت سمجھایا کہ مجھ سے تنازع اچھا نہیں ننا ننو نے نہ مانا۔ ودجی بار نے لاچار ہوکر ایک دن سب مریدوں کو جمع کرکے اُن سے کہا کہ آپ لوگ ننو کا اور میرا خط پہچانتے ہو۔ جو پہچانتے تہے اُنہوں نے اقرار کیا۔ ودجی بار نے وہ مسودات جو ننو نے اور اس نے باہم صلاح سے مرتب کئے تہے اور دونوں نے مشورے سے کمی بیشی اپنی اپنی قلم سے لکہی تہی نکالکر دکھائے اور کہا کہ اس مذہب کی بنیاد ننو اور بندہ کی اعانت سے ہوئی ہے۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو کمی بیشی کی ضرورت نہ ہوتی۔ لوگوں نے یہ دیکھکر سمجھ لیا کہ یہ سب باطل تہا اور منحرف ہوگئے۔ اور تمام کام بگڑ گیا۔ ننا ننو کے بعد فخار سجادہ نشین ہوا اور اُسکے انتقال اور دلی کی خرابی کے بعد ننا ننو یار اپنے چند اقربا کو جو باقی رہگئے تہے ہمراہ لیکر بنگالہ میں میرن ولد جعفر علیخان کے پاس پہونچا اُس نے اخراجات کے واسطے پانچ روپیہ لومیہ مقرر کردیا۔[ف]

فرقہ دوم وہابی

موجد ملت وہابیہ مسمی احمد ابن عبدالوہاب مقام آئینہ واقع نجد سنہ ۱۶۹۱ء میں پیدا ہوا۔ اسکے باپ نے بڑی کوشش سے شریعت اسلام کی تعلیم دی۔ بعدہ اس نے مکہ معظمہ اور بصرہ میں علم دین تحصیل کیا اور کتب احادیث صحاح ستہ کا عالم ہوا پھر اپنے والد کے ساتھ

ف دیکھو سیر المتاخرین ۱۲

مکہ معظمہ کا حج کیا اور مدینہ طیبہ میں زیارت کرکے شیخ عبداللہ ابن ابراہیم کا مرید ہوا
برسوں اس نے فقرہین تعلیم حاصل کی لبعدہٗ یہ اپنے وطن کو گیا اور وہاں کا مجتہد ہوا۔
اس نے ظاہراً شریعت اسلام کی پابندی اور اُسکے اصول میں فرق نہ کیا۔ یعنے جو لوگ
فال دیکھتے یا شگون مانتے یا مزارات کی تعظیم کرتے یا مزار کو آراستہ کرتے یا مسکرات کو استعمال
کرتے یا ریشمی کپڑا پہنتے اُنکو برا کہتا کہ یہ باتیں شریعت رسولؐ کے خلاف ہیں۔ قرآن شریف
اور احادیث کو پڑھکر اس نے خیال کیا کہ اصول شریعت اسلام میں حال کی آمیزشات
کی وجہ سے بڑا تفاوت پیدا ہوگیا ہے۔ تب یہ آمادہ ہوا کہ لوگوں کو خاص احکام اور
شریعت اسلام اُس قاعدے پر سکھاوے اور رواج دیوے کہ جیسا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اور عمل کیا ہے اور خیال کیا کہ دنیا کے مسلمان بھٹک گئے ہیں
جو پیر اور اولیا کے قول کی پیروی کرتے ہیں اور یہ رواج اُنھوں نے اپنے فائدے کی غرض
سے دئے ہیں۔ اس نے چاروں اماموں کے قاعدے پر چلنے سے انکار کیا اور صرف
قرآن مجید اور احادیث نبوی کو بنیادی اور راہنما قرار دیا۔ لوگوں نے اسکا کہنا مانا اور
اسکے طریقے کو تسلیم کیا۔ جبکہ اسکے یہاں آدمی جماعت کا مجمع ہوا تو شہر کے حاکم سے مخالفت
ہوئی۔ بعائیہ اس کیفیت کے اس نے محمد ابن مسعود زبردست رئیس دیرینہ کے پاس
پہونچکر پناہ چاہی اُس نے حمایت کی۔ بوجہ حمایت رئیس دیرینہ کے وہابی سلسلہ قایم ہوا۔
اور رئیس دیرینہ نے اس جدید مذہب والے سے خاندانی رشتہ و قرابت قایم کرکے اسکو
تقویت دی۔ اس رئیس دیرینہ کا فرزند عبدالعزیز مشہور وہابی ہوا۔ جب ۱۷۶۵ء
میں ابن عبدالوہاب اور رئیس دیرینہ کا انتقال ہوا تو عبدالعزیز اسکا قایم مقام ہوا۔ اسنے
فوج وہابی کو آگے بڑھایا اور دور دور کو شہاے قریب کو فتح کیا۔ عبدالعزیز بڑا بہادر جنگ آور
نہ تھا بلکہ نماز گذار رہتا تھا ۱۸۰۳ء میں ایک ایرانی نے اسکو قتل کیا۔ عبدالعزیز کے فرزند کلاں
مسعود نے جو اس کا قایم مقام ہوا خوب معرکہ آرائیاں کیں اور فتح حاصل ہوئی اس نے
تمام ترکی سلطنت فتح کرلینے کا ارادہ کیا تھا۔ کہتے ہیں یہ نہایت خوش رو اور عقیل ہوشیار تدبیر
جنگ میں یگانہ تھا۔ اس نے لڑکپن سے تلوار ہاتھ میں لے لی۔ تمام مقامات سے عرب

جوق جوق آکر اسکے گرد جمع ہوئے۔ اسنے بیس ہزار فوج لیکر کربلائے معلی پر چڑہائی کی جب یہ وہاں پہونچا تو حکم دیا کہ کافروں مشرکوں کو مار ڈالو اور قتل کر ڈالو اور روضہ اقدس امام ہمام سید الشہدا علیہ السلام کا کچھ ادب نہ کیا۔ جو کچھ نقد و جنس خزانہ درگاہ میں جمع تہا وہ اس وہابی نے لے لیا۔ دوسرے سال اس نے نواح مکہ معظمہ میں دخل کیا اور بوجہ پاس حرم شریف کے کچھ ظلم تعدی نہ کی۔ مگر وہابی طریقہ کا برتاؤ ہوا حقے اور تسبیح اور تعویذ اور پارچہ ریشم سب سے زبردستی چہین لئے۔ اور انکو سب کے روبرو آگ میں جلا دیا۔ جب نماز کا وقت آتا تو شرعی لوگ درے لیکر نکلتے تہے اور نمازیوں کی کثرت سے مسجدیں بہر جاتی تہیں اور تمام آدمی پنجگانہ نماز مسجد میں ادا کرتے تہے۔ جب مکہ معظمہ میں یہ اپنی کارروائی کامل کر چکا اور پورا پورا تسلط ہو گیا۔ تو اس نے سلطان روم کو اپنی کامیابی کا خط اس عبارت سے لکھا۔ از جانب مسعود سلطان قسطنطنیہ کو ظاہر ہو کہ میں تاریخ ۴ محرم ۱۲۱۸ ہجری میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا باشندوں میں امن رکھی میں نے تمام وہ چیزیں اس مقام متبرک سے دور کیں جنکی پرستش بتوں کی مانند یہاں کے لوگ کرتے تہے۔ میں نے تمام محصولات جو خلاف شرع تہے دور کئے۔ میں نے اس قاعدے کو حسب احکام نبوی کل منقرر کیا جس کو تم نے مقرر کیا تہا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم حکام دمشق و قاہرہ کو حکم دو کہ شہر میں وہاں کے لوگ ڈہول و قرنا بجاتے نہ آویں کہ ان چیزوں سے مذہب کو کچھ فایدہ نہیں ہے۔ خداوند ہمیشہ تیرا اپنا فضل و کرم رکہے۔ دوسرے سال اس نے فتوحات مدینہ منورہ میں حاصل کیں اور ایسی کامل کارروائی کی کہ کسی چیز کو اپنا تسلط کئے بغیر باقی نہ چہوڑا۔ اس نے چاہا کہ مرقد منور رسول مقبولؐ سے چادر اٹہا لے مگر خواب میں بشارت ہوئی اور حضور رحمت گنجور نے فرمایا کہ خبردار اس حرکت سے باز رہنا تب یہ باز رہا۔ ان مقامات میں نو برس کامل اس مسعود وہابی کی حکومت رہی۔ فوج وہابی اسقدر کثیر و زبردست ہو گئی کہ سلطان ٹرکی کو اپنی سلطنت جاتے رہنے کا خوف پیدا ہوا۔ تب علی پاشا کو سلطان نے حکم دیا کہ وہابی لغویات کو مقامات متبرک سے دور کرنیکے واسطے زبردست فوج سے چڑہائی کی جائے۔ بموجب حکم سلطانی پاشائے مذکور نے فوج جمع کی اور ان وہابیوں کو حرمین شریفین سے نکال دیا۔ جب ۱۸۱۲ء میں مسعود مرا

تو اسکا بیٹا عبداللہ جانشین اسکا ہوا۔ یہ اگرچہ جری تہا مگر جنگی داؤں گہات سے محض بے خبر تہا۔ متواتر شکست پاکر انجام کو ابراہیم پاشا نے قید کر کے قسطنطینہ بہیجدیا۔ اور وہاں قتل ہوا۔ اسکے بیٹے ترکی عبداللہ کو خیال حکومت ہوا مگر دبدبہ سیاست سلطان محمد خان والی قسطنطنیہ سے زباد کو بہاگا اور مارا گیا۔ بعدہ اسکے بیٹے فیصل نے زباد میں اپنی حکومت قائم کی سنہ ۱۸۶۳ء میں پالگر لو سیاح اور سنہ ۱۸۶۵ء میں سر لورلٹس بیلی صاحب کی اس سے ملاقات ہوئی سنہ ۱۸۶۶ء میں فیصل نے انتقال کیا تو اسکا بیٹا عبداللہ قائم مقام ہوا ہر چند کہ وہابیوں کی فوجی قوت نابود ہوگئی تہی۔ تاہم محمد ابن عبدالوہاب نے جو اصول قائم کئے تہے بعض مذہبی رہنما اسکی تقلید کرتے تہے۔ اگر کوئی شخص ملک ہندوستان سے حج بیت اللہ کو جاتا تو اسکو وہابی خیالات کے مولوی ملتے تہے۔ چنانچہ سید احمد صاحب ساکن رائے بریلی سنہ ۱۸۲۲ء میں بعد انفراغ حج ہندوستان کو آئے تو ارادہ کیا کہ شمالی ہندوستان کا اسلام درست کریں لوگوں نے سادات جانکر تعظیم کی اور اپنا مجتہد تسلیم کیا یہ تمام شمالی ہند میں اپنے مقلدین کے لیئے پہرتے پٹنہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور وہ دہلی پہونچے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ان کے بہت بڑے مقلد ہوئے۔ سنہ ۱۸۲۶ء میں سید صاحب نے سکہوں پر جہاد کیا۔ چار برس تک متواتر جنگ رہی جب سید احمد صاحب ملک ہزارہ میں شہید ہوئے تو فوج دریا سے اُتر کر ستانہ میں آباد ہوئی سنہ ۱۸۵۸ء میں باغیوں کی وجہ سے انکی تعداد بڑہ گئی۔ انگریزی سرکار نے جنگ امبیلہ میں انکو شکست دی آخر سنہ ۱۳۰۰ ہجری تک قریب ۲۰۰ بمقام ملوسی آباد تہے اور وہی شیخ عبداللہ انکا حاکم تہا۔ اس حاکم کی دختر کی شادی امام محمد صدر بازار پشاور سے ہوئی ہے تاکہ وہابی لوگ نجد اور ہندوستان میں بڑہیں۔ مسعود نجدی اور سید احمد صاحب بریلوی نے جو کام تلوار سے نہیں کیا تہا وہ بوجہ ارزانی چہاپہ کے لوگوں نے قلم سے کیا۔ مولوی محمد اسمٰعیل نے جو صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان میں لکہا ہے اسکا اثر لوگوں پر پڑتا ہے اور اب دلی میں مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث اکثر تصنیفات کے مصنف ہوکر مذہبی مباحثہ مقلدین و غیر مقلدین میں اوقات صرف کرتے ہیں اور مولوی سید محمد صدیق حسن خان

صاحب بن سید اولاد حسن صاحب بریلوی مولد قنوجی موطن بہی اس طریقہ کے بہت معاون تہے۔ یہ روز یکشنبہ ۱۹ جمادی الاولی ۱۲۴۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور روز چہارشنبہ ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ میں بعارضہ استسقا انتقال کیا۔ اور ۱۲۸۸ھ ہجری میں نواب شاہجہان بیگم صاحبہ رئیسہ بہوپال کے ساتہہ عقد نکاح ہوجانے سے مرتبہ نوابی و امارت کو پہونچے اُنہوں نے علم حدیث اور تفسیر وغیرہ میں بزبان عربی و فارسی و اردو بہت سی تالیفات کیں اور لاکھوں روپیہ کے صرف سے چہپواکر اُن کو شائع کیا۔ ہندوستان بلکہ عرب میں کوئی ایسی جگہ نہوگی یا کم ہوگی جہاں کوئی اہل علم یا علم کا ذکر دائر ہو اور انکی کوئی تالیف وہاں نہ ہو۔ اسی وجہ سے انکو بعض علمانے جو اس طریقہ کے پابند ہیں۔ اس صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔ وہابی اپنے آپ کو اہلحدیث و اہلسنت و محدث و عامل بالحدیث و موحد کہتے ہیں۔ کیونکہ انکا طریقہ علم قرآن و حدیث رہا ہے۔ رائے و قیاس سے بالکل دور ہے اور ادلہ کتاب و سنت سے بہت نزدیک ہے۔ اور اپنے مخالفوں و مقابلوں کو بدعتی کہتے ہیں۔ اور اب وہابی غیر مقلدین اور حنفی مقلدین کے نام سے مشہور ہیں۔

فرقہ سوم بابی

یہ فرقہ باب کی طرف منسوب ہے جسکا اصلی نام علی محمد ہے اور مہدویت کا دعویٰ کیا تہا۔ اسکا باپ جسکا نام مرزا رضا ہے شیراز کا تاجر تہا دستور کے موافق باب نے بہی پہلے فارسی پڑہی اور اسکے بعد عربی کی چند ابتدائی کتابیں دیکہی ہتیں کہ پہر فوراً سخت ریاضتیں کرکے زہد میں شہرت حاصل کر لی۔ پہر سید کاظم مجتہد کے حلقہ درس میں جا شریک ہوا۔ اُسکے انتقال کے بعد اُسکے بہت سے شاگرد ساتہہ لے کر کوفہ کی مسجد میں جا پہونچا اور بہت ریاضتیں کرکے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرلیا پہر ۱۲۶۰ھ میں اپنے عقیدت کیشوں سے اس امر کا اظہار کیا کہ جس مہدی صاحب الامر کا انتظار کیا جاتا تہا وہ میں ہوں اور اسکے ثبوت میں بعض احادیث جن میں مہدی موعود کے آثار بتلائے گئے تہے پیش کیں اور کہا کہ جو جو آثار اس مہدی میں بتلائے گئے ہیں وہ مجہہ میں پورے طور سے

موجود ہیں۔ جب اسکے ثبوت میں کرامت طلب کی گئی تو بابنے جواب دیا کہ میری تحریر و تقریر ہی کرامت ہے اس سے بڑھکر کیا کرامت ہوسکتی ہے کہ ایک ہی دن میں ہزار شعر مناجات میں تصنیف کرتا ہوں اور پھر اپنی قلم سے لکھتا بھی ہوں۔ اور چند مناجاتیں پیش کیں جنمیں اعراب تک درست نہ تہا جب اسپر اعتراض ہوا تو آپ کیا جواب دیتے ہیں کہ علم نحو ایک گناہ کا مرتکب ہونے کی وجہ سے اتنک غضب الٰہی میں گرفتار رہا۔ اب میں نے خدا کے حضور میں اسکی شفاعت کی جس سے اسکی خطا معاف ہوئی اور حکم ہو گیا کہ نحوی غلطیوں کا کوئی مضائقہ نہیں اور آیندہ سے اگر کوئی غلطی کرے تو کچھ حرج نہیں عوام کو مطیع کرنے کے لئے ایک اچھی تدبیر سوجھی اور حکم دیا کہ چونکہ میرے وجود سے غرض تمام ادیان کا متحد ہو جانا ہے جسکی وجہ سے میں آیندہ سال مکہ معظمہ سے شمشیر بکف خروج کرونگا اور حملہ روئے زمین پر قبضہ کرونگا۔ لہذا جب تک تمام ادیان متفق نہ ہو جائیں اور تمام دنیا میری مطیع نہ ہو جائے تمام تکالیف شرعیہ ملتوی ہیں اب اگر میرے مریدوں میں سے کوئی شخص منہیات شرعی کا مرتکب ہو یا احکامات شرعی ادا نہ کرے۔ تو اسپر کوئی مواخذہ نہیں کہ اس وجہ سے بہت سے عوام اسکے مطیع ہو گئے۔ اسکے مذہب میں حقیقی بہن سے بھی مبتلا ہونا زنا میں شمار نہیں کیا جاتا تہا۔

اور ایک عورت کا نو آدمیوں کو نکاح میں لانا جایز تہا کسی مذہب کا وہ پابند نہ تہا۔ اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا تہا۔ اسکے متبعین میں علانیہ فسق و فجور کا بازار گرم ہو گیا عورتیں بے پردہ مجلسوں میں شریک ہوتیں اور شرابیں پلاتیں۔ اور بابنے سمجھدار لوگوں کو آیندہ کی بہبودی و ترقی کی امید دلائی اور وعدہ کیا کہ جب سارے روئے زمین پر میرا قبضہ ہو جائے گا تو تمہارے حقوق سب سے مقدم سمجھے جائینگے۔ غرضیکہ ایک اچھی خاصی جماعت باب کے مطیع ہو گئی بابنے اپنے مریدوں کو چند احکامات دئے تھے جو بطور اشعار ادا کئے جاتے تھے اور وہ یہ تھے۔

۱۔ چونکہ تمام دنیا کا میری زیر نگین ہونا اس غرض سے کہ تمام دنیا ایک مذہب ہو جائے ضروری ہے لہذا میں آیندہ سال مکہ معظمہ سے شمشیر بکف سارے جہان پر حملہ آور ہونگا کہ دنیا میری تحت تصرف میں آجائے اور وہ تمام اغراض جو میرے وجود سے مقصود ہیں پوری ہو جائیں

اور اس سے ضرور ہے کہ اعداے خدا کی جانیں جسم سے جدا ہوں گی اور ہزاروں خون کی ندیاں جاری ہونگی پس جملہ مریدین باصفا کو حکم دیا جاتا ہے کہ بطور ایک علامت نشگون کے اپنے خطوط کو سرخ کیا کریں۔

۲۔ السلام علیک کے عوض مرحبا یک سلام کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔

۳۔ اذان میں میرا نام بھی داخل ہو۔

اور اسکا یہ قول بھی تہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی نے مجھسے بیعت کی اور یہ کہ اب تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی الگ الگ تہے اور جدا جدا تہے۔ میں ان دونوں کا جامع ہوا اور اسی وجہ سے میرا نام بھی علی محمد ہے۔ اسکے اقوال میں سے ایک یہ بھی تہا کہ جس طرح کوئی آدمی بغیر باب یعنے دروازے کے گہر کے اندر نہیں جا سکتا اسی طرح بغیر اسکے کہ مجھے دیکھیں اور مجھسے اجازت حاصل کریں خدا اور دین خدا تک نہیں پہونچ سکتے۔ مریدوں نے جب اس قول کو سنا تو اسکا لقب ہی باب کردیا اور باب نے بوشہر ہو پہونچکر بعض مرید بطور منادی کے شیراز بہیجے تاکہ وہ لوگوں کو باب کے مہدی موعود ہونیکا یقین دلائیں اور جو لوگ اسکے مہدی موعود ہونے کی تصدیق کریں ان سے بیعت لیں۔ اپنا تصنیف کیا ہوا کلام بھی جس میں سے کسی کا نام قران کسی کا نام مناجات رکھا گیا تہا۔ انکو دیا گیا تاکہ وہ اسکو لوگوں کے روبرو پیش کریں اور وہ انہیں بجائے قران مجید وصحیفہ سجادیہ کے کہ امام سجاد کی تصنیف کردہ مناجاتیں ہیں پڑہا کریں۔ بعض مورخین[۱] کا قول ہے کہ باب کا خلیفہ ملا حسین بشرویہ ہوا اور قرۃ العین نام ایک خوب صورت عورت نائب بنی یہ عورت عربیت میں دستگاہ رکہتی تہی کچھ عبارتیں لکھکر کہا یہ جواب کلام الٰہی ہے اور دعوت طریقہ باب کی طرف کرکے تصوف کے نام میں چھپ رہنا شروع کی جوق جوق مخلوق شیعہ وغیرہ میں سے اُس عورت کے حسن وجمال اور کلام کے فریفتہ ہوکر گمراہ ہوگئے بلکہ جلاء العینین میں لکھا ہے کہ کہتے ہیں کہ بعض یہود ونصاریٰ تک نے بھی مذہب باب کی متابعت اختیار کرلی۔ مگر فارس کے گورنر نظام الدولہ نے باب کو گرفتار کرلیا پھر مجمع عام میں لاجواب

[۱] دیکھو تاریخ گلزار شاہی وکشکول محمد علی شیرازی وغیرہ ۱۲

کروا کے قتل کرنے کی غرض سے نظام الدولہ نے مکر و فریب سے اسکی نہایت تعظیم و تکریم کی اور اپنے آپ کو اسکا بالکل مرید ظاہر کیا اور باب کو اصفہان والا کے علما کے ساتھ مجمع عام میں مباحثہ کرنے پر راضی کر کے مناظرہ کرایا اور جب باب نے علما کے سامنے اپنا ایسا کلام جسمیں اعراب تک درست نہ تھے قرآن کے معارضہ میں پیش کیا تو سبکے اوپر اسکی ہرزہ سرائی ظاہر ہو گئی اب نظام الدولہ نے اسکو قتل کرنیکی تجویز کی۔ باب چالاکی سے پکارنے لگا توبہ کردم توبہ کردم مگر نظام الدولہ نے اُسکا منہ کالا کرواکر اور تمام شہر میں گشت کروانیکے بعد شیخ ابو تراب کی مسجد میں لیجاکر توبہ کروائی اور احتیاطاً باب کو قید بھی کر دیا۔ اصفہان کا گورنر معتمد الدولہ صوفیوں فقیروں کی صحبت کا زیادہ مائل رہا کرتا تھا اس نے باب کو درویش کامل سمجھکر رہائی دلواکر اپنے پاس بلوالیا مگر مشکل یہ آپڑی کہ باب کی علانیہ تائید کرنے میں مجتہدین کو جنہیں ایران میں بہت بڑی قوت حاصل ہے بدگمانی پیدا ہوتی جس سے معتمد الدولہ کو خود اپنی جان بچانی مشکل ہو جاتی۔ آخر کار مناسب سمجھا گیا کہ باب مخفی رکھا جاوے اور لوگوں سے اس امر کا اظہار کر دیا جائے کہ وہ خارج البلد کر دیا گیا۔ چند مہینے تک باب اسی طور سے اصفہان میں رہا۔ اور اپنے مریدوں کو اطراف وجوانب میں دعوت کے لئے بھیجتا رہا اور یوں پوشیدہ ہی پوشیدہ ملک میں باب کا اثر پھیل رہا تھا اتفاق سے چند ہی روز کے بعد معتمد الدولہ مرگیا اور اس سے باب کا ایک بڑا حامی دنیا سے جاتا رہا۔ معتمد الدولہ کے مرنیکے بعد جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ باب خارج البلد نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہاں موجود ہے تو اسوقت لوگوں نے دربار ایران میں عرضی بھیجی کہ باب یہاں موجود ہے آپ اسکی نسبت جو حکم ہو اسکی تعمیل ہو گی اسپر حاجی مرزا آقاسی نے جو اسوقت وزیر اعظم تھا یہ حکم بھیجا کہ اصفہان سے لیجاکر آذربائجان کے قلعہ چہریق میں محبوس کر دیا جائے ادہر تو باب قلعہ چہریق کی ہوا کھا رہے تھے اور ادہر انکے مریدوں نے فساد مچا دیا اور متواتر کامیابیاں حاصل کیں اور ایک بہت بڑا گروہ اسکے مریدوں کا پیدا ہو گیا جسکی وجہ سے آخر سنہ ۱۲۶۳ھ میں یعنے بابکے ادعاے مہدویت کے تین سال بعد محمد شاہ والی ایران نے اپنے ولیعہد ناصر الدین شاہ کو جو اسوقت آذربائجان کے والیسرائے تھے اس امر کا حکم بھیجا کہ باب قلعہ چہریق سے بلوایا جاوے اور اس سے پھر مباحثہ ہو۔ حاجی مرزا آقاسی نے ایک چٹھی شاہزادے کو لکھی

جنہیں شاہ ایران کے حکم کی تعمیل کرنے پر بڑا زور دیا گیا تہا جب انکو فرمان پہونچا اور اُسکے ساتہہ وزیر اعظم کی چٹھی بہی تو اُنہوں نے فوراً باب کے تبریز میں حاضر ہونیکا حکم دیا اور یہاں ملا محمود جو تبریز کا مجتہد اعظم تہا اور جسکا خطاب نظام العلما تہا۔ اور ملا محمد ممقانی اور نیز بہت سے مجتہد جمع ہوئے اور باب بہی بلایا گیا اور مباحثہ کرایا اور جب باب کی لغویت اور کذب اس مناظرے میں ثابت ہوگیا تو ناصر الدین شاہ نے کہا ”با ایں حالت دعوی صاحب الامری۔ چونکہ ایک دیوانہ سا معلوم ہوتا ہے لہذا میں تیرے قتل کا حکم نہیں دے سکتا۔ ہاں صرف تنبیہ و تادیب کا حکم دیتا ہوں تاکہ لوگوں کو ثابت ہوجائے کہ تو صاحب الامر نہیں ہے حکم کی دیر تہی کہ مار پڑنے لگی جب اچھی طرح مار پڑ چکی تو پہر لیجاکر قلعہ چہریق میں محبوس کر دیا۔

قرۃ العین اور حاجی محمد علی زنجانی اور ملا حسین بشرویہ معروف بہ سید علی اعظم اور سید یحیی بن سید جعفر دارابی الملقب بہ کشاف وغیرہ اُسکے بڑے بڑے داعی تھے جنہوں نے سلطنت ایران میں ہل چل ڈالدی۔ کیونکہ یہ لوگ علاوہ تعلیم یافتہ ہونیکے امور حرب سے بہی واقفیت رکہتے تھے اسوجہ سے اعیان وارکان سلطنت کی یہ رائے قرار پائی کہ باب کو قتل کرا دینا چاہیئے جب تک یہ زندہ ہے آئے دن فتنہ وفساد پیدا ہوتے رہیں گے اور علمانے بہی اُسکے واجب القتل ہونے کا فتوٰی دیدیا اسلئے پہر باب قید خانہ سے تبریز میں لایا گیا۔ ایک شب حشمت الدولہ نے اُس سے یہ کہا کہ تمہارا یہ دعوٰی ہے کہ مجہپر وحی اترتی ہے اور میرا قرآن اس قرآن سے فصیح ہے اگر اس دعوٰی میں سچے ہو تو اس چراغدان بلوری کے حق میں دعا کرو تاکہ کوئی آیت نازل ہو۔ باب نے فوراً آیت نور کا کچھ ٹکڑا کچھ آیت ملک سے ملا کر مہمل کہا اور پڑھ دیا حشمت الدولہ نے وہ کلمات لکھلئے پہر باب سے کہا کہ یہ آیت وحی آسمانی ہے۔ اُس نے کہا جی ہاں حشمت الدولہ نے کہا وحی کبہی دل سے فراموش نہیں ہوتی۔ اگر واقعہ میں یہ وحی ہے تو دوبارہ تو پڑھو۔ جب بابنے دوبارہ پڑہا تو دوسرے طور پر تہا آخر کار اُسکے قتل کا حکم صادر ہوا مگر مجمع عوام سے پوشیدہ اسواسطے قتل کرانا مناسب نہ سمجہا گیا کہ عوام دہوکے میں پڑ جائینگے۔ اور یہ سمجہیں گے کہ اس نے غیبت اختیار کر لی ہے۔ پس تبریز میں پیر کے دن ۲۷ شعبان ۱۲۶۵ھ کو ملا محمد علی زنجانی کے ساتہہ حمزہ مرزا کے حکم سے نشان سے باندہا گیا اور اُن فوجی آدمیونکو

جو عیسائی تھے حکم دیا کہ باڑہ ماریں۔ یہ لوگ اُسکے مریدوں کے قصوں اور فسادوں سے خوب واقف تھے گولیاں بادہوائی چلانے لگے۔ مگر ملا محمد علی کے زخم کاری آیا اور اُس نے مرتے وقت باب سے کہا کہ آپ اب بھی مجھسے راضی ہوئے۔ اور جان دیدی۔ باب سپاہیوں سے پکار کر کہنے لگا کہ تم میری کرامات دیکھتے ہو کہ گولیوں کی اتنی بوچھاڑ ہے اور پھر بھی میرے کوئی گولی نہیں لگتی اور خطا جاتی ہیں بلکہ ایک گولی باب کی رسی میں لگی تو وہ کٹ گئی اور وہ کھل کر بھاگا اور ایک سپاہی کی کوٹھڑی میں جا چھپا اور کہنے لگا اے لوگو یہ میری کتنی بڑی کرامت ہے کہ ایک گولی نہیں لگی بلکہ میں رہا ہو گیا پھر تو یہ حال ہوا کہ کوئی اُسکی طرف گولی نہیں چلاتا تہا بلکہ صدہا عورت و مرد اُسکے گرد اُس میدان میں جمع ہوکر چلاتے اور غل مچاتے تھے۔ مگر حکام کی تاکید سے سپاہیوں نے پھر اسے پکڑ لیا۔ اور کئی گھونسے مارے اور گولی ماردی گئی اور لاش اسکی گلی کوچوں میں گھسیٹ واکر شہر کے باہر ڈلوائی[۵]۔ باب کی وفات کے بعد شیخ علی نامی ایک بابی نے امیر سلیمان کو اپنا ہم مذہب بناکر اسبات پر آمادہ کیا کہ ناصر الدین شاہ والی ایران کو قتل کرادینا چاہیے اُس نے دس بارہ آدمی اپنے ہم مذہب ساتھ لیکر سواری کے وقت شاہ پر حملہ کیا۔ اگرچہ زخم پورا لگا مگر جان سے بچ گئے۔ تحقیقات کے بعد سلیمان اور شیخ علی اور وہ ہمراہی مروا دیے گئے۔ اور جسقدر بابی ہاتھ لگے وہ ایران سے نکلوا دیے گئے۔ مرزا حسن خلیفہ باب نے جسکا لقب باب نے صبح ازل مقرر کیا تہا اور مرزا حسین جسکا خطاب بہاء الحق ہے بھاگ کر قسطنطنیہ پہونچے اور وہاں بہت سے آدمی اپنے طریقہ میں ملالئے وکیل ایران نے سلطان عبدالعزیز خان سے یہ سارا ماجرا بیان کیا سلطان نے صبح ازل کو تو جزیرہ قبرس میں اور بہاء الحق کو شہر عکہ میں بھیجدیا اور حکم دیا کہ وہاں سے کہیں ٹلنے نہ پائیں۔

نواب صدیق حسن خان مرحوم خطیرۃ القدس میں لکھتے ہیں کہ ۱۲۹۳ھ ہجری میں بہاء الحق کا ایک مرید ہندوستان کو آیا اور علاء الدین احمد خان رئیس لوہارو کو اپنا معتقد کرلیا۔ اور طریقہ بابیہ کے بیان میں ایک رسالہ لکھکر ذکر الاسرار فی معارج الاسفار لمن یرید

---

[۵] دیکھو ناسخ التواریخ

ان یتا یح الی اللہ المقتدر الجبار نام رکھا۔ اور اپنا نام اس رسالہ میں جمال الدین ہروی الاصل قسطنطینی المسکن ظاہر کیا اور رسائیہ بہائیہ کے ساتھ اس رسالہ کو ملقب کیا کیونکہ وہ بہاء الحق کا مرید تھا۔ مضامین اس رسالے کے وحدت الوجود وغیرہ کے قبیل سے ہیں تاریخ گلزار شاہی اور کشکول محمد علی شیرازی میں فرقہ بابیہ کا حال مجملاً اور ناسخ التواریخ میں مفصلاً مرقوم ہے اور سید خیرالدین نعمان آلوسی زادہ مفتی حنفیہ بغداد نے کتاب جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین میں جو بیان کیا ہے وکذا الفرقۃ المعروفۃ بالبابیۃ وھم اتباع محمد حسین واخیہ الذین ادعیا انھما الباب یعنی فرقہ بابیہ محمد حسین اور اسکے بھائی کا متبع ہے جنہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم باب ہیں یہ صحیح نہیں اسلئے کہ یہ فرقہ ان دونوں شخصوں کی طرف منسوب نہیں یہ تو باب کے داعی ہیں اور باب اصل میں خطاب اسی علی محمد کا ہے جسکے سارے بابی متبع ہیں۔ یکم مئی ۱۸۹۶ء کو ناصر الدین شاہ قاچار والی ایران محمد رضا بابی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور انکے فرزند صلبی شاہ مظفر الدین تخت نشین ایران ہوئے۔

فرقہ چہارم نیچری

شہر دہلی جب شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں نہایت تنزل کو پہونچا اور وہاں کے علماء شرفاء و اہل ہنر جو عہد سلطنت شاہ جہان سے آباد تھے ادہر ادہر پریشان ہوکر نکل گئے تو اس زمانہ میں خاص کشمیر یا اسکے نواح کے کچھ لوگ یہاں آبسے۔ فدا حسین رسول شاہی اور دیگر قلندر رنگ نوش سیلی ٹوپی والے آزاد اسی قوم سے گذرے ہیں۔ انہیں سے بعض خانصاحب اور بعض مرزا اور بعض سید اور اسیر صاحب کہلاتے ہیں۔ اس قوم کے بعض لوگوں نے اس اجڑی سلطنت میں کچھ رسوخ بھی حاصل کیا تھا اور کوئی معزز لقب بھی خریدا تھا پس اس کنبے میں سے ایک شخص احمد سید خانصاحب بہادر بھی پیدا ہوئے۔ یہ شخص ابتدا میں مولوی مخصوص اللہ صاحب نبیرہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوکر کسی قدر صرف نحو سے آشنا ہوئے اور تعویذ گنڈے بھی سیکھے۔ لیکن جب یہ نسخہ نہ چلا تو گورنمنٹ برٹش کی طرف رجوع کیا اور اپنی لیاقت خداداد سے کوئی اچھا

سلہ مستفاد از تفسیر حقانی "

عہدہ بھی پایا۔ پھر تو پکے وہابی متبع مولوی اسماعیل صاحب مرحوم کے ہوگئے اور ایک کتاب آثار الصنادید لکھکر شہر کے اہل علم وفضل میں شہرت اور عزت حاصل کی ۱۸۵۷ء میں غدر ہوگیا اور سید صاحب اپنی خیرخواہی اور حکام رسی کے ذریعہ سے بڑی ترقی کر گئے۔ اور اپنی خوش بیانی اور اپنی عالیدماغی کی وجہ سے انگریزوں میں بڑے فاضل فلاسفر یار خادم مانے گئے اور سی ایس آئی کا لقب حاصل کیا اور انہوں نے مسلمانوں کیطرف سے گورنمنٹ کو اطمینان دلانے اور اپنی ترقی اور خیرخواہی کے لئے ایک کتاب تبیین الکلام بائبل کی تفسیر میں لکھکر عیسائیوں اور مسلمانوں کو باہم ملانا چاہا لیکن اس امر محال کے وقوع میں سید صاحب ناکام رہے اس عرصہ میں سید صاحب نے کلکتہ میں برہمو سماج[ف] مذہب کو ہونہار دیکھا اور اسکے اصول کو یورپ کے فلاسفروں اور ایشیا کے

ف راجہ رام موہن نامی ایک بنگالی ہندو نے اہل اسلام اور پادریوں کی کتابوں سے واقف ہوکر ایک نیا مذہب اسلام سے اخذ کیا اور یورپ کے ملحدوں کے خیالات اور کچھ عیسائیونکی عبادات کو ملاکر ایک نیا مذہب بنایا اور اسکا نام اسکو قدیم مذہب ہنود کا عطر کہکے براہم دھرم نام رکھا۔ اس مذہب کے اصول میں آسمانی کتاب قرآن یا وید یا یا توریت کوئی نہیں بلکہ آسمانی دو کتاب ہیں۔ اول طبعی خیالات دوم وہ اصلی صداقتیں جو اخلاق خدا اور بقا کی بابت ہیں۔ انبیا علیہم السلام سے نہ معجزہ ممکن ہے نہ کبھی سرزد ہوا ہے اور نہ اُن سے خدا نے بطریق وحی یا الہام کلام کیا ہے نہ اس قسم کے ثبوت کی کچھ ضرورت ہے بلکہ عقل کافی ہے۔ انبیا اپنے اپنے وقت میں بزرگ اور ناصح اور امورات دینی میں فائدہ بخش تھے مگر وہ معصوم نہ تھے اُنپر دینی ترقی کا خاتمہ ہوگیا۔ بلکہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہونگے اسمیں حضرات موسیٰ وعیسیٰ ومحمد علیہم السلام ونانک وکبیر شریک ہیں یعنے نبوت کے جو معنے اہل اسلام اور اہل کتاب کے ذہن میں ہیں یہ اسکے منکر ہیں اس مذہب میں ہندو مسلمان عیسائی مجوسی جو ان باتوں کے معتقد ہیں شریک ہیں مرنیکے بعد صرف عمدہ کمالات کی خوشی کا نام جنت اور نہ حصول کمالات سے تاسف کرنے کا نام جہنم ہے۔ وسیلہ نجات عبادت ہے اور عبادت کے چار رکن ہیں۔

۱۔ حمد آلہی۔ ۳۔ روح آلہی کا اپنی روح میں مراقبہ کرنا۔

۲۔ خالق کا ہردم شکرگذار رہنا۔ ۴۔ اور اُسی سے دعا مانگنا۔

معلموں کے مطابق خیال پاکر اُسکو از حد پسند کیا۔ اور جو دل میں مراد تھی اسکو بلا محنت و مشقت
پایا لیکن یہ بات نہ تنہا اُنکے مقاصد بلکہ اُنکی شان کے بھی خلاف تھی کہ وہ کھلم کھلا اسلام کو
ترک کر کے ایک بنگالی بابو کے مرید اور امت کہلاتے پس دل میں یہ سوچا کہ برائے نام تو
اسلام ہو مگر اسکو برہمو سماج مذہب کے مطابق کیجئے۔ لفظ نبی اور ملائکہ اور جبریل و جنت
و دوزخ و وحی والہام و شیطان بلکہ سماء و جن کو تو بحال خود رہنے دیجئے اور ہر مسلمان سے
کہئے کہ میں ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں تاکہ مسلمانوں کو مجال تکفیر نہ ہو اور ان الفاظ
کے معانی بالکل پلٹ دیجئے۔ نبی صرف رفارمر ہے کہ جیسیں بڑھئی لوہار کے کام کی مانند اس کو
وعظ گوئی کا ملکہ ہو اور نبوت ہر زمانے میں پائی جاتی ہے بلکہ ہر قوم اور پیشے میں دیکھو نظامی
اور جامی کو پیغمبران سخن کہتے ہیں اس زمانہ میں دیا نند سرستی اور بابو کیشب چندر بنگالی
بھی نبی ہیں اور انگلینڈ میں بھی فلاں فلاں شخص نبی ہیں۔ نبی کے لئے معجزہ یا کرامت
جسکو خرق عادت کہتے ہیں شرط نہیں یہ صرف پرانے خیالات ہیں بلکہ خرق عادت
ممکن ہی نہیں۔ الہام یا وحی خیالات فطری کا جوش ہے اور جبریل جو اسکو لاتا ہے
کوئی شخص خاص نہیں۔ اور اُس نبی کی قوت ہے جو فطرت کے موافق فوارے کیطرح
اُچھلکر اُسے پُر کرتی ہے اور یہی معنے نزول کے ہیں۔ ملائکہ اشخاص متحیزہ بالذات نہیں
قرآن میں جو لفظ ملک یا ملائکہ یا جبریل آیا ہے اُس سے انسان کی قوت ملکیہ مراد ہے جسطرح
شیطان سے قوت بہیمیہ اور جن سے ایک جنگلی قوم کہ جو لوگوں سے پوشیدہ رہتی تھی
اور جنت و دوزخ صرف خوشی و غمی کا نام ہے باقی حوریں اور نہریں اور میوہ جات جو
قرآن اور نبی اسلام نے بیان فرمائی ہیں وہ محض رغبت اور خوف دلانے کو اور
خوشی و غم کی ان چیزوں کے ساتھ تعبیر یا تشریح کردی ہے ورنہ کچھ نہیں ہے آسمان
مراد بلندی سے ہے۔ اور چونکہ یہ بعد غیر متناہی اور متصل یکے بعد دیگرے ہے اسلئے
اسکو سبع سموات کے ساتھ تعبیر کیا۔ اور قرآن کے من اللہ ہونیکی یہ دلیل نہیں ہو سکتی
کہ ویسا فصیح کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا اور نہیں کہہ سکا۔ بہت سے کلام انسانوں کے دنیا
میں ایسے موجود ہیں کہ انکی مثل فصاحت و بلاغت میں آجتک دوسرا کلام نہیں ہوا مگر وہ من اللہ

تسلیم نہیں ہوتے۔ اور جو اس قسم کی آیتیں ہیں مثلاً فاتوا بسورۃ من مثلہ یعنے قرآن کے کسی ٹکڑے کی مانند تم بھی بنا لاؤ۔ اُنمیں کوئی ایسا اشارہ نہیں جس سے ثابت ہو کہ فصاحت و بلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے اُسمیں معارضہ چاہا گیا ہے اور رویت الٰہی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو رویت الٰہی کا سوال کیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اپنے شوق کے سبب سے جسمیں انسان کو ذہول ہو جاتا ہے بھول گئے خدا انکو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیسکتا۔ اور جب بنی اسرائیل نے اپنی حماقت سے چاہا کہ ہم علانیہ خدا کو دیکھ لیں تو حضرت موسیٰ انکو بجز اُسکی قدرت کاملہ کے ایک عظیم الشان کرشمہ کے اور کچھ نہیں دکھا سکتے تھے۔ پس وہ اُنکو کوہ طور کے قریب لیگئے جو اُس زمانہ میں آتش فشان تھا۔ پس اسکی آتش فشانی اور گڑگڑاہٹ اور زور شور کی آواز اور پتھروں کے اُڑنیکے خوف سے وہ بیہوش ہو گئے یا مُردے کی مانند ہو گئے۔ خدا تعالیٰ اُن تمام کاموں کو جو اُسکے قانون قدرت سے ہوتے ہیں خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اسی طرح ان واقعات عجیبہ کو بھی اُس نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور علم آدم الاسماء کلہا یعنے سکھائے آدم کو تمام اسما۔ اس آیۃ میں آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں جسکو عوام الناس اور مسجد کے ملّا باوا آدم کہتے ہیں بلکہ اس سے نوع انسانی مراد ہے۔ اور یہ جو قرآن میں ہے کہ جنات حضرت سلیمانؑ کے حکم کے موافق قلعے اور تصویریں تیار کرتے تھے۔ سید صاحب کہتے ہیں کہ صرف چند لوہار یا کاریگر یہ کام بناتے تھے اور حضرت سلیمانؑ غبارہ پر سوار ہوتے تھے جو دخان یا ہوا کے زور سے چلتا تھا اور کوئی معجزہ کی بات نہ تھی اور حضرت موسیٰؑ جو قوم بنی اسرائیل کو لے کر شہر مصر سے نکلے اور راتوں رات دریائے نیل سے پار اُتر گئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت بسبب جوار بھاٹے کے جو سمندر میں آتا رہتا ہے اُس مقام پر کہیں خشک زمین نکل آتی تھی اور کہیں پایاب رہجاتی تھی۔ بنی اسرائیل خشک اور پایاب راستے سے راتوں رات اُتر گئے اور حضرت موسیٰؑ کا یہ کوئی معجزہ نہ تھا فرعون نے جب تعاقب کیا تو وہ وقت پانی کے بڑھنے کا تھا۔ لمحہ میں پانی بڑھ گیا جیسے اپنی عادت کے موافق بڑھتا ہے اور دریا ہو گیا جس میں فرعون اور اُسکا لشکر ڈوب گیا وقس علیٰ ذالک یہ باتیں سید صاحب کی تفسیر اور پرچہ تہذیب الاخلاق میں موجود ہیں غرضیکہ سید صاحب نے اک جدید

اسلام کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ پرچہ تہذیب الاخلاق مطبوعہ ۱۲۹۶ ہجری صفحہ ۹۱ سے ۹۲ و ۱۰۰
میں یوں فرماتے ہیں الاسلام ھوالفطرۃ والفطرۃ ھی الاسلام یعنے اسلام جو ہے وہ
فطرت ہے اور فطرت جو ہے وہ اسلام ہے اور فطرت اسلام کا دوسرا نام ہے لاندہبی بھی
درحقیقت اسلام ہے کیونکہ لا مذہب بھی کوئی مذہب رکھتا ہے اور وہی اسلام ہے الخ
اور وہی عین فطرت ہے و نیچر ہے جو آدمی نہ کسی نبی کو مانتا ہو اور نہ کسی اوتار کو اور نہ کسی کتاب
الہامی اور نہ کسی حکم کو جو مذاہب میں فرض ور واجب سے تعبیر کئے گئے ہیں بلکہ صرف خدائے
واحد پر یقین رکھتا ہو وہ آدمی کسی مذہب میں نہیں ہے اور جو لوگ خدا کے بھی قائل نہیں ہیں
وہ بھی مسلمان ہیں کیونکہ الخ انکے اہل جنت ہونے میں کیا شک باقی رہا انتہی۔ اسکی تائید میں
سید صاحب ابو ذر کی حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ صحیح بخاری و مسلم میں ان سے مروی
ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی بندہ جس نے لاالہ اللہ کہا پھر اسپر
پھر الیکن داخل ہوگا جنت میں۔ ابوذر کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا گو اس نے زنا
کیا ہو یا چوری کی ہو فرمایا گو اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔ پھر میں نے یہی کہا اور آپنے
وہی جواب دیا۔ چوتھی بار میں فرمایا وان زنی وان سرق علے رغم انف ابی ذر یعنے
اگرچہ زنا اور چوری کرا ور خاک آلودہ ہو نے ناک ابوذر کے یعنے اسبات کو اگرچہ وہ اچھا نہ جانے۔
خطرۃ القدس میں لکھا ہے کہ فرقہ نیچریہ ابھی تک اسی پر قانع ہے کہ زبانی دعوت کرتا ہے
اور بیان کے ذریعہ سے لوگوں کو پھانس رہا ہے۔ ابھی انکو یہ موقع اور قدرت نہیں ملی
اور انکی اتنی جمعیت فراہم نہیں ہوئی کہ ہتھیار اٹھا کر اہل صلاح کے کشت و خون کریں۔

پنجم فرقہ درویشان سوڈان

یہ فرقہ محمد احمد مہدی سوڈانی کا متبع ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ عرب تھا
بلکہ نوبیا کا اصلی باشندہ تھا۔ اور مقام ہیک میں دریائے نیل کے تیسرے آبشار کے قریب ۱۲۶۳ ہجری
میں پیدا ہوا تھا اور بموجب دوسری روایت کے جزیرہ نیٹ ارطی میں جو آروہ یا ڈنگولائی جدید
کے محاذی اور اسی نام کے ایک صوبہ کا دارالحکومت ہے۔ اور دریا سے قریب پچاس میل کے فاصلہ پر
واقع ہے پیدا ہوا تھا۔ جب اس شخص نے اس امر کا اعلان کیا کہ میں وہی مہدی ہوں جنکے پیدا

ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اسوقت عمر اسکی چالیس برس کی تہی۔ یہ شخص بچپنے سے اپنے میں ملہم غیب ہونیکے آثار ظاہر کرتا تہا اور بارہ برس کی عمر میں اس نے قران شریف حفظ کر لیا تہا۔ یہ مہدی لڑکوں کی طرح منشا یہ میں جو سنار کے محاذی میں ایک جزیرہ ہے اپنے چچا شرف الدین کے پاس رہتا تہا اور کشتی بنانیکا کام سیکہتا تہا ایکدن اسکے چچا نے اُسے خوب مارا اور وہ بہاگ کر خرطوم کو چلا گیا اور وہاں درویشوں کے مدرسہ میں داخل ہوا۔ اس مدرسہ میں ایک عالم تہا وہ درویشوں کا پیشوا شمار کیا جاتا تہا یہ مدرسہ ہوقالی نام قریہ میں قریب شہر کے جاری تہا۔ اس مدرسہ میں محمد احمد نے عرصہ تک بکر دینی تعلیم پائی تہی مگر دنیاوی معاملات نوشت وخواند میں اُس نے کوئی ترقی معقول حاصل نہ کی تہی۔ بعد اسکے وہ یہاں سے بربر کو گیا اور وہاں پہونچکر ایک دوسرے مدرسہ میں داخل ہوا۔ یہ مدرسہ شیخ غوبوس کے اہتمام میں تہا اور مثل مدرسہ اول الذکر کے ایک مزار سے متعلق تہا اس مدرسہ میں داخل ہونے سے اُسکی غرض یہ تہی کہ علوم مذہبی کی تحصیل حاصل کرے چنانچہ بعد اسکے وہ اردوب کو جو کانا کے جنوب میں واقع ہے گیا اور شیخ نور الدین کا مرید ہوا اور شیخ نے اُسے درویشی کا لقب عطا کیا۔ دوسری روایت اسکی بہ نسبت لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ جب اسکا باپ مرگیا تو اسکے بڑے بہائیوں نے جو نیل ابیض پر کشتی سازی کا کام کرتے تہے یہ خیال کر کے کہ محمد احمد میں مادہ تحصیل علم کا زیادہ ہے اُسے تعلیم کے لئے ملا عبدالرحیم اور الغروجی کے سپرد کیا۔ جو قریب خرطوم کے رہتے تہے۔ اُن مدرسوں کی تعلیم جہاں محمد احمد نے تربیت پائی مخصوص ومحدود نوشت وخواند وحفظ آیات قرانی پر تا حد امکان تہی اور ان میں جو لوگ عالم ہوتے وہ قران مجید کی تفسیر بہی کرتے تہے۔ اس تعلیم مذہب میں فقہ اسلامی کی بہی تعلیم ہوتی تہی اور ان واعظوں کی ہر درجہ کے لوگوں میں جنہیں وہ وعظ کہتے تہے بہت وقعت ہوا کرتی تہی۔ اقل اس ایک صفت کا ہونا ان درویشوں میں تو اشد ضروری ہے کہ وہ لوگ چند آیات قران جہلی پر لکہ سکیں جسے لوگ بطور تعویذ پہنیں جسکی وجہ سے ہر قسم کی بیماری اور نیزہ اور گولی کے زخم سے محفوظ رہیں اور عورتیں بہی اُسکے پہننے والوں پر فریفتہ ہو جائیں اور اس تعویذ کا اثر لکہنے والوں کے تقوی و پرہیزگاری پر منحصر تہا اور لینے والوں کا تو یہ بہی عقیدہ تہا کہ

درویش کامل کا ہوا اور ابر پر بھی اختیار ہے چنانچہ ایسے عقیدے والے کسیطرح درویشوں کی مخالفت نہیں کرتے اور انکی قدرتہائے مخفیہ سے بہت ترساں رہتے ہیں اور یہ درویش بھی تنباکو نوشی حقہ کشی سے قطعاً پرہیز کرتے ہیں اور اکثر اوقات اپنی تلاوت قرآن شریف و تفسیر میں صرف کرتے ہیں۔ الغرض جب محمد احمد کو لقب درویشی حاصل ہوگیا تو اسکے بعد اس نے جائے سکونت اپنی جزیرۂ غبا کو جو قریب کنانہ کے نیل ابیض پر واقع ہے اور خرطوم سے جنوب کیطرف چار روز کی راہ ہے قرار دی اور زمین میں ایک غار کھود کر اُسمیں اس غرض سے رہنے کا عادی ہوا کہ گھنٹوں تک وہاں بیٹھکر ایک اسم کا ورد کرے چنانچہ بشمول صوم و صلوٰۃ کے خوشبو ملاکر ایک اسم کا ورد کرتا تہا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ پندرہ سال پورے اُس نے اس شغل میں گذارے۔ محمد احمد کی نیک نامی بوجہ اسکے تقدس و اتقا کے دور تک پہیل گئی اور ایک شخص مالدار بنکر بہتیرے مرید اپنے گرد جمع کرلئے اور بہت سی عورتوں کو اپنے نکاح میں لایا۔ شادی کی غرض سے عورتوں کا انتخاب بہت احتیاط سے کرتا تہا یعنی بقارہ کے شیخوں میں سے بڑے بڑے صاحب رعب وداب شیخوں کی لڑکیوں سے عقد کرتا تہا۔ بخیال اسکے کہ چار سے زیادہ تعداد ازواج کی جیسا کہ قرآن میں حکم ہے نہو جائے اُسکی یہ عادت تہی کہ عورتوں کو طلاق دیدیتا تہا اور پہر مطابق اپنے خیال کے اُن سے تعلقات جدید پیدا کرلیتا تہا۔ غرضکہ رفتہ رفتہ اس نے بوجہ اپنے تقدس و ورع کے بڑی نیکنامی حاصل کی اور بہت سے لوگ ہر قسم کے منصب اسکے پیرو اور مرید ہوگئے۔ مدیر یعنے حاکم فشودا نے جسکے تحت میں مقام غبا بہی تہا چاہا کہ اُور گورنران سوڈان کی طرح جیسا کہ وہ لوگ اُن لوگوں کے روپیوں سے جنپر حکمرانی کرتے تہے مالدار بنے تہے میں بہی کچھ حاصل کروں چنانچہ اُس نے اس غرض سے محمد احمد سے بہی ایک غیر معمولی ٹکیس کا مطالبہ کیا اُس نے اس ٹکیس کے دینے سے انکار کیا اسپر مدیر نے یہ کہلا بہیجا کہ اگر تم ٹکیس نہ ادا کروگے تو میں تمکو گرفتار کرکے فشودا میں پکڑوا بلواؤنگا اور ایسے سپاہی تعینات کرونگا جو اس جزیرے سے تمہاری اس تہدید و تخویف کا دفعیہ کریںگے غرض کہ جس وقت وہ سپاہی مدیر نے وہاں تعینات کئے وہ سب قتل ہوگئے اور یہ خبر دور تک منتشر ہوکر بہت بڑے فساد کا باعث ہوئی۔ محمد احمد نے تو اپنے موقع وقت پر

لحاظ کرکے کہ اصلی مہدی کا تیرہویں صدی مطابق ۱۸۸۲ء میں ظہور ہونیوالا ہے یہ ٹھرایا
کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ دو اور اس حیلہ کو پیش کرو جسے با عتبار حالت موجودہ سوڈان سکے
بہت اچھی طرح کریں گے۔ چنانچہ ماہ مئی ۱۸۸۱ء میں اپنے بھائی ہندوردیشوں کو اُس نے یہ
لکھنا شروع کیا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جس مہدی موعود کی بہ نسبت پیشین گوئیاں
کی تہیں وہ مجھی سے مراد تہی اور میں ہی ہوں اور مجھی کو خداوند عالم کیطرف سے سفارت
عطا ہوئی ہے کہ اسلام کی اصلاح کروں اور تمام عالم کو عدل و داد سے بہر دوں تمام
عالم میں ایک ہی شرع اور ایک ہی مذہب اور ایک ہی بیت المال قایم کردوں اور کوئی
شخص عام اس سے کہ وہ نصاریٰ ہو یا مسلمان یا بُت پرست مجھپر یقین نہ لائے اُسے
فنا کردوں۔ ماہ صیام میں اُس نے عام طور سے اپنے مذہب کا اظہار مقام ربہ میں جو قریہ
عنبا کے قریب ہتا کیا اور ہزاروں آومی فوراً اُسکے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ ماہ جولائی میں
رؤف پاشا کو خرطوم میں مہدی کے مضمون خط کی اطلاع ہوئی چنانچہ شروع اگست میں
اُس نے اپنے ایک نقیب ابوسعید نامی کو باین حکم روانہ کیا کہ وہ محمد احمد کو خرطوم میں لے آئے
ابوسعید نے مقام عنبا میں پہونچکر مہدی کو بہت ہی بایہ سر تر پر پایا۔ ابوسعید کے سوال پر کہ
آپکی غرض ان کارروائیوں سے کیا ہے مہدی نے جواب دیا کہ میں خداوند عالم کی جانب
سے مہدی موعود ہوں۔ ابوسعید نے کہا کہ اس ملک کا حکمران بہی مثل آپ ہی کے مسلمان ہے
جسکا جواب مہدی نے یہ دیا کہ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے اسلئے کہ حکمران نے کرسٹانوں کو مجاز
کیا ہے کہ وہ گرجے اپنے اس ملک میں قایم کریں اور امن میں رہیں علاوہ اسکے اُن کرسٹانوں
نے ٹیکس بہی وصول کیے ہیں۔ ابوسعید کی اس نصیحت پر کہ آپ گورنمنٹ مصر سے مخالفت
نہ کریں اپنے آپکو گورنمنٹ مصر کے حوالہ کردیں قبل اسکے کہ بے معین و مددگار ہو کر تاب
مقاومت فوج سرکاری اور بندوق و توپ و جہاز جنگی و دخانی کی نہ لاسکیں مہدی
نے نہایت بہادرانہ طور سے یہ جواب دیا کہ اگر فوج مصری مجھے یا میرے مریدوں کو گولیاں
مارے گی تو اس سے کسی کو ضرر نہ پہونچیگا۔ اور جو جہاز جنگی ہمارے مقابلہ کو آئینگے سب کے سب
ڈوب جائینگے۔ غرضکہ ابوسعید ناکامیاب خرطوم کو واپس آیا۔ رؤف پاشا نے مہدی کی

سزا کے لئے تین سو سپاہی ایک توپ دو دخانی جہاز کے ذریعہ سے مہدی کے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ ۱۱ اگست کی صبح کو فوج بہ سرکردگی علی آفندی قریہ عبا سے تھوڑے فاصلہ پر اُتری علی افندی نے اُترنے کے بعد دیکھا کہ ایک شخص جسکے گرداگرد بہت سے مرید ہیں اس طرف کو چلا آتا ہے یہ سمجھا کہ یہی شخص مہدی ہے اور فوراً چاہا کہ ایک ہی حملہ میں اسکا کام تمام کردے چنانچہ نہایت تیزی سے اُس شخص کے سر پر پہونچکر کہا تو کیوں ضلع میں ایسے فساد برپا کر رہا ہے اور بلا انتظار جواب پانیکے اُسکے گولی ماردی۔ مگر مقتول مہدی نہ تھا ایک دوسرا شخص تھا چند منٹ کے بعد علی آفندی مع اپنے ہمراہیوں کے قتل ہوگیا۔ بقیۃ السیف بحیثیت مجموعی حملہ آور ہوئے لیکن آخر کو سبنے مہدی پر بندوق چلانے سے انکار کیا اگر سرداران مہدی بدستور حملہ کرتے رہے۔ قریب ایک سو تیس سپاہیوں کے اُنھوں نے قتل کئے باقی لوگوں نے اپنے ہتھیار ڈالدیئے اور مفرور ہوئے اسوقت وہ جنگی جہاز بھی قریہ کے پہلو میں پہونچگیا تھا۔ چنانچہ افسر توپخانہ کو حکم دیا گیا کہ وہ مہدی پر گولہ اندازی کرے اسلئے کہ اس مقام سے مہدی چند گزوں کے فاصلہ پر سوار نظر آرہا تھا مگر وہ شخص محض مہدی کی صورت مقدس دیکھکر گھبرا گیا اور پہلے تو عذر کیا کہ گولہ بارود نہیں ملتا بعد اسکے ہوائی گولے اُڑانے لگا مہدی بے تکلف و بہ آرام تمام سوار ہوکر چلتا ہوا اور ابوسعید جو اس فوج کے ہمراہ تھا جان بچا کر مع باقیماندہ فوج کے مفرور ہوا اور خرطوم میں شکست خوردہ پہونچا۔ اس سرکاری فوج کی شکست کا یہ نتیجہ ہوا کہ مہدی کے مرید اور بڑھے اور شہر خرطوم میں ایک قسم کا تردد پیدا ہوگیا۔ پھر محمد سعید یا دوسرا افسر دوسرے لشکر سے مہدی کے مقابلہ کے لئے متعین ہوا مگر یہ بھی ناکامیاب رہا پھر رشید بے حاکم فشودا چار سو قواعددان سپاہی اور ایک ہزار حبشیان شلوک کو ہمراہ لے کر بطور خود بدون حکم رؤف پاشا حاکم خرطوم کے مہدی کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ ۸ دسمبر کو لڑائی ہوئی اور یہ بھی بقارا والوں کے غضبناک نیزوں سے چھد گئے جو مہدی کی اعانت کو جمع ہوئے تھے بعد اسکے بہت سی ریمنگٹن بندوق اور مصالحہ جنگ درویشوں کے ہاتھ آیا۔ اور اسوقت بغاوت چاروں طرف کی ہوا میں پھیل گئی

اور درویش ستیوخ عرب کے یہاں جاتے اور وعظ کرتے پہرتے تھے اور بہتیرے قبیلے نیل ابیض کے واسوڈ اسوقت بہڑوں کیطرح بہس بہنا رہے تہے رؤف پاشا قبل اِس سے کہ کوئی اور تدبیر اِس آفت کے ٹالنے کی سوچے ۱۸۸۱ء میں عہدہ گورنری سے معزول ہوگیا اور عبدالقادر پاشا گورنر جنرل سوڈان مقرر ہوا مریدان مہدی نے پے درپے حملے کرکے قریب کل ملک سنار پر قبضہ کرلیا اور تمام ملک کردفان جوش وخروش سے بہر گیا۔ خاص خاص شہر العبید میں جو پایہ تخت کردفان کا تہا بغاوت چاروں طرف پہیل گئی۔ اسی زمانہ میں محمد طاہا نامی ایک شریف سے جو اپنے کو مہدی کا نائب ظاہر کرتا تہا متواتر سخت لڑائیاں مصری فوج سے ہوئیں اور وہ مارا گیا۔ عربی پاشا کی بغاوت کی وجہ سے عبدالقادر کی عمدہ تدابیر میں ضعف پیدا ہوگیا۔ شروع ستمبر ۱۸۸۲ء میں مہدی ساٹہہ ہزار ہمراہیوں کی جماعت سے جنمیں خاصکر قبیلہ بقارس وحسنیہ کے لوگ بکثرت تہے العبید کے مقابل میں پہونچا۔ ماہ دسمبر میں عربی پاشا کی بغاوت زائل ہونیکے بعد ایک جدید فوج مصر کی سوڈان میں آئی۔ ۵ جنوری ۱۸۸۳ء کو بارو پرا اور ۱۹ جنوری کو العبید پر مہدی کا قبضہ ہوگیا اور وہ بڑے شان وشکوہ سے شہر میں داخل ہوا تمام مصری سپاہی وافسر واہلکار اُسکے مطیع ہوگئے۔ شہر کے کل عیسائی تاجروں نے اسلام قبول کیا۔ مگر رومن کیتہلک کے پادریوں نے تبدیل مذہب سے انکار کیا اسلیئے وہ لوگ قید سخت میں رکھے گئے۔ اس زمانہ سے مہدی کردفان کا مالک وحکمران ہوگیا۔ ابتک درویش لوگ صرف نیزہ وشمشیر سے لڑتے تہے اُنکا یہ مقولہ تہا کہ یہ آتشین حربے کفار کے ہیں۔ لیکن آخر کار جب مصری سپاہی گروہ کے گروہ مہدی سے جاملے تو اُنکے پاس رمینگٹن رئفل بکثرت تہے اور اب وہ لوگ اُن بندوقوں کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکہتے تہے۔ عبدالقادر جبکہ ملک سنار میں کامیابیاں حاصل کررہا تہا دفعۃً قاہرہ کو طلب ہوگیا اور علاءالدین پاشا جو مخالف اسکا تہا بجائے اُسکے گورنر جنرل مقرر ہوا اور ملک سنار کی فوج کا سپہ سالار حسین پاشا ہوا۔ اسی اثنا میں جنرل ہکس جو کہ برٹش فوج مقیم ہندوستان کا ایک پنشن یافتہ افسر تہا خرطوم کی افواج مصری کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا گیا۔ اور ہکس پاشا کے نام سے مشہور ہوا۔ مہدی کے مخبر خاص خرطوم میں بغاوت پیدا کرنے کی تدبیر کرنے لگے۔ مصری سپاہی مہدی کے مقابلہ میں بے سود تہے اسلیئے کہ وہ لوگ کسی طرح جنگ پر راغب نہیں ہوسکتے تہے اور ماہ نومبر میں العبید کے پاس جنگ

ہوئی جنرل ہکس مع کثیر التعداد فوج کے مہدی کے لشکر کے مقابلہ میں مارا گیا عثمان دغمہ جو ایک
بڑی سوداگر کا پوتا تھا جو بردہ فروش بھی تھا اور اسکا بھائی احمد اگست ۱۸۸۳ء میں مہدی کا شریک ہوگیا۔
مہدی نے اُسے مشرقی سوڈان میں اپنی طرف سے امیر مقرر کردیا۔ بعد تباہی لشکر ہکس کے خدیو نے
ایک جدید فوج بکر پاشا کی ماتحتی میں مہدی کے مقابلہ کو روانہ کی۔ مصری افسران فوج جو کھلے کھلا
جانے سے انکار نہ کر سکتے تھے یہ حکم سنکر اُنہیں سوڈان جانا ہوگا رونے لگے۔ مہدی کے
لشکر نے سواکم کی طرف پیشقدمی کی۔ ۱۰ دسمبر ۱۸۸۳ء کو بکر پاشا قاہرہ سے سواکم کو روانہ ہوا۔
مگر درویشوں نے سواکم کی لڑائی میں انکو بھی شکست فاش دی اور مصری فوج ایک وحشیانہ طور سے
ماری گئی۔ اور بہت سے انگریزی افسر جو اس فوج کے ساتھ تھے کام آئے اور باقی ماندہ فوج سواکم
کو لوٹ آئی۔ اور ماہ فروری ۱۸۸۳ء میں انگریزی امیر البحر ہیویٹ جس نے سواکم کے پاس کچھ
فوج سرکار انگریزی کی اُتاری تھی جنگ کے لئے حسین پاشا کی جگہ مقرر ہوا اور بکر پاشا اور انکی مفرور
فوجوں کے واپس آنے کا قاہرہ سے حکم جاری ہوا۔ اور طوقار کی پناہ دہی اور امداد کے لئے افواج
انگریزی مقیمہ مصر کی روانگی کا بندوبست کیا گیا ہکس پاشا کی فوج کی بربادی سے قاہرہ میں فوراً
ملکی نتائج نمایاں ہونے لگے اور اُس فوج کی شکست کے بعد ہی اکثر چھوٹی چھوٹی شکستیں افواج
مصری کی سواکم کے قرب وجوار میں ہوئیں اور چونکہ گورنمنٹ مصر میں بغاوت کے رفع کرنے
کی قوت نہ تھی اسلئے انگریزی سپہ سالار مقیمہ مصر اور شریف پاشا وزیر اعظم مصر نے یہ تجویز کی
کہ مختلف حصوں سوڈان سے فوج واپس کرلی جائے۔ حفاظت مصر کے لئے دریائے نیل پر خرطوم
تک قبضہ رکھنا چاہیئے اور بحر احمر سے مشرقی سوڈان کا حصہ گورنمنٹ اٹلی کے سپرد کریں انگریزوں
نے اس رائے کے ساتھ رضامندی ظاہر کی اور یہ بات تجویز ہوئی کہ ایک انگریزی افسر اعلیٰ
با ختیارات کامل خرطوم کو اس غرض سے روانہ کیا جائے کہ فوج کو سوڈان سے واپس بھیجے۔ اور
حتی الامکان آئندہ کے لئے وہاں عمدہ انتظام بقائے حکومت وملک کے لئے کرے۔ اور
جنرل گارڈن اس کام پر مقرر ہوکر ۲۷ جنوری کو خرطوم کو بحیثیت اعلیٰ کمشنر برٹش گورنمنٹ کے
اور خدیو مصر کی طرف سے گورنر جنرل سوڈان مقرر ہوکر روانہ ہوا۔ ۹ فروری کو گارڈن نے
بربر میں پہونچکر ایک اشتہار آزادی سوڈان کا جاری کیا اور نصف محصول بھی معاف کردیا اور

علے العموم لوگوں کے قصور بخشدیئے بلکہ یہاں تک کیا کہ باشندگان سوڈان کو امتیاز دیا کہ وہ لونڈی اور غلام رکھیں اور اسی اشتہار کے ذریعہ سے مہدی کو سلطان دارفوج مقرر کیا اور کچھ تحفے بھی اُسے بھیجے۔ مگر مہدی نے انکار کیا۔ اور گارڈن سے مسلمان ہونیکی درخواست کی اور مہدی نے گارڈن کے لئے ایک لباس درویشی کہ ایک پیوند لگا ہوا کثیف پیراہن تھا بطور تحفہ کے بھیجا تھا وہ گارڈن نے واپس کر دیا تو مہدی نے بھی وہ تحفے جو گارڈن نے اُسے بھیجے تھے واپس کر دیئے۔ جنرل گارڈن کی کارروائیوں میں جو امن و امان پر مشتمل تھیں رفتہ رفتہ کمی آنے لگی اور وہ ایک سخت مصیبت میں پھنس گیا۔ اور مہدی نے ایسی شکستیں دیں کہ اسکی فوج کا دل چھوٹ گیا بلکہ اسکو وہاں سے سلامت واپس چلا آنا مشکل ہوگیا۔ گورنمنٹ انگلستان نے انکی کمک کے لئے ایک فوج لارڈ ولسلی کی ماتحتی میں روانہ کی۔ اصلی غرض اس جدید فوج کشی سے جنرل گارڈن اور کرنیل سٹوارٹ کا خرطوم سے بچا کر واپس لانا تھا اور اس سے زیادہ کسی اور قسم کی کارروائی مقصود نہ تھی اسلئے کہ برٹش گورنمنٹ کی یہ رائے قایم ہو گئی تھی کہ سوڈان حکومت مصر میں باقی نہ رہے۔ اگر رہے بھی تو وادی خلفا تک یعنے دوسری آبشار تک اور قریب دو سو میل کے بالا ئے قدیم سرحدی قریہ اسوان کے شروع اکتوبر ۱۸۸۴ء میں لارڈ ولسلی نے وادی خلفا میں پہونچکر فوج کی روانگی کا حکم دیا۔ ۲۰ اکتوبر کی صبح کو وہ خلفا سے روانہ ہوئے۔ مہدی نے خرطوم کا محاصرہ کر لیا تھا اُسکے ساتھ عیسائی قیدی لباس درویشی میں فوجی خدمات پر مامور تھے اور مہدی کے سرداروں سے اور شہر خرطوم والے لوگوں سے خفیہ صلاح اور مشورے ہونے لگے۔ شیخ الاسلام اور قاضی اور مفتی اور حاکم اور عربی پاشا کا سکرٹری جو بوجہ جلاوطنی کے وہاں رہتا تھا وغیرہ اشخاص اس صلاح و مشورے میں شریک تھے مگر بوجہ اشتعال بغاوت کے مجال دم زدن نہ تھی اور ان لوگوں کی سزادہی میں مبادرت نہ ہو سکتی تھی سرکاری کمک بالکل بے سود ہو گئی۔ کیونکہ لارڈ ولسلی وقت پر خرطوم نہ پہونچ سکے اور گارڈن کو نہ بچا سکے۔ اور مہدی نے ۲۶ جنوری ۱۸۸۵ء کی شب کو خرطوم فتح کر لیا شہر کے دروازے کھل گئے اور ایک سخت قتل عام شروع ہوا۔ جنرل گارڈن بھی مارا گیا اور بہت سے انگریز مشبول یونانیوں کے جو سلاح خانہ پر متعین تھے اور اکثر معزز لوگ قتل

ہوئے سفیر اسٹریا بھی مارا گیا۔ اور سفیر یونان اور ایک ڈاکٹر قتل سے بچکر قید ہوا۔ عورتوں اور بچوں کے سنہرے اور روپہرے زیور اور جواہرات چھین لئے گئے۔ اور قبیلہ بشاریز کے سوداگروں کے ہاتھ بہتسی لونڈی غلاموں کے فروخت کر دیئے گئے اور انگریزی و مصری اور سرکیشیا کی سفید رنگ عورتیں سب کی سب فروخت کر ڈالی گئیں۔ بعض تین سو چالیس روپیہ یا نائید پر بعض دس پاس پر باعتبار اپنی عمر وحسن کے اور حبشی عورتیں سو اور اسی اور ستر روپیہ تک بیچڈالی گئیں۔ اور اُنکے شوہر اور آقا اُنکے سامنے قتل کر ڈالے گئے۔ دوپہر تک یہ جنگ اور قتل عام جاری رہا۔ دوپہر کے بعد لوٹ کے لئے جھگڑا اور فساد شروع ہوا۔ اور نماز مغرب تک بجز کوسنے اور بد دعاؤں کے اور کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔ نہ تو موذن نے آذان دی اور نہ کوئی نماز مسجد میں ادا کی گئی۔

وفات سے قبل مہدی کے اقتدار اور سطوت میں بہت کچھ ضعف بہ سبب قحط اور جنگ کے آگیا تھا۔ ماہ مارچ ۱۸۸۵ء میں مولوی حسن علی مخالف مہدی نہایت تزک اور احتشام سے العبید میں داخل ہوا گھوڑے پر سوار اور ایک برہنہ شمشیر ہاتھ میں لئے ہوئے کہتا جاتا تھا کہ یہ تلوار مجھے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے مہدی کے قتل کرنے کے لئے اور کافروں کے مصر سے نکالنے کے لئے عطا فرمائی ہے اور چندروز بعد اس مولوی کے مقلدین نے پیروان مہدی کو ایک شکست دی اور اُسکے سرداروں کو قتل کر ڈالا مہدی نے چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ ام درمان میں اپنا ہیڈ کوارٹر قایم کیا تھا اور یہاں وہ سفید کُرتہ پائجامہ پہنے رہتا تھا اور مرصع کار عصا اپنے پاس رکھتا تھا اور مصر پر حملہ کرنیکے لئے فوج جمع کرتا تھا۔ کہ ۱۸ جون ۱۸۸۵ء کو عارضہ چیچک میں مبتلا ہوا۔ مرتے وقت اپنے پاس اپنے بھتیجے کو خیمہ کے اندر بلایا اور اپنی تلوار اُسے دی اور اپنا جانشین اُسے مقرر کیا۔ دوسرے روز مہدی کی حالت خراب ہوگئی۔ اور اپنے اعزہ و اقربا کو الوداع کیا اور یہ وصیت کی کہ انگریزوں سے سلسلہ جنگ برابر جاری رکھنا اُسی روز پانچ بجے قریب شام اُسکا انتقال ہوگیا۔ اور فوراً ہی دفن کر دیا گیا۔ اور جس خیمہ میں وہ تھا جلا دیا گیا۔ عبداللہ خلیفہ تعایشی چار خلفاء میں سے جسے مہدی نے نامزد کیا تھا بعد

اپنی جانشینی کا ہوا لیکن اسکی اطاعت عام لوگوں نے نہ تسلیم کی اور سخت نزاع واقع ہوئی مہدی کے دفن ہونے کے بعد عبداللہ ام درمان سے مہدی کی فوج اور خزانہ جسے اُس نے فراہم کیا تھا چھوڑ کر خرطوم چلا آیا۔ اور محل شاہی میں قیام پذیر ہوا۔ اور فوج جو ام درمان میں تھی اُسے مہدی کا خزانہ دینے سے انکار کیا اور وجہ انکار یہ بیان کی کہ میں نے چاہا کہ یہ لوگ متصل کافروں سے جنگ و پیکار کریں مگر یہ لوگ نہ گئے چندروز بعد اسکے درمیان قبیلہ بغارا اور شہر والوں کے ایک ہنگامہ واقع ہوا اور کسی قدر ایک فوج بھی انکی مدد کو آئی۔ عبداللہ یہ قصد کرکے کہ اس ہنگامہ میں جلکر امن قائم کیجئے قرآن ہاتھ میں لئے ہوئے آیا مگر اُسکی کہنی میں ایک تلوار لگی اور قریب المرگ ہوگیا اسی حالت میں اُسے لوگ محل میں اُٹھا لائے۔ الغرض پیروانِ عبداللہ نے اپنے مخالفین کو پسپا کر دیا اور شہر پر بدستور قابض رہے۔ ؎

اب تک یہ عبداللہ زندہ ہے اور گورنمنٹ مصر انگریزوں کی مدد سے اس سے وقتاً فوقتاً جنگ کرتی ہے اور پے درپے شکستیں دے رہی ہے۔ چنانچہ مقام خرطوم و بعض مقامات بربر وغیرہ بھی اسکے ہاتھ سے چھین لئے ہیں اور اکثر مقامات سے درویش شکست کھاکر ہٹ گئے ہیں حکومت مصر قایم ہوگئی ہے۔

ششم

اس زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کیا ہے کہ میں وہی عیسےٰ مسیح ہوں جنکی قیامت کے قریب موجود ہونیکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ انکے زعم میں یہ بات صحیح نہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور زندہ ہیں۔ مرزا جی اپنے دعوےٰ کی تائید میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز اور قرآن کریم میں ان کو

؎ ۱۸۹۸ء میں جبکہ یہ کتاب ختم ہوچکی تھی انگریزوں نے مصری فوجوں کے ساتھ سردار کچنر سپہ سالار افواج مصر کی سرکردگی میں ام درمان کو فتح کیا اور چند ماہ بعد دسمبر ۱۸۹۹ء میں خلیفہ عبداللہ معہ اپنے تمام امیروں اور اکثر حصہ فوج کے مارا گیا۔ اسکا ایک سپہ سالار عثمان دقنہ بھاگ گیا تھا وہ بھی گرفتار ہوگیا۔ ۱۲

متوفیوں کی جماعت میں داخل کرچکا ہے اور سارے قرآن میں ایک دفعہ بھی اُنکے خارق عادت زندگی اور اُنکے دوبارہ آنیکا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ انکو صرف فوت شدہ کہکر پھر چپ ہوگیا۔ لہذا انکا زندہ بجسدہ العنصری ہونا اور پھر دوبارہ کسی وقت دنیا میں آنا نہ صرف اپنے ہی الہام کے رو سے خلاف واقع سمجھتا ہوں۔ بلکہ اس خیال احیات مسیح کو نصوص بینہ قطعیہ قرآن کریم کی رو سے لغو اور باطل جانتا ہوں۔ اور نہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل موجود ہے جس نے متوفی کے لفظ کی کوئی مخالفانہ تفسیر کر کے مسیح کی حیات جسمانی پر گواہی دی ہے۔ بلکہ بخاری میں بجائے ان باتوں کے اماکم منکم لکھا ہے اور حضرت مسیح کی وفات کی شہادت دی ہے۔ انتہیٰ کلامہٗ۔ مسلمانوں نے مرزا کو مسیح الدجال کا خطاب دے رکھا ہے۔ مسیح اسم مشترک ہے۔ دجال اور عیسیٰ میں۔ مگر دجال کو خالی مسیح نہیں کہتے دجال کے ساتھ مقید کر کے کہتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کو خالی مسیح ہی کہتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کو مسیح کئی سبب سے کہتے ہیں (۱) جب وہ اندھے اور کوڑھی کو چھوتے تو وہ اچھے ہو جاتے (۲) وہ ماں کے پیٹ سے آلائش سے پاک صاف پونچھے ہوئے نکلے تھے (۳) مسیح صدیق کے معنی میں ہے (۴) بعضے کہتے ہیں کہ اُنکے پاؤں کا تلوا ہموار رہتا نہ خمدار کہ اُسمیں گڈھا ہو جیسا کہ لوگوں کا ہوتا ہے (۵) یا مسیح اسلئے کہتے ہیں کہ زبان عبرانی میں مسیحا کے معنے مبارک کے ہیں (۶) یا مسیح اسلئے کہتے ہیں کہ بہت مساحت کرتے تھے۔ یعنے ملک میں پھرتے رہتے تھے اور یہ وجہ تسمیہ مشترک ہے حضرت عیسیٰ اور دجال میں اور دجال کو بھی مسیح کہتے ہیں۔ اسکی بھی کئی وجہ بیان کی ہیں (۱) دجال کی ایک آنکھ ممسوح اور ہموار ہوگی اور ممسوح الوجہ اور مسیح الوجہ اُسے کہتے ہیں جسکے منہ کی ایک طرف ہموار ہو آنکھ اور بھوں نہ ہو۔ بخاری و مسلم میں عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان المسیح الدجال اعور عین الیمنٰی کان عینہ عنبۃ طافیۃ تحقیق مسیح دجال کی داہنی آنکھ کانی ہوگی گویا آنکھ اسکی انگور کا دانہ ہے پھولا ہوا۔ اور مسلم میں ایک روایت یوں ہے ان الدجال ممسوح العین علیہا ظفرۃ غلیظۃ

یعنے آنکھ دجال کی مٹی ہوئی ہوگی یہانتک کہ اسپر آنکھ کی علامت نہ ہوگی اور اسپر موٹا ناخنہ ہوگا۔ جبکہ ممسوح کے یہ معنے ہیں کہ ایک طرف آنکھ اور بھوں اصلا نہ ہو صاف جگہ ہو تو اسمیں ناخنہ ہونیکے کیا معنے ہونگے۔ مگر یہ کہ ممسوح سے مراد معیوب مطلق رکھیں تو مطلب بن سکتا ہے۔ اور عور کے معنے ہی اصل میں عیب کے ہیں یا یہ کہ ناخنہ دوسری آنکھ پر ہوگا۔ اور یہاں دوسری دقت یہ ہے کہ حذیفہ سے مسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدجال اعور عین الیسرے یعنے دجال کی بائیں آنکھ کانی ہوگی۔ اور راوی کی روایات سے دائیں آنکھ کا کانا اور ایک کا ممسوح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس تطبیق انمیں یہ ہے کہ ایک آنکھ اسکی بالکل نہ ہوگی اور دوسری عیب والی ہوگی پس صحیح یہ ہے کہ ہر ایک آنکھ کو عور یعنے عیب دار کہا جائے اور تحقیق سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انمیں سے ایک بات بہ سبب بھول راوی کے ہوگی۔ (۲) یا اسلئے مسیح کہتے ہیں کہ دجال سے مسح کی گئی یعنے پونچھی گئی۔ اور دور کی گئی ہے خیر و خوبی جیسے کہ مسح کی گئی ہے حضرت عیسےٰ سے شر و بدی۔ پس وہ مسیح الضلالۃ ہے اور حضرت عیسےٰ مسیح اللہ ہیں۔ اور حضرت عیسےٰ کا نام مسیح میم کی زیر اور سین مشدد کے ساتھ بھی آتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ مشدد نام دجال کا ہے اور مخفف نام حضرت عیسےٰ کا۔ اور یہ جو کہا ہے کہ دجال کا نام مسیخ ہے خائے معجمہ کے ساتھ یہ خطا ہے۔

مرزا کے حالات اور زیادہ تحقیق معاملات منظور نہیں۔ اخبارات ہندوستان اور متفرق رسالوں میں یہ مباحث چھپتے رہتے ہیں اور انکے دعوے اور انپر اعتراضات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ میں تو صرف حضرت عیسےٰ کا زندہ بجسدہ العنصری ہونا اور انکا آسمان پر اٹھالیا جانا اور یہودیوں کا انکو سولی نہ دے سکنا ثابت کرتا ہوں۔ اور انکی نسبت جو متوفی کا لفظ وارد ہے اسکا اور ”اماکم منکم“ کا مطلب کھولے دیتا ہوں۔ اور احادیث صحیحہ میں یہ دکھائے دیتا ہوں کہ جب قیامت کے قریب امام مہدی رضی اللہ ظاہر ہونگے اور یہود میں دجال پیدا ہوگا تب حضرت عیسےٰ آسمان سے زمین پر اترینگے تاکہ مرزا کے اوعا کی تکذیب کھل جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخر زمانہ

میں دنیا میں نزول فرماوینگے۔ نفحات النبویہ فی الفضائل العاشوریہ کے صفحہ ۲۴ میں مذکور ہے کہ یہود حضرت عیسٰےؑ کو سولی دیدینے کے باب میں جو شبہہ میں پڑ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے اُنکے شبہ کی حکایت سورۂ نساء میں کرتا ہے وقولھم انا قتلنا المسیح ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم یعنے بسبب کہنے اُنکے کے کہ ہم نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو کہ پیغمبر اللہ کا تھا مار ڈالا۔ اور نہ اسکو مارا ہے اور نہ سولی پر چڑھایا ہے ولیکن وہی صورت بنگئی اُنکے آگے۔ وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ یعنے جن لوگوں نے اختلاف کیا اس معاملہ میں وہ اس جگہ شبہ میں پڑ گئے ہیں کچھ نہیں انکو اسکی خبر مگر اٹکل پر چلنا اور نہیں قتل کیا اُسکو بے شک بلکہ اُٹھا لیا اُسکو اللہ نے اپنی طرف۔ جلد اول تفسیر کشاف مطبوعہ قاہرہ کے صفحہ ۴۰۰ پر ولکن شبہ کی تفسیر یوں کی ہے کہ جب یہود کے ایک گروہ نے حضرت عیسٰے کو اور انکی والدہ کو برا بھلا کہا تو اُنہوں نے اُنکے حق میں بددعا کی اللہ نے انکو مسخ کر دیا۔ کوئی سور ہوگیا کوئی بندر بنگیا۔ تو یہود نے جمع ہوکر یہ مشورہ کیا کہ انکو قتل کر ڈالنا چاہیے اللہ نے حضرت عیسٰےؑ کو کہلا بھیجا کہ تم کو میں آسمان پر اُٹھالونگا اور یہود کی نجس صحبت سے پاک کر دونگا۔ یہودیوں نے حضرت عیسٰے کو قتل کرنیکے لئے ایک جگہ قید کر دیا حضرت عیسٰے نے حواریوں سے کہا کہ تم میں سے کون بخوشی میری صورت قبول کرتا ہے تاکہ اسکو اللہ اسکے اجر میں جنت دیوے۔ اُنمیں سے ایک نے کہا کہ یہ بات مجھے منظور ہے یہ کہنا تھا کہ اسکی شکل مسیح کی سی ہوگئی۔ اور وہ آسمان پر چلے گئے۔ یہود نے اُس حواری کو سولی دیدی۔ اور بعضے کہتے تھے کہ ایک حضرت عیسٰے کے ساتھ منافقانہ عقیدت رکھتا تھا جب یہود نے حضرت عیسٰے کے قتل کا تہیہ کیا تو اُس نے اُن سے کہا کہ میں تمہیں حضرت عیسٰی کا پتہ دیدونگا اور وہ حضرت کے مکان میں گیا۔ اللہ نے انکو تو آسمان پر اُٹھالیا اور اُسکو حضرت عیسٰے کے مشابہ کر دیا۔ یہود نے پیچھے سے آکر اُسے حضرت عیسٰے سمجھکر مار ڈالا اور پھر اس شخص کی تلاش کے بعد بعض کہنے لگے کہ حضرت عیسٰے اللہ تھے اُنکا مقتول ہونا صحیح نہیں اور بعض نے کہا تحقیق وہ مارے گئے اور بعض کہنے لگے کہ اگر یہ مقتول حضرت عیسٰے ہیں تو ہمارا یار کہاں ہے اور اگر ہمارا

یار ہے تو حضرت عیسٰے کدہر ہیں اور بعض کہنے لگے کہ وہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے۔ اور بعض کہنے لگے کہ اسکا منہ تو حضرت عیسٰے کا ہے مگر بدن ہمارے یار کا ہے۔ اور جلد اول مجمع البیان مطبوعہ طہران صفحہ ۲۰ میں جبائی سے نقل کیا ہے کہ یہود نے ایک آدمی کو اونچی جگہ پر سولی دی کہ کوئی اُسکے پاس نہ پہونچ سکتا تہا اُسکا بدن متغیر ہوگیا اور کہنے لگے کہ ہم نے حضرت عیسٰے کو مار ڈالا تاکہ عوام کو معلوم ہوجائے کہ حضرت عیسٰے مارے گئے اسلئے انہوں نے انکا مکان گھیر رکھا تہا۔ جب اندر داخل ہوئے اور وہاں حضرت عیسٰے کو نہ پایا تو خاص یہود کو یہ خوف ہوا کہ شاید عوام اس وجہ سے اُنپر ایمان لے آویں۔ اور جنہوں نے حضرت عیسٰے کے باب میں اختلاف کیا ہے وہ انکو سولی دینے والے یہود کے علاوہ تہے۔ کیونکہ سولی دینے والے تو اصل ماجرے سے واقف تہے۔ انتہیٰ۔ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکہا ہے کہ زمانہ نبوت میں ایسے خوارق عادات کا ظہور بعید نہیں ہے۔ اور امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر کی جلد سوم کے صفحہ ۱۰۵ میں لکہا ہے کہ اگر یہ جایز ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک انسان کو دوسرے انسان کی صورت پر کردیتا ہے تو اس سے سفسطہ کا دروازہ کہل جائیگا اسلئے کہ ہم نے زید کو دیکہا پس یہ خیال ہوسکتا ہے کہ شاید یہ زید نہ ہو کوئی اور شخص ہو کہ اُسکی صورت زید کی سی ہو گئی ہو۔ اس صورت میں نہ طلاق کا نہ نکاح کا نہ ملکیت کا اعتبار رہیگا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اس سے تواتر میں خرابی لازم آتی ہے کہ اسلئے کہ خبر متواتر سے علم کا فایدہ جب حاصل ہوتا ہے کہ وہ محسوس پر منتہی ہو۔ اور جبکہ محسوسات میں یہ شبہ پڑ گیا تو متواترات پر بہی اعتبار نہ رہیگا اور اس سے تمام شرایع میں خرابی واقع ہوجائے گی۔ اور اس سے انبیا کی نبوت پر طعن لازم آتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب صورت کے بدلنے سے اصول بگڑتا ہے تو یہ صحیح نہیں۔ جواب اسکا یہ ہے کہ علما کی رائیں اس معاملہ میں مختلف ہیں اور اُنہوں نے اسمیں دو طریق لکہے ہیں۔

طریق اول بہت سے متکلمین یہ کہتے ہیں کہ یہود نے جب حضرت عیسٰے کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ نے اُنکو آسمان پر اُٹہا لیا سرداران یہود کو عوام میں فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہوا اسلئے ایک آدمی کو پکڑ کر قتل کیا اور سولی دی اور لوگوں پر ظاہر کر دیا کہ ہم نے عیسٰے کو سولی دے دی

اور لوگ چونکہ حضرت عیسےٰ سے صورت شناس نہ تھے صرف اُنکا نام سنتے تھے کیونکہ حضرت عیسےٰ لوگوں سے میل کم رکھتے تھے اسلئے اُنکو یقین آگیا۔ اس صورت میں اعتراض مذکور وارد نہیں ہوسکتا واہ نصارےٰ کیطرف سے اگر اسبات کا دعویٰ پیش ہو کہ ہم کو اپنے بزرگوں سے خبر متواتر کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عیسےٰ بالضرور مصلوب ہوئے ہیں تو یہ خبر متواتر انکی اسلئے نامعتبر ہے کہ اسکا تواتر تھوڑے سے آدمیوں پر منتہی ہوتا ہے جنکی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ عجیب نہیں جو اُنہوں نے کذب پر اتفاق کرلیا ہو۔ طریق دوم یہ ہے کہ اللہ نے حضرت عیسےٰ کی سی صورت ایک اور آدمی کی کردی۔ پھر اسمیں کئی قول ہیں کہ وہ آدمی انکے حواریوں میں سے تھا۔ یا وہ شخص تھا جو سردار یہود کے حکم سے حضرت عیسےٰ کو قتل کرنیکے لئے لانے کو مکان میں گھسا تھا۔ یا وہ شخص تھا جسکو یہود نے پہاڑ کی غار میں حضرت عیسےٰ کی حراست کے لئے متعین کردیا تھا یا وہ شخص تھا جو حضرت عیسےٰ سے منافقانہ عقیدت رکھتا تھا۔ اور یہود کو انکے بتانے کے لئے مکان کے اندر گیا تھا۔ چونکہ یہ سب وجہیں باہم مخالف ہیں اسلئے قابل التفات نہیں اسلئے کہ ایک کو دوسری نے غلط کردیا ہے۔ پس طریق اول صحیح و درست ہے اور نتیجہ یہ نکلا کہ شُبِّہَ لَهُمْ سے مراد یہ نہیں کہ کوئی اور شخص حضرت عیسےٰ کی صورت پر ہوگیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ شبہ ڈالا گیا اُنکے لئے اور وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا میں دو معنے کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اسبات کی خبر دیتا ہے

سلہ اجوبۃ الفاخرہ عن الاسئلۃ الفاجرہ میں مذکور ہے کہ یوحنا باوجودیکہ حضرت عیسےٰ کے حواری تھے مگر اُنکے آسمان پر چڑھنے سے غفلت کی ذکر نہ کیا اور مرقس ولوقا باوجودیکہ حواری نہ تھے مگر اُنہوں نے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے لیکن ان دونوں میں بھی باہم اختلاف ہے۔ مرقس نے کہا ہے کہ مسیح کھڑے تھے اور اپنے شاگردوں کو بند و نصائح کیا اوپر چڑھ گئے۔ اور لوقا نے کہا ہے کہ وہ اُسکے چالیس دن کے بعد آسمان پر چڑھے ہیں اور متی نے کہا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کو فیلاطس سردار کے پاس لیگئے تو اُس نے کہا کہ انہوں نے کیا کیا ہے پس یہود چلا اور کہنے لگے کہ سولی دی سولی دی سردار نے اسوقت پانی مانگا اور ہاتھ دھوکر کہا کہ میں اس صدیق کے خون سے بری ہوں تم جانو۔ اور یوحنا نے اس قول کی تکذیب کی ہے اور کہا ہے کہ اس سردار نے عیسےٰ علیہ السلام کو مارا پھر یہود کے سپرد کردیا۔ پس جبکہ انکے متقدمین میں اسقدر اختلاف ہے تو انکی روایات اور بیانات کا کیا اعتبار ہے ۱۲ منہ

کہ یہود کو اسمیں شک ہے۔ کہ ہم نے حضرت عیسےٰ کو قتل کیا ہے یا نہیں پھر اللہ پاک اپنے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو یقین دلاتا ہے۔ یعنے کہتا ہے کہ اس امر کا یقین حاصل ہے کہ اُنھوں نے حضرت عیسےٰ کو قتل نہیں کیا۔ دوسرا یہ کہ یہود نے جب اُس شخص کو قتل کیا تو اُنکو یہ یقین نہ تہا کہ ہم نے حضرت عیسےٰ ہی کو قتل کیا ہے بلکہ قتل کے وقت اس شک پر تھے کہ یہ عیسےٰ ہیں یا ہمارا یار ہے۔ مگر پہلا احتمال راجح ہے۔ یعنے خدا تعالیٰ اپنے حبیب کو حضرت عیسےٰ کے مقتول نہ ہونے کا یقین دلاتا ہے اسلئے کہ اللہ نے بعد اس بیان کے کہا ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ تو مطلب یہ ہوا کہ یہود اس شک میں ہیں کہ ہم نے حضرت عیسےٰ کو قتل کیا ہے یا نہیں۔ اور اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے اُنکو قتل نہیں کیا بلکہ اُنکو اللہ نے اپنی طرف اُٹھالیا ہے۔ کیونکہ اُٹھانا تو جب ہی صحیح ہوگا کہ پہلے اُس سے عدم قتل کا یقین حاصل ہو چکے۔ امام رازی کہتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ کا آسمان پر اُٹھالیا جانا اس آیت سے بخوبی ثابت ہے۔ اور نظیر اسکی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (جس وقت کہا اللہ نے اے عیسےٰ میں تجھکو لینے والاہوں اور اُٹھانیوالا ہوں تجھکو اپنی طرف اور پاک کرنیوالاہوں تجھکو اُن لوگوں سے کہ کافر ہوئے) اس آیت میں متوفیک کے معانی بیان کرنے میں بہت تاویلیں کی گئی ہیں۔ بعض اس آیت کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر مانتے ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اسکی کچھ ضرورت نہیں ظاہر الفاظ جس ترکیب کے ساتھ موجود ہیں یہی درست ہے۔ مذہب ثانی والے کئی وجوہ کے ساتھ متوفیک کے معانی بیان کرتے ہیں۔ تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ مُتَوَفِّيْكَ قابضک کے معنے میں ہے۔ یعنے لینے والاہوں تجھکو اپنی طرف وَرَافِعُكَ اِلَىَّ من الدنيا من غير موت انتہے۔ یعنے اُٹھانیوالاہوں تجھکو اپنی طرف دنیا سے بغیر موت کے پس اس صورت میں جملہ رافعک عطف تفسیری ہوگا۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فتح الرحمن میں لکھا ہے "اے عیسےٰ ہر آئینہ من بر گزیدم ترا یعنے ازیں جہان" اور موضح القرآن میں شاہ عبدالقادر صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ "تجھکو پھر لونگا" کیا ہے۔ اور تفسیر

مدارک میں مُتَوَفِّیکَ کے معانی کئی طور پر لکھے ہیں (۱) مُتَوَفّی توفیہ سے مشتق ہے جسکے معنے استکمال ہیں۔ یعنے کامل کرنے والا تیری مدت عمر کا ہوں۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ میں محفوظ رکھنے والا ہوں تجھکو اس سے کہ کفار قتل کریں اور ماریوالا ہوں تجھکو تیری موت کے ساتھ نہ کہ کفار تجھکو قتل کرینگے۔ (۲) مارنے والا ہوں تجھکو تیرے وقت میں بعد نازل ہونیکے آسمان سے اور اُٹھانیوالا ہوں تجھکو اب کیونکہ واو جمع کے واسطے ہے اسمیں ترتیب لازم نہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ ساری باتیں ظہور میں آوینگی مگر ترتیب ضرور نہیں کہ اول وفات واقع ہو پیچھے آسمان پر چڑہائے جائیں پس آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالی حضرت عیسے کے ساتھ یہ معاملات کرے گا۔ مگر یہ کب کرے گا اور کس طرح کرے گا اسکی تحقیق دلیل پر موقوف ہے اور بیشک دلیل ثابت ہے اسبات کہ وہ زندہ ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ وہ زندہ ہیں قیامت کے قریب زمین پر اُترینگے اور دجال کو قتل کرینگے اسکے بعد خدا آنکو وفات دیگا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عیسے زمین پر نازل ہونیکے بعد سات برس دنیا میں رہینگے اور ابن جوزی نے عبداللہ بن عمر سے کتاب الوفا میں روایت کی ہے کہ حضرت عیسے زمین پر اُترینگے۔ اس کے بعد ۴۵ برس سال رہینگے بعد ازاں وفات پائینگے اور قبر مبارک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوں گے۔ علمانے دونوں روایتوں کی تطبیق میں گفتگو کی ہے مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ صحیح مسلم کی روایت مرجح ہے (۳) وفات دینے والا ہوں تیرے نفس کا سوتے میں اور اُٹھانے والا ہوں تجھکو جب کہ تو سوتا ہوا ہو تا کہ تجھکو خوف پیدا نہ ہو اور تو ایسی حالت میں بیدار ہووے کہ آسمان پر امن و تقرب کے ساتھ موجود ہو۔ بیضاوی نے اس آخری معنے کے تلے لکھا ہے کہ یہ روایت بھی آئی ہے کہ حضرت عیسے سوتے ہوئے آسمان پر اُٹھائے گئے۔ (۴) بیضاوی نے کہا ہے کہ یا مراد اس سے یہ ہے کہ مارونگا تجھکو تیری شہوات[1] سے جو عالم الملکوت پر تیرے عروج کرنے سے حارج ہیں اسلئے کہ جب تک ماسوی اللہ سے کوئی فانی نہیں ہوتا مقام معرفت آلہی میں نہیں پہونچ سکتا۔ پس حضرت عیسے جس وقت آسمان پر پہونچے آنکی حالت ملائکہ کی سی ہوگی خواہش اور غضب اور برائیاں سب

[1] دیکھو تیسیر الوصول کی جلد اول میں کتاب التفسیر کا باب ثانی ۱۲

اُن سے جاتی رہیں (۵) بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہاں متوفیک کے
معنے ممیتک ہیں یعنے مارنے والا ہوں تجھکو۔ اب اسمیں اختلاف ہے کہ حضرت عیسے کتنی
دیر مرے رہے۔ تفسیر ابو مسعود میں لکھا ہے کہ یہ بھی ایک قول ہے کہ حضرت عیسے سات
گھڑی تک کے لئے مرگئے تھے پھر اللہ نے اُنکو آسمان پر اُٹھالیا اور نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے
اور امام فخرالدین رازی نے کہا ہے کہ سات گھڑی تک اُنکے مرجانیکا اور بعد اسکے زندہ ہوکر آسمان
پر اُٹھا لئے جانے کا قول محمد بن اسحاق کا ہے اور وہب نے کہا ہے کہ تین ساعت کے لیئے
مرگئے تھے پھر آسمان پر اُٹھائے گئے۔ ابو مسعود یہ بھی کہتے ہیں کہ قرطبی نے کہا ہے صحیح یہ ہے کہ
اللہ نے اُنکو بغیر وفات اور نیند کے آسمان پر اُٹھالیا ہے اور طبری وحسن وغیرہ کا یہی مختار ہے
اور صحیح بھی یہی ہے۔ پھر ابو مسعود یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسے کو سراپا نورانی
کرکے کھانے پینے کی خواہشات کو اُن سے سلب کرلیا اور متوفیک سے یہی مراد ہے۔
کہ انکی شہوات زائل کردی گئیں اور حضرت عیسے کے واقعہ قتل کے مشہور ہونیکے بعد اُنکے
معتقدین میں اختلاف ہوکر تین عقیدے ٹھہرگئے۔ ایک گروہ کہنے لگا کہ وہ اللہ تھے ہم میں
رہے پھر آسمان پر چڑھ گئے اور یہ یعقوبیہ کہلاتے ہیں۔ اور دوسرا فرقہ کہنے لگا کہ ہم میں اللہ کا
بیٹا تھا پھر اللہ نے اسکو اپنے پاس اُٹھالیا اور یہ نسطوریہ کہلاتے ہیں۔ اور تیسرے گروہ نے
کہا کہ ہم میں اللہ کا بندہ اور اُسکا رسول تھا پھر اللہ نے اسکو آسمان پر اُٹھالیا۔ امام فخرالدین
رازی نے علیہ الرحمہ تفسیر کبیر میں متوفیک کے معنے نو وجہوں کے ساتھ بیان کیے ہیں جنمیں
سے پانچ وجہیں تو وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوچکی ہیں۔ اور باقی وجہیں یہ ہیں (۶) توفی کہتے
ہیں پورا لینے کو اس صورت میں متوفیک سے مطلب یہ ہے کہ تجھکو پورا لے لونگا اور پورا
لینے کی صورت یہ ہے کہ روح اور جسد کے ساتھ آسمان پر اُٹھالئے گئے (۷) مراد متوفیک سے
یہ ہے کہ میں تجھکو مثل متوفی کے کردونگا اور ظاہر ہے کہ جبکہ وہ آسمان پر اُٹھالئے گئے تو خبر اور
اثر اُنکا دنیا سے جاتا رہا تو خود مانند متوفی کے ہوگئے۔ اور ایسا بطور تشبیہ کے کہدینا استعمال عرب
میں جائز ہے (۸) توفی کے معنے قبض کرنے یعنے لینے کے ہیں اور حضرت عیسے کو جو زمین سے
آسمان پر اُٹھالیا تو یہی قبض کرنا یعنے لے لینا تھا۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب توفی کے معنے زمین سے

آسمان پر اُٹھائے گئے ٹھہرے تو رَافِعُكَ اِلَيَّ مکرر ہوگا و تکرار ہونا نہیں۔ جواب اسکا یہ ہے کہ متوفیک دلالت کرتا ہے توفی یعنے قبضہ کرنے اور لینے پر اور قبضہ کرنا و لینا ایک جنس ہے کہ کبھی موت کے ذریعہ سے واقع ہوتا ہے اور کبھی زمین سے آسمان پر چڑہا دینے سے پہر جب رافعک الیّ فرمایا تو اُس سے دوسری نوع متعین ہوگئی اور یہ ثابت ہوگیا کہ یہاں قبضہ کرنے اور لینے کی صورت آسمان پر چڑہانے کے ساتھ وقوع میں آئی ہے اور نوع دوم خارج ہے

(۹) متوفی اور رافعک کے بعد ایک مضاف مقدر ہے یعنے اصل عبارت یہ ہے۔ اِنّی متوفی عملک و رافع عملک الیّ۔ مطلب یہ ہے کہ میں تیرے عمل کو بھر لوں گا اور آسمان پر اُٹھا لونگا اور نظیر اسکی یہ ہے کہ قرآن میں آیا ہے کہ اعمال اللہ کیطرف چڑہتے ہیں۔ چنانچہ سورہ فاطر میں ہے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ اُسکی طرف چڑہتا ہے کلام پاکیزہ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالے عیسے علیہ السلام کو بشارت دیتا ہے کہ تیری طاعات اور عمل قبول کرلوں گا اور جو کچھ تجھکو مشقت اور تکلیف دین کے پہیلانے اور شریعت کے جاری کرنے میں دشمنوں سے پہونچی ہے وہ اکارت نہ جائیگی اُسکا اجر ضرور ملیگا۔

اور جو لوگ اس آیت میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ الفاظ آگے پیچہے ہیں اور واوٗ ترتیب کے لئے نہیں ہے اصل عبارت یوں ہے انّی رافعک الیّ ومطہرک من الذین کفروا ومتوفیک بعد انزالی ایاک فی الارض یعنے تجھکو اپنی طرف اُٹھا لونگا اور کافروں سے پاک کرونگا۔ اور پہر دنیا میں نازل کرکے موت دونگا۔

اور امامکم منکم جس حدیث کا ٹکڑا ہے اُسمیں حضرت عیسے کے نزول کی ہی خبر دی ہے اور پوری روایت بخاری و مسلم میں اسطرح ہے کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم یعنے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جبکہ عیسے بن مریم تم میں اُترینگے اور امام تمہارا تمہیں میں سے ہوگا۔ اور امامکم منکم سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسے کا انتقال ہوچکا ہے بلکہ اذا نزل نص ہے اس باب میں کہ عیسے علیہ السلام حیات ہیں فوت نہیں ہوئے اور امامکم منکم کا یہ مطلب ہے کہ امام قریش میں سے ہوگا۔ یا تمہارے اہل ملت میں سے علما نے اسکی دو طرح سے شرح کی ہے۔ ایک تو یہ کہ امام تمہارا نماز کا وہ شخص ہوگا کہ تم میں سے

اور حضرت عیسےٰ اُسکی اقتدا کرینگے اور وہ مہدی ہے اور یہ بسبب تعظیم و تکریم امت محمدی کے
ہوگا جیسے کہ جابر سے مسلم نے روایت کی ہے لاتزال طایفة من امتی یقاتلون علی
الحق ظاہرین الی یوم القیامة قال فینزل عیسی ابن مریم فیقول امیرھم
تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمة الله ھذہ الامة ۔
یعنے آنحضرت نے فرمایا کہ میری امت ہمیشہ لڑتی رہیگی حق پر اس حال میں کہ دشمنوں پر فتحیاب
ہونگے قیامت تک فرمایا حضرت نے پھر حضرت عیسےٰ پسر مریم آسمان سے اُترینگے میری
امت کا امیر (یعنے مہدی ؑ) اُن سے کہیگا کہ آؤ ہمکو نماز پڑھاؤ وہ جواب دینگے کہ میں امامت
نہیں کرتا تحقیق بعض تم میں سے بعضوں پر امیر ہے بسبب بزرگی دینے اللہ تعالیٰ کے امت
محمدی کو اور حضرت عیسےٰ کی امامت سے انکار کرنیکی وجہ یہ ہے کہ انکی امامت سے دین محمدی
کے منسوخ ہونے کا وہم پیدا ہوتا پس امام نماز کے مہدی ہی ہوں گے۔ ہاں اُس زمانہ میں
حضرت عیسےٰ حاکم اور خلیفہ اور تعلیم کرنے والے اچھی باتوں کے ہوں گے۔ اور دوسری وجہ
یہ ہے کہ مراد امام سے حضرت عیسےٰ ہیں پس مراد اس سے کہ امام تم میں سے ہوگا یہ ہے
کہ حضرت عیسےٰ تمہاری شریعت کے موجب حکم کرینگے نہ مطابق انجیل کے پس امامکم منکم کے
یہ معنے ہونگے کہ امامت کرینگے تمہاری حضرت عیسےٰ اس حالت میں کہ وہ تمہارے
دین میں سے ہونگے اور تمہاری کتاب وسنت کے موجب حکم کرنیوالے ہونگے۔

اور بعض علما کہتے ہیں کہ جس روایت میں عیسےٰ علیہ السلام کا امام نماز ہونا لکھا ہے اُس
روایت پر امامکم منکم کے یہ معنے ہیں کہ جہاد اور غزوات میں امام تمہارا تمہیں میں سے ہوگا۔
حضرت عیسےٰ علیہ السلام تو صرف دجال کو قتل کرینگے۔ اور بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی نے
ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والذی نفسی بیدہ لیوشکن
ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة و
یفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدة الواحدة خیرا من الدنیا وما فیہا ۔
قسم ہے اُس خدا کی کہ بقائے جان میری اُسکے ہاتھ میں ہے تحقیق اُترینگے آسمان سے تم میں
عیسےٰ علیہ السلام اس حال میں کہ حاکم عادل ہونگے صلیب کو توڑینگے سور کو قتل کرینگے یعنے اسکی

پالنے کو اور کھانے کو حرام کرینگے اور جزیہ اہل ذمہ پر رکھیں گے اور بہت ہوگا مال یہانتک کہ اسکو کوئی قبول نہ کرے گا۔ یہانتک کہ ایک سجدہ دُنیا اور اُسکی چیزوں سے بہتر ہوگا۔ یہ حدیث صحیح مرفوع متصل ہے اور ایسی ہی بہت سی احادیث سے ثابت ہوا ہے کہ حضرت عیسےٰ بن مریم آسمان سے زمین پر قیامت کے قریب اُترینگے اس سے بخوبی عیاں ہے کہ وہ اپنے جسم عنصری کے ساتھ حیات ہیں۔

اور یہ جو فواتحہ سبعہ مقدمہ شرح دیوان حضرت علی قاضی حسین میبذی نے لکھا ہے کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ کی روح مہدی میں ظہور کرے گی اور نزول عیسےٰ سے مراد یہی ظہور ہے اور مطابق اسی کے ہے یہ حدیث لا مهدی الا عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام یعنے مہدی اصل میں عیسےٰ علیہ السلام ہی ہونگے۔ انتہیٰ فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں شوکانی نے لکھا ہے کہ صغانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

اور مرزا صاحب کے ایک بھائی نے طمع نفسانی اور شکم پروری کے لیے بھنگیوں کے لال گرو ہونے کا دعوی کیا ہے اُنکی وہاں آؤ بھگت ہو رہی ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ؕ

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

تمت

بقلم شکستہ رقم اضعف من عباد اللہ الفقیر حبیب اللہ منشی فاضل متوطن ضلع راولپنڈی وارد لاہور ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء